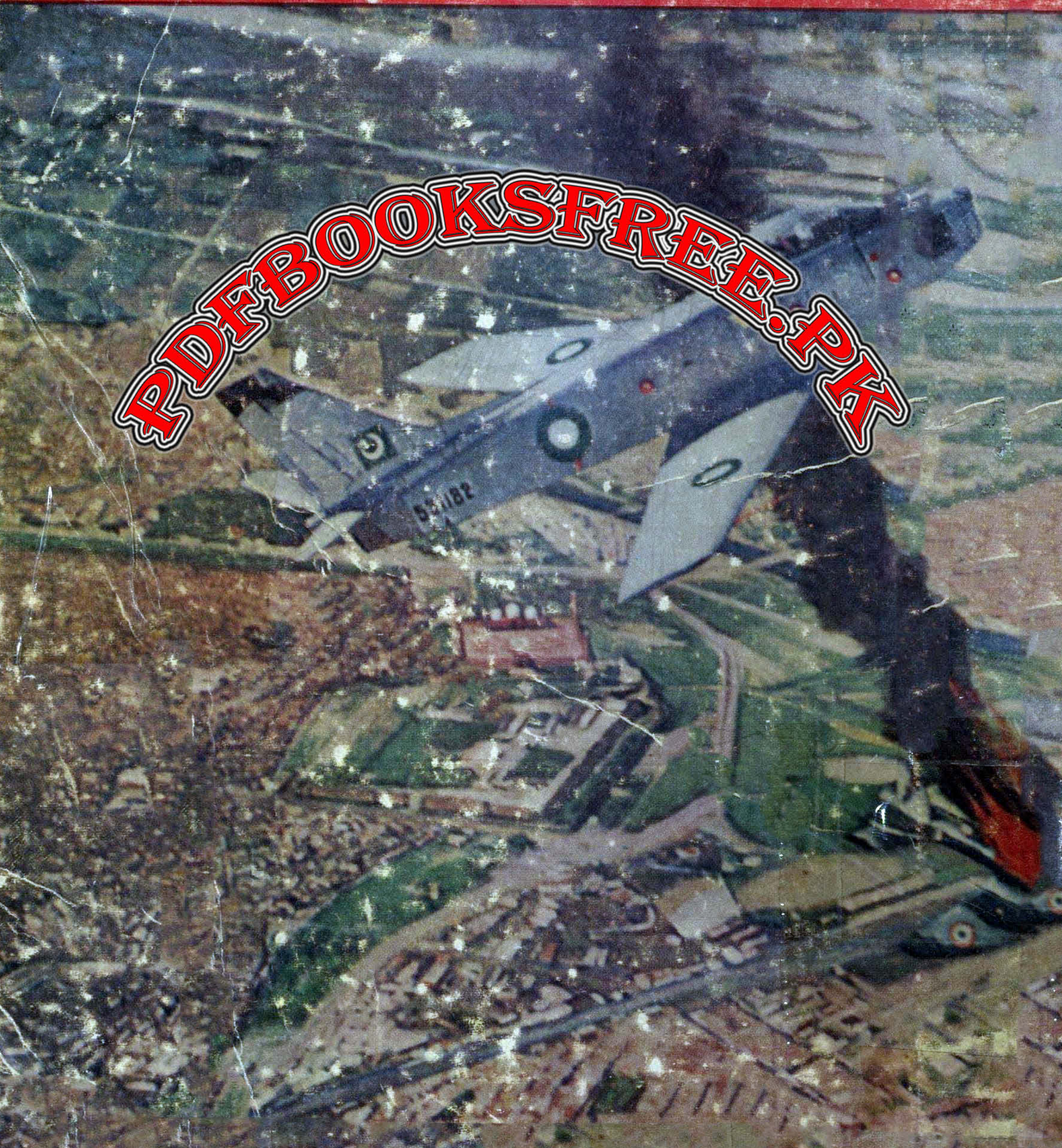
پاک فضائیہ کے شاہین



پاک فضائیہ کے شاہین

محمد افضل

عنایت اللہ

بار اوّل ــــــــــــــــ تین ہزار

۱۹۶۷

"سیّارہ ڈائجسٹ" پبلی کیشنز لمیٹڈ ۔ نمبر ۴ کوئنز روڈ ۔ لاہور

طباعت: نوائے وقت پرنٹرز لمیٹڈ ۔ نمبر ۴ کوئنز روڈ ۔ لاہور

اُن شہید شاہبازوں کے نام
جنھوں نے قوم کی زندگی کی خاطر
اپنی جانیں قربان کر دیں!

ترتیب :

❁ يَا يُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○
❁ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

الانفال - ۸
۶۵ ، ۶۶

اے پیغمبر! آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے۔ اور (اسی طرح) اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے۔ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے۔

اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے۔ سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔

(جنگ شروع ہوتے ہی یہ آیات پاک فضائیہ کے ہوابازوں میں تقسیم کی گئی
تھیں اور جنگ کا تمام عرصہ یہ آیات ہر ہواباز کے پاس رہیں)



صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، اسکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم ستارۂ جرأت (بار) سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ ایئر مارشل ایم نور خان درمیان میں کھڑے ہیں



ایئرمارشل ایم۔ نور خان، کمانڈر انچیف، پاکستان ایئر فورس ـــــ ایف ۱۰۴ کی کاک پٹ میں

تعارف

'پاک فضائیہ کے شاہین' فضائی جنگ کا سرکاری ریکارڈ نہیں، نہ یہ پاک بھارت جنگ کے فضائی معرکوں کی مکمل تاریخ ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ پاکستان کے عام شہریوں کو علم ہو جائے کہ فضائی معرکے کس طرح لڑے جاتے ہیں؟ دشمن کے فضائی اور فوجی ٹھکانوں پر فضائی حملے کس طرح کیے جاتے ہیں؟ اپنی برّی فوج کو کس طرح فضائی مدد دی جاتی ہے؟ وہ کون سی دشواریاں اور خطرات ہوتے ہیں جن کا سامنا ایک ہواباز کو ہوتا ہے؟ اور ہواباز فضا میں تن تنہا کس طرح موت سے سینہ سپر ہوتا ہے؟ اسی مقصد کے تحت پاک فضائیہ کے چند ایک لڑاکا اور بمبار ہوابازوں کے چیدہ چیدہ معرکوں کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہے۔

فضائیہ (ایئر فورس) لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔ لوگ طیاروں کو اڑتا دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کے ہوابازوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ نہ اُن انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں جو طیاروں کو اڑانے اور لڑنے کے قابل بنائے رکھنے کے لیے دن رات خون پسینہ ایک کرتے رہتے ہیں۔ انھیں گراؤنڈ کریو Ground Crew (زمینی عملہ) کہتے ہیں۔ ایک عام آدمی تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ فضا میں لڑنے والے انسان کس طرح لڑا کرتے ہیں اور جب آسمان کی وسعت میں زندگی اور موت کا معرکہ درپیش ہوتا ہے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

پاکستانیوں کے لیے فضائی جنگ انوکھی چیز تھی۔ انھوں نے کئی بار اپنی فضائیہ کے طیاروں کو فضا میں حیرت انگیز کرتب کرتے اور قلابازیاں لگاتے دیکھا تھا۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ جیٹ طیاروں کی دلکشی میں ڈھکی چھپی ہولناک قوت کو وطن کے دفاع کے لیے استعمال کیا گیا اور جب لوگوں نے اپنے جری ہوابازوں کی شجاعت اور جانبازی کے کارنامے سنے تو وہ بجا طور پر بے تاب ہونے لگے کہ فضائی کرتب دکھلانے والے شاہبازوں کو لڑتے ہوئے بھی دیکھیں۔

جب ایک ہواباز دشمن کی ہوائی قوت سے نبرد آزما ہونے کے لیے فضا کی وسعتوں میں محوِ پرواز ہوجاتا ہے تو اسے دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ نہ کوئی تماشائی نہ کوئی اخبار نویس نہ کوئی فوٹو گرافر۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جواں سال، خُوبرو، گٹھا ہوا انسان جو ابھی ابھی فضائی اڈے کے کریو روم میں بیٹھا ہنس ہنس کے باتیں کر رہا تھا' فضا کے کون سے گوشے میں چلا گیا ہے۔ بعض اوقات دو چار ہواباز دشمن کے کسی ہوائی اڈے یا فوجی ٹھکانے پر حملہ کرنے جاتے ہیں تو دشمن کے ہواباز انھیں راستے میں روک کر فضائی معرکے میں الجھا لیتے ہیں۔ ان کا اصلی مشن تو دھرا رہ جاتا ہے لیکن وہ دشمن کے ایک دو طیارے گرا کر لوٹ آتے ہیں یا ان دو چار میں سے کوئی ایک لَوٹ ہی نہیں سکتا۔

ہواباز کو تو ہوش ہی نہیں ہوتی (اور پاک فضائیہ کے ہواباز کو تو خواہش ہی نہیں ہوتی) کہ وہ دیکھے کہ اسے کوئی دیکھ بھی رہا ہے یا نہیں۔ وہ طیارے میں بہت مصروف ہوتا ہے۔ اسے طیارہ قابو میں رکھنا ہوتا ہے، مختلف میٹروں کی تھرکتی سوئیوں اور آلات پر نظر رکھنی ہوتی ہے، سمت کی فکر کرنی ہوتی ہے' تیل، پٹرول اور ایمونیشن پر نگاہ رکھنی ہوتی ہے، اپنے فضائی اڈے یا اپنے لیڈر کے ساتھ رابطہ رکھنا ہوتا ہے اور وہ تن تنہا، زمین سے بہت دور اُوپر، اچھے بُرے موسم میں، راتوں کے گُپ اندھیرے میں، چمکتے اور دہکتے سورج میں، دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں کی زد میں محوِ پرواز ہوتا ہے۔ وہ جنگی مشن سے واپس آ کر لاکھ کہے کہ وہ دشمن کے اتنے طیارے یا ٹینک یا توپیں یا گاڑیاں تباہ کر آیا ہے، اس کی 'ہٹ' (ضرب) کو صرف اس صورت میں صحیح تسلیم کیا جاتا ہے جب اس کی مشین گنوں اور راکٹوں کے ساتھ چلنے والا کیمرہ فلم کی زبان میں گواہی دے یا کوئی قابلِ اعتماد عینی شاہد تصدیق کر دے ——— پاک فضائیہ کا دستور یہی رہا ہے اور یہی رہے گا۔ اس نے کوئی دعویٰ ایسا نہیں کیا جس کے لیے یقینی شہادت موجود نہیں تھی۔

فضائی جنگ برّی اور بحری جنگ سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ فضائی معرکے میں دشمن کو مار گرانے کا انحصار ہواباز کی چُستی، قابلیت، مکمل بیداری، یکسوئی، حاضر دماغی، بے خوفی اور ذہنی کیفیت پر ہوتا ہے۔ فضائی معرکہ ڈوئیل **Duel** (پرانے زمانے کی دوبدو لڑائی) کی طرح لڑا جاتا ہے۔ برّی سپاہی کی طرح ہواباز کو کسی جھاڑی' ٹیکری' خندق یا کھیتوں کی اونچی نیچی مینڈھوں کی آڑ میسر نہیں ہوتی۔ اسے فضا میں پلک جھپکتے فیصلے کرنے ہوتے ہیں اور پلک جھپکتے فیصلے بدلنے ہوتے ہیں۔ اپنی قسمت کا فیصلہ وہ خود کرتا ہے۔ اسے لمحہ بہ لمحہ، قدم بہ قدم ہدایات دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ دشمن کے طیارے کی مشین گنوں اور اس کے طیارے کے درمیان ہَوا کی لطیف تہوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا، کوئی دیوار نہیں ہوتی، لوہے کی کوئی موٹی چادر نہیں ہوتی۔ جس ہواباز نے حاضر دماغی اور پھُرتی کا مظاہرہ کر کے صحیح پوزیشن میں آ کر صحیح نشانہ لے لیا اُس نے معرکہ سر کر لیا اور فضا کا فاتح بن گیا۔

فضائی معرکے میں ہوا باز آمنے سامنے آکر فائر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے عقب میں آنے کے لیے طرح طرح کے پینترے بدلتے ہیں۔ ایک لمحے ایک طیارہ دشمن کے پیچھے آکر نشانہ لے لیتا ہے تو دوسرے لمحے فضا میں ایک دھماکہ ہوتا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے قرمزی رنگ کا مہیب شعلہ چمکتا ہے اور ایک طیارے کے ٹکڑے فضا میں بکھر جاتے ہیں۔ بعض ہوا باز طیارے میں آگ لگتے ہی پلک جھپکتے پیرا شوٹ سے کود آتے ہیں اور بعض طیارے اس قدر جلدی پھٹ جاتے ہیں کہ ہوا باز کو نکلنے کی مہلت نہیں ملتی۔

وہ دور گزر گیا ہے جب دو جنگجو میدان میں آمنے سامنے آکر تیغ زنی کیا کرتے تھے۔ وہ ذاتی شجاعت اور دلیری کا دور تھا۔ اب تو جنگ جدید اسلحہ اور محفوظ طریقوں سے لڑی جاتی ہے۔ لڑنے والے دور دور محفوظ مورچوں میں پوزیشن لے کر ایک دوسرے کا کشت و خون کرتے ہیں۔ بڑی بڑی دور مار توپیں تارگیٹ (ہدف) کو دیکھے بغیر میلوں دور سے گولہ باری کرتی ہیں۔ صرف ہوا باز رہ گیا ہے جو آج بھی صدیوں پہلے کے جنگجوؤں کی طرح آمنے سامنے آکر ذاتی شجاعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ مار دیتا ہے یا مارا جاتا ہے۔ آج کا ہوا باز صدیوں پہلے کی ذاتی شجاعت کی آخری یادگار ہے۔ وہ جب اڑنے والے گھوڑے پر سوار ہو کر فضا میں بلند ہوتا ہے تو اس کی رگوں میں پُرشباب خون اُبلنے لگتا ہے۔ اس کی آنکھیں آسمان کی وسعت میں اس دشمن کی تلاش میں سکڑنے لگتی ہیں جو اس کے وطن پر جھپٹنے کے لیے آرہا ہوتا ہے۔ اس کی نگاہیں دھندلی دھندلی یا ابر آلود یا سورج کی تمازت سے چمکتی دہکتی فضا کا گوشہ گوشہ چھان رہی ہوتی ہیں۔ وہ کسے ڈھونڈ رہا ہوتا ہے؟ ——— موت کو! ——— اپنی یا دشمن کی موت! ——— وہ موت کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے۔ وہ اپنی جوانی اور جینے کی امنگ کو یکسر فراموش کر دیتا ہے اور جب دشمن اس کے مقابلے میں آجاتا ہے تو وہ اسے مار دیتا ہے یا اس کے ہاتھوں مر جاتا ہے، اس کے بغیر وہ اپنے مشن کو مکمل نہیں سمجھتا۔

فضائی معرکہ کس طرح لڑا جاتا ہے:

تکنیکی لحاظ سے تو بات خاصی پیچیدہ ہے۔ عام فہم زبان میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ فضا کا معرکہ بہت بلندی پر شروع ہوتا ہے جیٹ طیارے اپنے پیچھے دھوئیں کی گھنیری لکیریں چھوڑتے، ایک دوسرے کے عقب میں آنے کی کوشش میں نیچے ہی نیچے ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کشش ثقل Gravitational اور مرکز گریز Centrifugal قوتیں

ہوا باز کو طیارے کی ہر نقل و حرکت کے ساتھ ایسی بُری طرح جھنجھوڑتی رہتی ہیں کہ عام آدمی کا اعصابی نظام ذرا سی دیر میں درہم برہم ہو جائے۔ جب تیزی سے موڑ کاٹے جاتے ہیں یا طیارے کو یک لخت اوپر یا نیچے کیا جاتا ہے یا قلابازی لگائی جاتی ہے تو چند سکینڈ کے لیے ہوا باز کی آنکھوں کے سامنے گُپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس دوران میں ضرورت پڑے تو اسی اندھیرے میں پینترا بدلنا پڑتا ہے۔ ہوا باز کا خون کبھی جسم کے نچلے حصے میں آجاتا ہے اور کبھی سارے کا سارا خون دماغ کی طرف چڑھ جاتا ہے۔ یہ کششِ ثقل اور مرکز گریز قوتوں کا عمل ہوتا ہے۔ ہوا باز کو قدرت کے ان دشمن عناصر کا بھی مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔

طیارے کا ہر موڑ اور ہر پینترا اس کی بلندی کم کرتا جاتا ہے۔ اس دوران حریف ایک دوسرے کو زد میں لینے کے لیے ایک دوسرے کے عقب میں آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تکنیکی زبان میں ان داؤ پیچوں اور پینتروں کے الگ الگ نام ہیں لیکن قارئین کو یہ نام ازبر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاک فضائیہ کو اپنے سے کئی گنا بڑی اور طاقت ور فضائی قوت کا سامنا تھا۔ تعداد کی زیادتی کے علاوہ بھارت کے طیارے پاک فضائیہ کے طیاروں کی نسبت جدید تر اور تیز تر تھے اور ان کا اسلحہ بارود مقابلتاً زیادہ خطرناک اور زیادہ مار کرنے والا تھا۔ ان حقائق کو دیکھ کر زمانہ دم بخود تھا کہ پاک فضائیہ جیسی مُٹھی بھر فضائی فوج کا حشر کیا ہو گا؟ لیکن پاکستانی ہوا بازوں کو اپنے اللہ، اپنی جنگی قابلیت، محکم یقین، آباؤ اجداد کی روایات اور جنگ کے واضح مقصد پر بھروسہ تھا جس کے بل بوتے پر ان چند ایک شاہبازوں نے فضائی معرکوں کی عالمی تاریخ میں ایک حیران کن باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی مبصّر جو پاک فضائیہ کی کمزوری اور بھارت کے طیاروں کی تعداد اور برتری دیکھ کر دم بخود تھے، اب پاکستانی ہوا بازوں کی فتوحات پر انگشت بدنداں ہیں۔ ان شاہبازوں نے فضا میں اپنی برتری کا جھنڈا گاڑ دیا اور جنگ کو حملہ آور کے ملک میں دُور اندر لے گئے۔

پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف ایئر مارشل نور خاں نے جنگ کے بعد ایک خطاب میں فرمایا تھا: ——— "پوچھا جا سکتا ہے کہ اس قدر تھوڑے نقصان کے عوض میں ہم نے اس قدر عظیم فتوحات کیونکر حاصل کر لی ہیں؟ ہمارا جواب یقیناً یہی ہو گا کہ ہمارے ہوا بازوں کے سامنے ایک واضح مقصد تھا۔ وہ حق پر تھے اور انھیں خدائے ذوالجلال پر بھروسہ تھا۔ ان مقدّس عناصر نے ان کے دلوں سے موت کا خوف نکال دیا۔ جب وہ ناسازگار حالات اور اپنے سے قوی تر عدُو کے مقابلے میں آئے تو ہمارے بہت سے رفیقی، منیرؔ اور اقبالؔ دشمن کا مقابلہ کرنے سے ذرہ بھر نہ ہچکچائے۔ ان کے دلوں میں خوف نہ تھا اور دماغوں میں کوئی شک و شبہ نہ تھا۔ یہ تھا وہ جذبہ جس نے ہمیں اپنی عسکری قوت سے کہیں زیادہ عظیم کارنامے سرانجام دینے پر اُکسایا اور ہم نے ناممکن کو بھی ممکن کر دکھایا۔"

بھارت کے اچانک حملے کے ساتھ ہی پاک فضائیہ حرکت میں آ گئی۔ کیا افسر کیا ماتحت، ہر فرد و بشر، جو کوئی جس کام پر مامور تھا اپنے عہدے اور رُتبے کو بالائے طاق رکھ کر پاک فضائیہ کو قوم کے سامنے سرخرو کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو گیا۔ فضائی معرکہ فاعی ہو یا جارحانہ، اس کی کامیابی اکیلے ہواباز کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایک طیارے کی جنگی پرواز کے پس منظر میں ایک بہت بڑی ٹیم سرگرم عمل ہوتی ہے۔ ریڈار اور وائرلیس اپریٹر اور ٹیکنیشن، کنٹرولر، طیارے کی تکنیکی دیکھ بھال اور فوری مرمت کرنے والا زمینی عملہ (گراؤنڈ کریو)، مشین گنوں میں گولیوں کے پٹے ڈالنے والی، طیاروں کے ساتھ بم اور راکٹ لگانے والی سدا تیار پارٹی، تیل، پٹرول ڈالنے والی پارٹی، طیارے کی باڈی اور انجن کو بے عیب رکھنے والے فٹر اور ان کے علاوہ ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو ایک طیارے کی کامیاب پرواز کے ضامن ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ در سلسلہ مشینری میں ایک بھی کل پُرزہ ڈھیلا پڑ جائے تو بڑے بڑے نامور شاہباز بھی پٹ جاتے ہیں۔

قوم نے ہی نہیں اقوامِ عالم نے پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے لیکن گراؤنڈ کریو (زمینی عملہ) کو خراجِ عقیدت پیش کرنا از بس لازمی ہے۔ انھوں نے مسلسل دن رات طیاروں کو جنگ کے لیے تیار رکھنے کے لیے حیرت انگیز کارنامے کر دکھائے ہیں۔ امن میں بھی پاک فضائیہ کے طیاروں کا تکنیکی معیار دنیا بھر سے بلند تھا۔ لیکن امن کی بات اور ہے۔ جنگ کے دوران طیاروں کی فوری مرمت اور دیکھ بھال سہل نہیں ہوتی۔ اڑانیں معمول سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ کیا دن کیا رات، طیارے زیادہ وقت ہَوا ہی میں رہتے ہیں۔ طیارے مشن سے آتے ہیں تو بعض کے پَر اور دیگر حصے دشمن کے فضائی یا زمینی فائر سے چھلنی ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض میں کوئی اور نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی کی مشین گنیں رُک رُک کر فائر کرتی ہیں اور کسی کا وائرلیس سسٹم تباہ ہو جاتا ہے اور بعض طیارے اس حالت میں واپس آتے ہیں کہ عام حالات میں انھیں پرواز کے ناقابل قرار دے دیا جاتا ہے۔ پاک فضائیہ کے گراؤنڈ کریو نے جنگ کے دوران کسی بھی طیارے کو زیادہ دیر زمین پر معذور نہیں پڑا رہنے دیا، اور ناقابلِ پرواز طیاروں کو مرمت کر کے نہ صرف اُڑنے بلکہ لڑنے کے قابل بنا دیا۔

کس قدر حیران کن اور قابلِ تحسین حقیقت ہے کہ جنگ کے دوران پاک فضائیہ کے طیاروں کی تیاری اور صلاحیتِ کار Serviceability امن کے زمانے سے (جب طیارے صرف اُڑتے ہیں، لڑتے نہیں) بھی زیادہ تھی۔ ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ طیارے کی مرمت کا جو کام عام حالات میں چار دنوں میں ہوتا تھا، جنگ کے دوران چار گھنٹوں میں مکمل کیا گیا۔

پاک فضائیہ نے پہلا معرکہ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو چھمب کی فضا میں لڑا۔ اطلاع آئی کہ دشمن کے طیارے آزاد کشمیر اور پاک

فوج کے دستوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے ان پر راکٹ اور گولیاں برسا رہے ہیں۔ چند منٹوں میں ہمارے ۲ سیبر طیارے غرّاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور لمحوں میں اپنے طیاروں سے برتر چار ویمپائر طیارے مار گرائے۔ چاروں طیارے پاک فوج کے مورچوں کے عقب میں گرے۔ اس معرکے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کے بعد دشمن نے جنگ کے دوران پاک فضائیہ کے مقابلے کے لیے ویمپائر طیارے کبھی نہ بھیجے۔

۲ ستمبر کو دشمن کی ایئر فورس سامنے نہ آئی اور اس دن پہلی بار ہمارے ہوابازوں نے چھمب کے علاقے میں دُشمن کی برّی فوج پر حملہ کیا۔ پاک فضائیہ کا ایک ہواباز کہتا ہے :

"ہم میدانِ جنگ پر پہنچے تو ابھی اندھیرا ہی تھا۔ ہم گولہ باری کی دھُواں دھار اور گرد و غبار میں درختوں کی بلندی پر اُڑتے رہے۔ ہم نے دشمن کو دیکھ لیا۔ اس کی توپیں اپنے پسپا ہوتے ہوئے دستوں کو حفاظتی (کور) فائر دینے لگیں۔ ایک گولہ میرے طیارے کو مجروح کر گیا۔ میرے سر کے پیچھے سے کینوپی Canopy چکنا چور ہو گئی لیکن دشمن کی توپیں ایسا دلکش تارگیٹ (ہدف) تھا کہ طیارے کے پُرخطر نقصان کے باوجود پیچھے آنے کو جی نہ چاہا۔ ہم نے دشمن کی توپوں پر جھپٹنا شروع کیا اور مشین گنوں کی اس قدر بوچھاڑیں ماریں کہ ایک ایک کر کے ساری توپیں خاموش ہو گئیں۔ ہم اپنا ایمونیشن ختم کر کے اڈے پر آ گئے۔"

اگلے روز اسی فضا میں ہمارے دو طیاروں کے مقابلے کے لیے انڈین ایئر فورس کے چھ نیٹ طیارے آئے۔ چھ بھارتی ہواباز جب ہمارے دو شاہبازوں کے مقابلے میں آئے تو ان کے پہلے ہی پینترے اور اندازِ پرواز سے ان کی بوکھلاہٹ دکھائی دینے لگی۔ پاک فضائیہ کا ایک طیّارہ ایک نیٹ طیارے پر عقب سے فائر کر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک اور نیٹ نے اس پر فائر کر دیا۔ پاک فضائیہ کا طیارہ مجروح ہو گیا جس سے ہواباز کو حملے سے ہٹنا پڑا لیکن اس نے معرکے سے منہ نہ موڑا۔ اتنے میں پاک فضائیہ کا ایک سٹار فائٹر F-104 آنکلا، جسے دیکھتے ہی دشمن کے اتنے سارے طیارے میدان چھوڑ گئے۔ وہ سب بُری طرح بکھر گئے اور ان میں سے ایک نیٹ کے ہواباز کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ اپنے اڈے کی طرف جانے کی بجائے اُس نے پاکستان کے علاقے میں آکر اترنے میں خیریت سمجھی۔ ہواباز کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ تو اب پھر بھارتی ایئر فورس میں واپس چلا گیا ہے لیکن اس کا نیٹ طیارہ پاک فضائیہ کے پاس ایک دلکش اور قابلِ فخر یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

ہمارے جس طیارے کو نقصان پہنچا تھا اسے شاہباز خیریت سے واپس لے آیا لیکن اس لطیفے پر وہ آج بھی ہنس رہا ہے کہ اسی شام آل انڈیا ریڈیو (آکاش وانی) نے خبر نشر کی تھی کہ انڈین ایر فورس کے ایک سکواڈرن لیڈر کیلر کو پاک فضائیہ کا ایک طیارہ مار گرانے پر "ویر چکر" (بہادری کا تمغہ) دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاک فضائیہ کا یہ طیارہ نہ صرف اڈے پر واپس آگیا تھا بلکہ جنگ کا تمام عرصہ فضائی معرکے لڑتا رہا۔

پاکستان پر حملے سے پہلے انڈین ایر فورس کے ہوا باز پاکستانی سرحدوں کے اندر آکر اشتعال انگیز اڑانیں کرتے رہے۔ پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کو حق حاصل تھا کہ وہ ان کے تعاقب میں دشمن کے علاقے میں چلے جاتے لیکن انھوں نے دشمن کے طیاروں کو اپنی سرحدوں سے بھگا دینے پر ہی اکتفا کی۔ ۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے اپنی فضائی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت سے طیارے جن میں مگ Mig طیارے بھی شامل تھے، جہلم، گجرات اور گوجرانوالہ کے علاقوں پر بھیجے۔ اس موقع پر ایئر مارشل نور خاں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاک فضائیہ نے اب تک فضائی حدود کی خلاف ورزی سے گریز کیا ہے لیکن اب یہ گریز زیادہ دیر ممکن نہ رہ سکے گا۔ ایر مارشل نور خاں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے ہوا بازوں نے اپنے نقصان کے بغیر بھارت کے چند طیارے گرائیے ہیں۔ جنگ میں نقصان ہر لمحہ متوقع ہوتا ہے۔ اگر جنگ میں پاک فضائیہ کا نقصان ہوا تو پاکستان میں کسی کو اس کی تاویل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اور جب بھارت نے رسمی اعلان کے بغیر پاکستان پر حملہ کر دیا تو پاک فضائیہ جوش و خروش اور جذبۂ حریّت سے لیس ہو کر دشمن کی برتر اور قوی تر فضائی قوت سے نبرد آزما ہونے کے لیے سامنے آگئی اور ہمارے ہوا بازوں نے کاری ضربیں لگائیں۔ جس صبح دشمن نے لاہور پر حملہ کیا، زمین پر اور فضا میں وہ خونریز معرکوں کا دن تھا۔ صبح کے وقت پاکستان کے لڑاکا بمبار ہوا بازوں نے دشمن کے حملہ آور لشکر پر حملہ کیا اور اس کے بہت سے ٹینک، توپیں اور چھوٹی بڑی فوجی گاڑیاں تباہ کرنے کے علاوہ بے انداز جانی نقصان کیا۔ اسی صبح دشمن کے طیاروں نے پاکستان کی سرحدوں کے دور اندر آکر ایک مسافر گاڑی پر حملہ کیا۔ پاک فضائیہ کے جو کس ہوا باز پہنچ گئے اور دشمن کے ایک مسٹیئر طیارے کو مار گرایا۔

اسی دن کے پچھلے پہر پاک فضائیہ نے جوابی حملے کے لیے اپنے ہوا باز بھیجے جنھوں نے پہلا حملہ پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر کیا اور انڈین ایر فورس کے بارہ لڑاکا بمبار طیاروں اور ہوائی اڈے کی اہم عمارتوں کو تباہ و برباد کر کے خیریت سے لوٹ آئے۔ ان بارہ طیاروں میں سات آواز سے تیز رفتار مگ تھے جنھیں دنیا بھر میں فضا کی دہشت سمجھا جاتا ہے۔ بھارت آج بھی اپنے مگ طیاروں

کی تباہی کی تردید کر رہا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھارتی سچے ہیں تو مگ جیسے دہشت ناک طیاروں کو ایسے کٹھن وقت، کیوں نہ استعمال کیا گیا جب پاک فضائیہ جیسی چھوٹی سی ایر فورس نے انڈین ایر فورس کو گھٹنوں بٹھا دیا تھا؟ نہ جانے بھارتی حکمرانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہو، لیکن صحیح جواب پاک فضائیہ کے طیاروں کی کیمرہ گنوں کی فلموں میں آج بھی محفوظ ہے۔

جب ہمارے ہوابازوں نے ہلواڑہ اور آدم پور کے ہوائی اڈوں پر طوفانی حملے کیے تو دشمن کے طیاروں نے مقابلہ کیا۔ ہمارے ہوابازوں نے دشمن کے سات ہنٹر طیارے مار گرائے اور اپنے دو طیارے کام آئے۔ شام تک یعنی ایک ہی روز میں دشمن کے بیس لڑاکا طیارے تباہ کر دیے گئے۔

رات کے وقت پاک فضائیہ کے بمباروں B-57 نے انڈین ایر فورس کے پٹھانکوٹ، آدم پور، ہلواڑہ اور جام نگر کے ہوائی اڈوں پر نیچی پرواز سے صحیح صحیح بمباری کر کے زمین پر کھڑے چند طیاروں کے علاوہ اہم عمارتوں اور رن وے کو تباہ کیا۔

۷ ستمبر کی صبح کو سرگودھا کی فضا میں ہیجان آمیز اور گھمسان کے فضائی معرکے ہوئے۔ دشمن کے مسٹیئر، ہنٹر اور دوسرے لڑاکا طیارے غول در غول، طوفانی موجوں کی طرح سرگودھا کے فضائی اڈے پر حملے کرنے آئے۔ ہمارے لڑاکا شاہبازوں نے ان کا پُر جوش استقبال کیا۔ سرگودھے کے یہی پہلے روز کے فضائی معرکے فضا میں پاک فضائیہ کی برتری کا جھنڈا گاڑنے کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ ہمارے شاہبازوں نے بھارتی ہوابازوں کا سرگودھا کی فضا میں جو حال کیا، اس سے بھارت کی ہوائی قوت کا زعم ایسا ٹوٹا کہ اس روز کے بعد کسی بھارتی ہواباز کو دن کے وقت پاکستان کی سرحدوں کے اندر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر وہ آئے بھی تو سرحدی دیہات پر بمباری اور فائرنگ کر کے لوٹ گئے۔

پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے سری نگر کے ہوائی اڈے پر بھی حملے کر کے دو طیاروں، ساز و سامان اور اہم ٹھکانوں کو تباہ کیا۔

اسی روز علی الصبح بھارتیوں نے مشرقی پاکستان میں فضائی جارحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا اور کینبرا اور ہنٹر طیاروں سے ڈھاکہ، چٹاگانگ، جیسور، لال منیر ہاٹ اور رنگ پور کی شہری آبادی پر بمباری کی۔ حملے کے فوراً بعد پاک فضائیہ کے سکواڈرن نے جوابی حملہ کیا اور بھارت کے کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر چودہ (۱۴) کینبرا اور نو (۹) دوسرے طیاروں کو زمین پر بھسم کر دیا۔ بھارتیوں نے دعویٰ کیا کہ پاکستان ایر فورس کے تمام حملہ آور طیاروں کو کلائی کنڈہ میں گرا لیا گیا تھا۔ معلوم نہیں بھارتی حکمرانوں اور انڈین ایر فورس کے حکام بالا نے پاکستانی اخباروں میں کلائی کنڈہ کے فاتح پاکستانی شاہبازوں کی تصویریں دیکھی تھیں یا نہیں، جن میں ایر مارشل

نور خاں انھیں شجاعت کے تمغے دے رہے ہیں۔ کلائی کنڈہ کے طوفانی حملے میں پاک فضائیہ کا صرف ایک طیارہ کام آیا تھا۔

اُس روز کے غروب آفتاب تک پاک فضائیہ دشمن کے پچیس (۲۵) طیارے تباہ کر چکی تھی۔ آٹھ (۸) طیارے پاک بحریہ اور پاک فوج نے گرا لیے تھے اور یوں جنگ کے دوسرے روز انڈین ایئر فورس تینتیس (۳۳) طیاروں سے محروم کر دی گئی۔ اس کے علاوہ سکواڈرن لیڈر عالم نے ایک ہی جھڑپ میں دشمن کے پانچ حملہ آور طیارے گرا کر فضائی معرکوں کی تاریخ کا نیا باب لکھ ڈالا۔

فضا میں برتری بلکہ حکمرانی حاصل کرنے کے علاوہ پاک فضائیہ پاک فوج کو بھی مدد دیتی رہی۔ اس نے دشمن کے بے شمار ٹینک، توپیں اور گاڑیاں بھی تباہ کیں اور حملہ آور بھارتی فوج کو دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا۔ ہمارے شاہبازوں نے دُشمن کی کمر توڑ کر جس طرح پاک فوج کا کام سہل کیا اس کا اندازہ چونڈہ کے ایک ہیرو، آرٹلری کے کمانڈر بریگیڈیئر امجد علی چوہدری کے اس خط سے ہوتا ہے جو انھوں نے ایر مارشل نور خاں کو لکھا تھا۔ انھوں نے لکھا:

"ہماری فضائیہ نے ہمیں جو بے دریغ اور نہایت کارگر مدد دی ہے ہم اس کے بے حد معترف ہیں۔ درحقیقت چھمب میں آپ کے پہلے ہی حملے نے ہمارے دلوں میں پاک فضائیہ کے متعلق کوئی شک و شبہ اور پریشانی نہیں رہنے دی تھی۔ آپ نے وہیں اور اسی وقت اپنا معیار قائم کر لیا تھا جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ آپ کے اس معیار نے ہمارے جذبے کو ابھار دیا تھا اور ہماری پیشقدمی تیز تر کر دی تھی۔ میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے شاہبازوں نے انڈین ایر فورس کو جس بری طرح پیٹا اس سے بھارتی ہوابازوں پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ یہ دہشت اس کی پٹائی سے کم اہم نہیں تھی۔ میں نے اس کا اندازہ اس طرح کیا ہے کہ انڈین ایر فورس کے طیارے ہر لمحہ میرے توپخانے کی توپوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے رہے لیکن بھارتی ہواباز میری توپوں کو نقصان پہنچائے بغیر نہایت عجلت سے بمباری اور راکٹ فائرنگ کر کے بھاگنے کی کرتے تھے۔

"بھارتی لڑاکا طیارے میرے توپخانے کی مختلف پوزیشنوں پر دن میں دو تین بار حملہ کرنے آتے تھے اور جنگ کے آخری دنوں میں ان کے بمبار طیاروں نے بے دریغ حملے کیے لیکن ان سترہ دنوں کے تابڑ توڑ حملوں میں انھوں نے ہمارا کتنا نقصان کیا؟ ——— صرف ایک ہلکی پھلکی گاڑی اور ایک چھوٹی طیارہ شکن گن خراب ہو گئی جنھیں ہم نے ٹھیک کر لیا تھا۔ ہم اپنی فضائیہ کے مشکور ہیں کہ ہماری

ہر بڑی، درمیانہ اور فیلڈ توپ سلامت رہی۔ یہ حقیقت بجائے خود آپ کی کامیابی کو خراج تحسین ہے۔ جنگ کے دوران ہم دن کے وقت بھی بے خوف و خطر اپنی پوزیشنیں بدلتے رہے۔ پہلے روز تو ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن کی ایر فورس ہمیں اس قدر آزادی سے نقل و حرکت کرنے دیگی۔

———— ہم توپ خانے والے اپنی فضائی قوت پر فخر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ براہِ کرم ہمارا خراجِ تحسین و تشکر اپنے تمام ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو تک پہنچا دیجئے گا جنھوں نے ہمیں اِس قدر بے مثال مدد دی۔"

پاک فضائیہ نے جنگ کے تمام عرصے میں انڈین ایر فورس پر دباؤ برقرار رکھا۔ شاہباز دشمن کے ہوائی اور فوجی اڈوں پر مسلسل بمباری بھی کرتے رہے، دشمن کے حملہ آور طیاروں کا مقابلہ بھی کرتے رہے اور پاک فوج کو مدد بھی دیتے رہے۔ فائر بندی سے ایک روز پہلے بھارت نے لاہور سیکٹر پر کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل کرنے کے لیے شدید ترین حملہ کیا۔ یہ حملہ نہیں یلغار تھی۔ دشمن کی توپیں لاہور کے مضافات اور پاک فوج کے مورچوں پر گولوں کی موسلادھار بارش برسا رہی تھیں اس قیامت خیز یلغار میں پاک فضائیہ پاک فوج کی دستگیری کو گئی اور دشمن کی بے شمار توپوں کو تباہ کر دیا جن میں بڑی توپیں بھی شامل ہیں۔ لاہور سیکٹر کے کمانڈر میجر جنرل سرفراز احمد خاں نے پاک فضائیہ کے اس عظیم کارنامے پر شکریے کا پیغام بھیجا۔

فائر بندی تک بھارت ایک سو دس (۱۱۰) طیارے کھو چکا تھا اور انیس (۱۹) کو شدید نقصان پہنچایا گیا تھا۔ اس تعداد میں اُس کے وہ طیارے شامل نہیں جو رات کے حملوں میں ہمارے شاہبازوں نے مختلف اڈوں پر تباہ کیے۔ یہ پاک فضائیہ کی راست گوئی کا ثبوت ہے کہ دشمن کے صرف ان طیاروں کی تباہی کا اعلان کیا گیا جن کا ثبوت اپنے طیاروں کے کیمروں میں موجود تھا۔ رات کے حملوں میں کیمرے تصویریں نہیں لے سکتے تھے اس لیے ہوابازوں کی زبانی خبروں کو اعداد و شمار میں شامل نہ کیا گیا مثلاً انبالہ پر پہلے فضائی حملے میں ایک غیر ملکی رپورٹ کے مطابق ہمارے شاہبازوں نے دشمن کے پچیس طیارے تباہ کیے لیکن پاک فضائیہ نے کیمرے کے ثبوت کی غیر موجودگی کی وجہ سے ایسی کوئی خبر نہ دی۔

دشمن کے ایک سو دس تباہ شدہ طیاروں میں سے پینتیس (۳۵) کو فضائی معرکوں میں گرایا گیا، تینتالیس (۴۳) کو زمین پر ہی تباہ کیا گیا اور بتیس (۳۲) کو زمینی توپچیوں نے گرایا۔ ان میں مگ بھی تھے، ہنٹر بھی، کینبرا اور نیٹ بھی، مسٹیئر اور ویمپائر بھی۔ اس کے علاوہ پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے دشمن کے ایک سو انچاس (۱۴۹) ٹینک، چھ سو (۶۰۰) بڑی گاڑیاں جن میں ٹروپ



گروپ کیپٹن محمد ظفر مسعود، ہلالِ جرأت، سٹیشن کمانڈر سرگودھا ہوابازوں کو ایک جنگی مشن کے متعلق آخری ہدایات دے رہے ہیں



پاک فضائیہ کے شاہین۔ بھارت کے کسی اڈے پر حملہ کرنے جارہے ہیں

کیئریر بھی تھے اور ساٹھ (۶۰) بڑی توپیں تباہ کیں۔ اس کے مقابلے میں پاک فضائیہ کا اپنا نقصان صرف اتنا ساہوا کہ آٹھ سیبر طیارے اور دو بی۔ ۵۷ بمبار طیارے ضائع ہوئے۔ آٹھ (۸) سیبر طیاروں میں صرف چار فضائی معرکوں میں اور دو زمینی فائر سے ضائع ہوئے ایک دشمن کی اسلحہ بارود سے بھری گاڑی کو تباہ کرتے ہوئے اس قدر نیچے چلا گیا کہ گاڑی پھٹی تو اس کی زد میں آ گیا، ایک اڈے پر تباہ ہُوا۔ ایرمارشل نور خاں کے الفاظ میں ——— "بھارت سے جنگ لڑ کر پاک فضائیہ صحیح سلامت رہی اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی"

آیئے، اپنے شاہبازوں کی شجاعت اور جانبازی کی کچھ جھلکیاں اور چند تصویریں دیکھ لیجیے ———

ہلواڑے کی شفق

چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کا سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان گرد آلود اور شفق دھندلی سی تھی۔ پاک فضائیہ کے تین سیبر طیارے گونجتے گرجتے دشمن کے علاقے پر اُڑے جا رہے تھے۔ ان کے لیڈر کے طیارے کے ریڈیو پر کسی کی آواز سنائی دی

—— ”رفیقی! یہ تم ہو؟...... ذرا ہوشیار ہو کے بھائی! دشمن کے کچھ لڑاکا طیارے فضا میں ہیں۔“

پاک فضائیہ کے چند ہواباز دشمن کے کسی ٹھکانے پر حملہ کر کے لوٹ رہے تھے۔ یہ اُن کے لیڈر کی آواز تھی۔ وہ رفیقی (تین سیبر طیاروں کے لیڈر) کو خبردار کر رہا تھا کہ دشمن اپنی فضا میں چوکس ہے، ذرا ہوشیار رہنا۔ لیکن رفیقی اس انتباہ سے ذرّہ بھر نہ بھٹکا۔ وہ نڈر شاہباز تھا، خوب جانتا تھا کہ وہ دشمن کے ہوائی اڈے پر حملہ کرنے جا رہا ہے اور دشمن کے ہواباز مقابلے کے لیے یقیناً موجود ہوں گے۔ دشمن کوئی ایسا مردہ بھی تو نہیں تھا کہ اپنے اڈے کی تباہی کا چپکے سے تماشہ کرتا رہے گا۔ رفیقی کے ذہن میں صرف تین چیزیں تھیں —— تارگیٹ اور اپنے دو ساتھی جو اس کے ساتھ پُرجوش انداز میں اڑے جا رہے تھے —— ایک طرف فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن اور دوسری طرف سیسل چوہدری کا طیارہ تھا۔ یہ اس دن کا آخری مشن تھا اور دشمن کی فضا میں پاک فضائیہ کے یہی تین طیارے تھے۔ دشمن ان کی موجودگی سے یقیناً باخبر تھا، ان ہوابازوں کو بھی توقع نہیں تھی کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جالیں گے۔

ان کا تارگیٹ (ہدف) جالندھر سے چالیس میل جنوب میں ہلواڑہ کا ہوائی اڈہ تھا۔ لمحہ بہ لمحہ آسمان کی دُھندلاہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ زیادہ دور تک کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ تارگیٹ کے قریب پہنچے تو فلائٹ لفٹننٹ چوہدری کو ذرا پرے دشمن کے ٹرانسپورٹ

طیارے اڑتے نظر آئے۔ اُس نے اپنے لیڈر سکواڈرن لیڈر رفیقی کو بتایا تو رفیقی بولا ——— "رہنے دو انھیں۔ ایک آدھ منٹ میں ہمیں اس سے بہتر کام کرنا ہے۔"

تینوں ہواباز آنکھیں سکیڑ سکیڑ کر شام کے دُھندلکے میں آسمان میں دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ جب وہ تارگیٹ پر پہنچے تو سورج کی آخری کرن آسمان کی دُھندلی نیلاہٹ میں تحلیل ہو چکی تھی۔ پاک فضائیہ کے ان شاہبازوں نے یوں نیچے دیکھا جیسے باز اپنے شکار کو دیکھ رہا ہو۔ لیکن شام اتنی گہری ہوگئی تھی کہ زمین پر کوئی چیز پہچانی نہ جاتی تھی۔ انھیں فضائی اڈے پر حملہ کرنا تھا لیکن رفیقی نے اپنے ہوابازوں کو وائرلیس پر کہا ——— "چلو بھئی! لَوٹ چلیں۔ اندھیرا کچھ کرنے نہ دے گا۔"

ان کے دل بوجھل ہوگئے۔ وہ بددل ہوکر واپس ہونے لگے اور تینوں طیارے بیک وقت گھوم آئے۔ انھوں نے موڑ سے سیدھے ہوکر واپسی کا کورس سیٹ کیا ہی تھا کہ دشمن کے ہنٹر طیاروں کا ایک گھناغول ان پر ٹوٹ پڑا۔ ہنٹر دو دو کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے اڑتے چلے آرہے تھے۔

رفیقی وائرلیس پر چلّایا ——— "ٹینکیاں پھینک دو۔" ——— تینوں طیاروں کے پروں تلے لگی ہوئی تیل کی فالتو ٹینکیاں بیک وقت پروں سے الگ ہوکر فضا کی دُھند میں غائب ہوگئیں۔ (طیاروں کی تیل کی ٹینکیاں مستقل طور پر پروں کے اندر ہوتی ہیں جن کے اردگرد چمڑے اور ربڑ کی تہیں جمی ہوتی ہیں، اگر انھیں گولی لگ جائے تو گولی کا سُوراخ از خود بند ہو جاتا ہے۔ لمبی پرواز کے وقت پروں کے نیچے دو اور ٹینکیاں ——— ایک اِدھر ایک اُدھر ——— لگا دی جاتی ہیں لیکن یہ مستقل ٹینکیوں کی طرح محفوظ نہیں ہوتیں۔ جب فضا میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے ان فالتو ٹینکیوں کو گرا دیا جاتا ہے۔ پائلٹ کاک پٹ میں ایک لیور کھینچتا ہے اور دونوں ٹینکیاں گر جاتی ہیں۔ ان کے الگ ہونے سے ایک تو خطرہ کم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ٹینکیاں گولی سے محفوظ نہیں ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ طیارے کا وزن کم ہو جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ طیارے کی نقل و حرکت اور رفتار میں تیزی اور پھرتی آجاتی ہے۔ ہواباز لمبی پرواز پر پہلے ان فالتو ٹینکیوں کا تیل استعمال کرتے ہیں)۔

رفیقی اور اس کے دونو ہوابازوں نے دشمن کو دیکھ کر فالتو ٹینکیاں پھینک دیں اور فضائی معرکے کے لیے تیار ہوگئے۔ فلائٹ لفٹننٹ سیسل چوہدری سناتا ہے ——— "جب میں نے دشمن کے پہلے دو ہنٹر طیارے دیکھے تو یونس لیڈر سے کہہ رہا تھا ——— 'لیڈر! چلو ان سے دو دو ہاتھ کریں۔ نمبر ۲ (یعنی میں) دور پیچھے ہے۔ تم پہلے کو لے لو اور دوسرے کو میں سنبھال لیتا ہوں' ——— میں اُن سے دُور تھا۔ میں لیڈر کی حفاظت کیلیے اس کے طیّارے کے عقب میں چلا گیا اور

اُسے کہا ـــــ لیڈر! تمہارا عقب محفوظ ہے Lead ! Your tail is clear (فضائی جھڑپ میں ہوا باز لڑنے کے علاوہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے عقب کو دیکھتے رہیں تاکہ دشمن کا کوئی طیارہ کسی ساتھی پر بے خبری میں نہ جھپٹ پڑے۔ طیارے کو مارنے کے لیے ہمیشہ پیچھے سے حملہ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حریف ایک دوسرے کے پیچھے ہونے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رہتے ہیں)۔

سیسل چوہدری بتاتا ہے ـــــ "یونس تو الگ ہو چکا تھا اور میں جونہی رفیقی کے عقب میں پہنچا وہ کمال پھرتی سے دشمن کے ایک طیارے کے پیچھے ہو کر اُسے شست میں لے چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ اس کی مشین گنوں نے بکتر شکن ـــــ Armour Piercing اور آتش گیر Incendiary گولیوں کی بوچھاڑ اگل دی۔ دشمن کا طیارہ دور نہیں تھا، رفیقی کی گولیاں اس کی باڈی اور انجن میں جا چھٹیں اور بھارت کا تاریکی مائل آسمان مہیب قرمزی شعلے سے چمک اٹھا۔ ایک دھماکہ ہوا اور دشمن کے ایک طیارے کے لال انگارہ پرخچے شام کی بڑھتی ہوئی تیرگی میں بکھر کر جالندھر کی دھرتی پر گرنے لگے.....

"اس شعلے اور دھماکے نے چند ثانیوں کے لیے ایسا منظر پیش کر دیا کہ میں لمحہ بھر کے لیے سُن ہو گیا۔ معاً خیال آیا کہ یہ بھارتی ہوا باز جو اپنے طیارے کے ساتھ ہی بھسم ہو گیا ہے، اسی قوم کا ہوا باز تھا جس نے اسی دن کی صبح پاکستان پر بے خبری میں یلغار کر دی تھی۔ اس خیال نے میرا خون گرما دیا اور میں نے پُرلطف سا سکون محسوس کیا۔ یہ غالباً پاک فضائیہ کی ضرب کاری کا سکون تھا۔

"میں چوکس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہم تین تھے اور دشمن کی تعداد ہم سے تین گنا تھی۔ معرکہ عروج پر تھا۔ میں لیڈر کے عقب میں تھا۔ دائیں طرف مجھے یونس نظر آیا۔ کوئی ایک سو گز دُور، وہ دشمن کے ایک طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ـــــ کیا منظر تھا! ـــــ کہاں پُرانے زمانے کا سُست رفتار سیبر، اور کہاں جدید قسم کا تیز رفتار ہنٹر۔ ممولا ایک گدھ کو آگے لگائے ہوئے تھا۔ یہ سیبر کی قوت نہیں یونس کا جذبہ تھا۔ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ فضائی معرکوں میں طیارے نہیں بلکہ طیاروں کے ہوا باز لڑا کرتے ہیں.....

"میں یونس حسن کا تعاقب دیکھ ہی رہا تھا کہ آسمان کے گہرے دُھندلکے سے، دائیں طرف سے، دو ہنٹر ہم پر جھپٹ پڑے۔ رفیقی نے مجھے 'کانٹکٹ' Contact کہہ کر خبردار کیا اور تیزی سے رول کر گیا۔ میں اس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا۔ رفیقی کا یہ پینترا ایسا کامیاب تھا کہ دشمن کے طیارے جو ہم پر جھپٹے تھے اب ہمارے آگے تھے اور ہم ان کے عقب میں۔ ہم پر جھپٹنے والے اب ہمارے جھپٹے سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے لیکن یوں نظر آیا جیسے کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو۔

بے شمار ہنٹر طیارے جانے کدھر کدھر سے آ کر ہمارے گرد غرانے لگے۔ میں نے لیڈر کو خبردار کیا تو اُس نے کہا ——— "تم ذرا میرے عقب کا خیال رکھنا، ہم انھیں چُن چُن کر مارلیں گے" ——— رفیقی کی آواز میں گھبراہٹ نہیں تھی، عزم تھا۔ وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے دشمن کے طیارے مشین گنوں کے بغیر لڑنے آئے ہوں۔ رفیقی کی پُرعزم آواز نے میرے ولولے میں نئی روح پھونک دی اور میں اعتماد سے محسوس کرنے لگا کہ ہم دو نوا تنے سارے طیاروں سے یقیناً نپٹ لیں گے، ورنہ ہم دو ہوا باز دشمن کے اس قدر طیاروں میں گھرے ہوئے تھے جنھیں میں گن بھی نہ سکتا تھا......

"رفیقی نے صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ کر کے بھی دکھا دیا تھا۔ وہ بھڑوں کے بھرے ہوئے غول میں دو کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے بیک وقت دو ہنٹر طیاروں کو زد میں لے لیا تھا۔ جب وہ اس کے رینج Range میں آ گئے تو رفیقی نے گنوں کا بٹن دبا دیا ——— لیکن مشین گنیں خاموش رہیں۔"

رفیقی نے جانے کتنی بار فائرنگ بٹن دبایا ہوگا لیکن اس کی مشین گنیں جام ہو گئی تھیں۔ اب وہ دشمن کے نرغے میں نہتہ تھا۔ دشمن کی فضا میں معرکہ عروج پر ہو اور ہوا باز کا اسلحہ بے کار ہو جائے تو اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اس کے سوا اور کسے ہو سکتا ہے۔ رفیقی کے لیے اب ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اب معرکے سے نکل آئے اور اپنے آپ کو بھی اور طیارے کو بھی بچا لائے۔ مشین گنوں کے بگڑ جانے کی صورت میں وہ واپس آجانے میں حق بجانب تھا۔ لیکن رفیقی جنگجو تھا۔ پاک فضائیہ کا ہوا باز تھا۔ بھارتی نہیں تھا، پاکستانی جانباز تھا۔ اسے ساتھیوں کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر آجانا کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔

"میری گنیں جام ہو گئی ہیں چوہدری!" رفیقی نے چوہدری کو وائرلیس پر کہا "تم میرے آگے آجاؤ، میں تمہیں عقب سے 'کور' کروں گا" ——— رفیقی نے طیارہ ایک طرف کر لیا اور چوہدری نے اس کی جگہ لے لی ——— آہ، یہ جان لیوا فیصلہ رفیقی ہی کر سکتا تھا۔

اپنے لیڈر کے اس دلیرانہ فیصلے سے چوہدری کا حوصلہ کیوں نہ بڑھتا ——— چوہدری تو پہلے ہی "کریک پائلٹ" تھا اور اب تو اسے لیڈر نے اپنی جگہ دے دی تھی۔ چوہدری نے اپنے طیارے کو ایسے داؤ پہ گھمایا کہ ہنٹر طیارے کے عقب میں ہو گیا۔ اس کے ساتھی ہنٹروں نے چوہدری کے جھپٹے سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن چوہدری نے ان میں سے ایک کو شست ——— Gun Sight میں لے لیا۔

چوہدری کہتا ہے ——— "جونہی وہ میرے رینج میں آیا۔ میری چھ کی چھ مشین گنوں کی ایک ہی بوچھاڑ اس کے پر والی تیل کی ٹینکی میں لگی اور دھوئیں کا بادل اُٹھنے لگا۔ پلک جھپکتے ہنٹر کا ہوا باز طیارے سے کود گیا۔ میں نے اس کے پیرا شوٹ کو کھلتے دیکھا

اور وہ زمین کی طرف جاتا شام کی تیرگی میں غائب ہو گیا۔ دشمن کا ایک اور طیارہ گم ہو گیا "

ادھر یونس تن تنہا جانے کتنے بھارتی طیاروں کے ساتھ زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔

نہتے رفیقی نے چوہدری اور یونس کے عقب پر پوری طرح نظر رکھی۔ دشمن کے طیاروں نے اس پر جھپٹے مارے لیکن وہ مقابلہ تو نہ کر سکتا تھا، البتہ ان سے بچتا رہا۔ یہ رفیقی کا کمال تھا۔ دشمن کو زد میں لانے سے دشمن کی زد سے اپنے آپ کو بچانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ رفیقی یونس اور چوہدری کو ہدایات بھی دیتا رہا اور وہ دونوں بجلی کی طرح دشمن کے ہنٹروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے رہے۔ اچانک دو اور ہنٹر طیارے اوپر سے چوہدری پر ٹوٹ پڑے۔ چوہدری پھرتی سے ایک طرف ہو گیا اور دشمن کے دونوں طیاروں کا وار خالی گیا۔ وہ اوپر سے آئے تھے اور آگے نکل گئے۔ چوہدری نے انھیں دور نہ جانے دیا۔ وہ ایک کے پیچھے ہو گیا۔ اسی دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کا لیڈر رفیقی، اس کے عقب میں نہیں ہے۔ چوہدری اپنے طیارے کو انتہائی رفتار پر کر کے دشمن کے پیچھے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنی بلندی کا میٹر دیکھا تو وہ چونک اُٹھا۔ بلندی صرف دو سو فٹ تھی۔ چوہدری نے دشمن کے طیارے کو زد میں لے کر فائرنگ بٹن دبا دیا۔ بوچھاڑ ہنٹر کی باڈی میں لگی۔ چوہدری نے زمین سے ٹکرا جانے کے خطرے کے پیش نظر طیارے کو اوپر کھینچ لیا۔ عین اسی لمحے اس کا شکار مہیب شعلہ بن کر پھٹ گیا اور انڈین ایرفورس کا ایک اور ہنٹر کم ہو گیا۔ چوہدری کے آگے آگے دو ہنٹر طیارے تھے۔ ایک تو اس نے مشین گنوں سے مار لیا لیکن دوسرا یوں غائب ہو گیا جیسے فضا میں جذب ہو گیا ہو۔

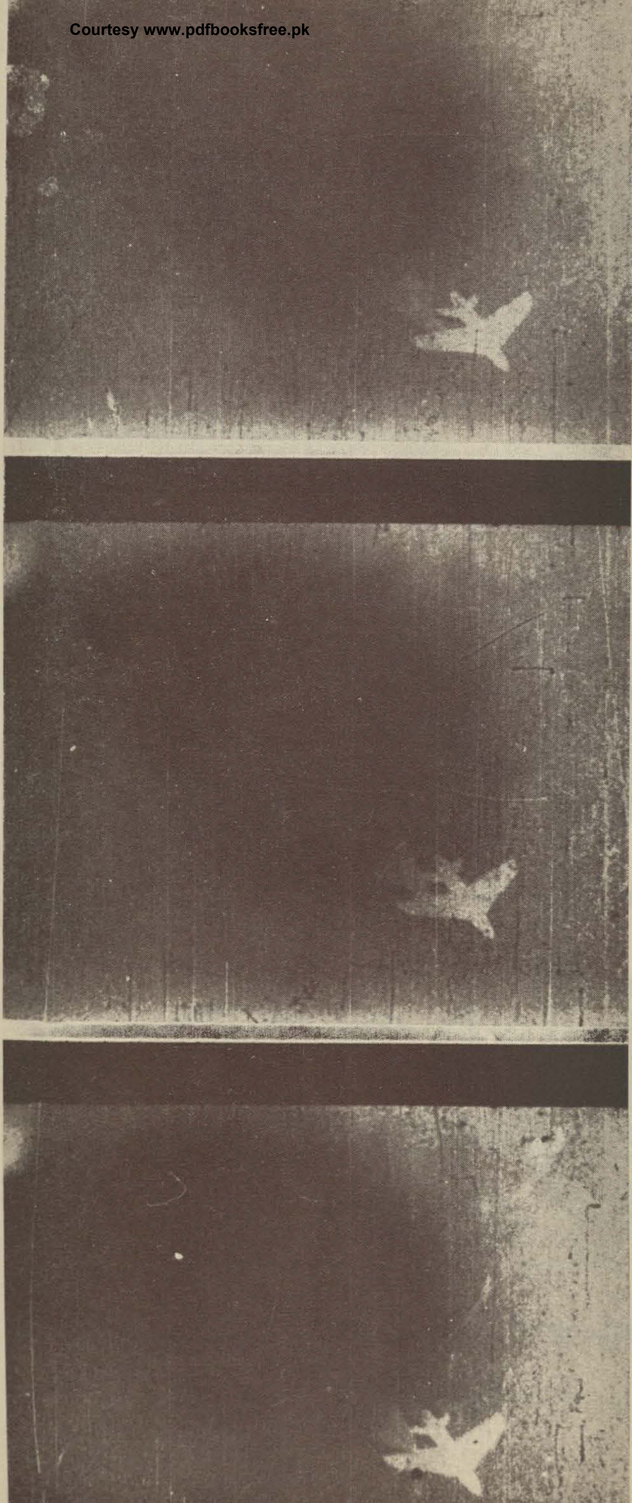
چوہدری وثوق سے کہتا ہے کہ یہ دوسرا ہنٹر جو میرے شکار کے ساتھ تھا وہ میری زد سے بچ نکلنے کی کوشش میں زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا۔

چوہدری شکار کو بھسم کر کے اوپر اُٹھا۔ اسے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تھی۔ اس نے وائرلیس پر رفیقی کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ فضا اور زیادہ تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ چوہدری نے ہر سُو دیکھا۔ اُسے رفیقی نظر نہ آیا۔ اُس نے ایک سیبر اور ایک ہنٹر کو معرکے میں اُلجھے ہوئے دیکھا۔ وہ اس سے دُور تھے۔ دوسرے لمحے وہی مانوس قرمزی شعلہ چمکا اور دشمن کے ایک اور ہنٹر کے پرخچے جالندھر کی فضا میں بکھر گئے ——— یونس نے شکار مار لیا تھا۔

جہاں جہاں تک اس کی نظر نے کام کیا، چوہدری کو رفیقی نظر نہ آیا۔ اُس نے یُونس سے ملاپ کیا اور رفیقی کے متعلق پوچھا۔ یونس نے جواب دیا ——— "نہیں، مجھے بھی نظر نہیں آیا۔ . . . آؤ، اب واپس چلیں " ——— انھیں اب واپس ہی آجانا چاہیے تھا۔ تیل بھی ختم ہو رہا تھا اور ایمونیشن بھی ——— اور انھیں دور پیچھے اپنے اڈے تک آنا تھا۔



سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید ہلال جرأت، ستارۂ جرأت



فضائی معرکے میں انڈین ایئرفورس کا ایک طیّارہ پاک فضائیہ
کے ہاتھوں جلتا ہوا گر رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)

وہ واپسی کے لیے مُڑے تو چوہدری کو فضا میں دھمک سی سنائی دی۔ اس نے گھوم کے دیکھا۔ اسے دو ہنٹر طیارے غوطے سے اٹھتے نظر آئے۔ انھوں نے کس پر جھپٹا مارا تھا؟ یہ دھمک کیسی تھی؟ ـــــــ انھوں نے شاید نہتے رفیقی کو مار گرایا تھا ـــــ رفیقی کی شجاعت کی داد کون دے! اس نے اسلحہ بیکار ہو جانے کے باوجود اپنے ہوابازوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور انھیں دشمن کے حملوں سے خبردار کرتا رہا، اسی لیے تو وہ میدان سے بھاگا نہیں تھا کہ اس کے ساتھی جم کے لڑ سکیں۔ فضائی معرکوں کی تاریخ میں بے خوفی اور جرأت کی ایسی مثال شاید ہی ملے۔ رفیقی کے انجام کے متعلق کسی کو شک و شبہ نہ تھا۔ اسے خود بھی معلوم ہوگا کہ اس نے دُشمن کے غول کے نرغے میں اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہ چھوڑنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی خاطر جان کی قربانی دے گیا۔

چوہدری اور یونس اکٹھے ہو چکے تھے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ان دو ہنٹروں نے رفیقی کو ختم کر دیا ہے۔ انھوں نے واپسی کا فیصلہ بدل دیا اور جذبۂ انتقام سے پاگل ہو گئے۔ اپنے لیڈر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے انھوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کے طیاروں میں تیل اور ایمونیشن کتنا رہ گیا ہے۔ انھوں نے بیک وقت طیاروں کو گھمایا اور آگ بگولہ ہو کر دشمن کے ہنٹروں کے تعاقب میں چلے گئے اور انھیں پیچھے سے جا لیا۔ چوہدری ایک ہنٹر کے عقب میں ہوا تو قاعدے کے مطابق یونس چوہدری کے عقب میں ہو گیا تاکہ اس کی حفاظت کر سکے۔ چوہدری نے اپنے شکار کو فوراً رینج میں لے لیا۔ لیکن وہ فائرنگ بٹن دبانے ہی والا تھا کہ اسے دھماکہ سنائی دیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا ـــــــ آہ، یونس کا طیارہ پھٹ گیا تھا اور یونس طیارے سے نکل نہ سکا تھا۔ وہ تو چوہدری کی حفاظت کر رہا تھا لیکن اس کی اپنی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یُونس بھی شہید ہو گیا۔ چوہدری پر ایسا اثر ہوا کہ دشمن کا جو طیارہ اس کی زد میں تھا وہ زد سے نکل گیا۔

رفیقی بھی نہ رہا، یونس بھی نہ رہا۔ چوہدری اکیلا رہ گیا۔ اس کی رگوں میں خون رک سا گیا۔ اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا لیکن یہ کیفیت ایک لمحہ ہی رہی۔ پھر وہ عتاب اور انتقام کی بجلی بن گیا۔ اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کے لیے اس نے طیارہ گھمایا اور دشمن کے کسی طیارے کو زد میں لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے اپنے پیچھے دو ہنٹر فائر کرتے نظر آئے۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہو کر وار بچا گیا اور ہنٹر اس کے قریب سے گزر گئے۔ وہ دو تو تیزی سے گھوم کر پھر اس کی طرف آئے۔ اسی لمحے دو اور ہنٹر آ گئے اور اب چوہدری چار ہنٹروں کے نرغے میں اکیلا تھا۔

وہ لمحات چوہدری کی زندگی کے یادگار لمحات ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو تن تنہا دشمن کے چار لڑاکا ہوابازوں سے زندگی اور

موت کا معرکہ لڑنے کے لیے تیار کر لیا۔ وہ تھک کر شل ہو چکا تھا۔ ذہن پر ساتھیوں کی شہادت کا اثر بھی تھا۔ رات تاریک ہوئی جا رہی تھی لیکن وہ لڑنے کے لیے دیوانہ تھا۔ اس نے تیل اور ایمونیشن کا جائزہ لیا ——— نہیں، بات نہیں بن سکے گی۔ تیل اور ایمونیشن اس قدر کم رہ گئے تھے کہ اس کا زندہ نکل آنا بھی مشکوک نظر آنے لگا۔ اس حال میں لڑنا محض پاگل پن تھا لیکن دشمن کے نرغے سے نکل آنا بھی آسان کام نہ تھا۔

چار ہنٹر اکیلے سیبر کے پرخچے اڑانے کو غرا رہے تھے۔ وہ ہر زاویے سے اُسے زد میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ کون سا داؤ پیچ تھا جو انھوں نے نہ کھیلا۔ چوہدری نے شل اعصاب کے باوجود نہایت پھرتی اور حاضر دماغی سے ان کا ہر وار بچایا۔ لیکن کشش ثقل اور مرکز گریز اثرات نے اس کے اعصابی نظام کا ستیاناس کر دیا۔ دماغ کے خلیے جواب دینے لگے۔ اس بے رحم جسمانی اذیت میں بھی چوہدری نے ہوش ٹھکانے رکھے اور اس نے طیارے کو عمودی غوطے Dive میں ڈال دیا۔ وہ زمین سے خطرناک فاصلے پر پہنچ گیا جہاں اس کا طیارہ درختوں کو چھو رہا تھا۔ اس نے طیارے کو سیدھا کر لیا۔ چاروں ہنٹر اس کے تعاقب میں پہنچ گئے۔ لیکن چوہدری ان کے ہاتھ آنے والا شاہباز نہیں تھا۔ اس نے اب پاکستان کا رُخ کر رکھا تھا اور اس قدر کم بلندی پر اڑ رہا تھا جیسے درخت سے درخت تک اُچھلتا کودتا جا رہا ہو۔ دشمن کے ہوا باز اس قدر نیچے آنے سے گھبرا رہے تھے۔ وہ اُوپر اُوپر سے فائر کرتے رہے۔

آخر چوہدری دریائے بیاس پار کر آیا۔ اپنی سرحد صرف دو منٹ کے فاصلے پر تھی اور یہ دو منٹ چوہدری کے لیے بڑا ہی طویل عرصہ تھا۔ دشمن ہوا بازوں میں شاید مزید تعاقب کی تاب نہیں تھی۔ وہ لوٹ گئے اور چوہدری اپنے اڈے پر اتر آیا۔

اپنے رفیقوں کو یاد کرتے ہوئے چوہدری کہتا ہے ——— "میں نے یونس کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ میرا عزیز ساتھی میری نظروں کے سامنے ایک بھیانک شعلے کی نذر ہو گیا۔ یاد آتا ہے تو دل سے درد اٹھتا ہے۔ اور رفیقی؟ ——— مجھے یقین تھا کہ وہ کبھی لوٹ کے نہیں آئے گا لیکن رات بھر ایسے محسوس ہوتا رہا جیسے رفیقی کہیں نہ کہیں سے آ ہی نکلے گا۔ لمحے گزرے، پھر رات گزر گئی اور میری اُمید دم توڑ گئی۔ میں مایوس ہو گیا لیکن وہ وقت مایوسی کا نہیں تھا۔ وہ تو جنگ کا پہلا دن تھا اور ہمیں جانے کتنی مدت لڑنا تھا۔ جنگ ساتھیوں کی شہادت پر آنسو بہاتے تو نہیں لڑی جاتی۔ قوم کو زندہ رکھنے کے لیے کچھ افراد کی قربانی اشد ضروری ہوتی ہے۔ سکواڈرن لیڈر رفیقی اور فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن بلوارہ کی دھندلی شفق میں اسی لیے تو کھو گئے ہیں کہ قوم کی آزادی اور آبرو کی شمعیں روشن رہیں۔"

یہ شاہباز کون تھے؟ —

سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید

۱۹۳۵ء میں راجشاہی (مشرقی پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں پائی۔ ان کے بڑے بھائی بھی پاک فضائیہ میں صاحب کمال لڑاکا ہواباز تھے لیکن ۱۹۴۹ء میں فضائی حادثے میں فوت ہو گئے۔ اپنے سکواڈرن کے ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو کے ہر دلعزیز رفیقی، خوبرو، خوش گفتار اور خوش طبع سکواڈرن کمانڈر تھے۔ فضا میں نڈر اور جرأت مند جن کی پرواز غیر معمولی قابلیت کی حامل تھی۔ نشانہ کبھی نہ چوکتا تھا۔ پاک بھارت جنگ میں انڈین ایر فورس سے پہلا بلکہ پاک فضائیہ کی تاریخ کا پہلا فضائی معرکہ رفیقی نے لڑا تھا اور پہلی ہی فضائی جھڑپ میں (چھمب کی فضا میں یکم ستمبر ۶۵ء) انڈین ایر فورس کے چار میں سے دو ویمپائر طیارے مار گرائے تھے۔ یہ ایسا کارنامہ تھا جو پاک فضائیہ کے ہوابازوں کے لیے ایک مثال اور ایک معیار بن گیا۔ ان کی پہلی کامیاب جھڑپ ایسی روایت بن گئی جسے پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے آخر دم تک قائم رکھا۔ دوسرے دو ویمپائر طیارے فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی نے گرا لیے تھے۔

بے مثال قیادت، ایثار اور شجاعت کے صلے میں سکواڈرن لیڈر رفیقی شہید کو بعد از شہادت ہلالِ جرأت اور ستارۂ جرأت عطا کیے گئے۔ تینوں مسلح افواج (آرمی، نیوی، ایئر فورس) میں رفیقی اکیلا ہواباز ہے جس نے ایک ہی جنگ میں یہ دو تمغے حاصل کیے سرکاری سند میں شہید کی شجاعت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> "چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز ہلواڑہ کے اڈے پر حملہ کرنے کے لیے سکواڈرن لیڈر رفیقی نے تین سیبر طیاروں کی قیادت کی۔ اُدھر سے پاک فضائیہ کے طیاروں کی ایک فارمیشن واپس آ رہی تھی جس کے لیڈر نے رفیقی کو خبردار کیا کہ دشمن کے طیارے فضا میں موجود ہیں، ہوشیار رہنا۔ لیکن رفیقی کا عزم متزلزل نہ ہوا۔ دشمن کے دس ہنٹر طیاروں نے رفیقی کی چھوٹی سی فارمیشن پر حملہ کر دیا۔ رفیقی نے ان میں سے ایک کو مار لیا لیکن اس کی مشین گنیں بگڑ گئیں۔ اسے واپس آ جانا چاہیئے تھا لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی خاطر معرکے میں موجود رہا۔ اس نے اپنے نمبر ۲ کو کمان دے کر ہدایت دی کہ جم کر

لڑ۔ اس نے خود دفاعی پوزیشن لے لی اور اپنے دونوں ہوابازوں کو عقبی خطروں سے آگاہ کرتا رہا۔ یہ ایسی جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ تھا جو فضائی معرکوں کی تاریخ میں کم ہی ملتا ہے۔ رفیقی شہید اپنے انجام سے آگاہ تھا لیکن اس نے معرکے سے منہ نہ موڑا۔ دشمن نے اسے نہتہ دیکھ کر مار گرایا لیکن اس کی جان کی قربانی رائیگاں نہ گئی۔ اس کی نہتی قیادت میں اس کے دونو ہواباز دشمن کے تین طیارے گرا چکے تھے.....

"جان کے یقینی خطرے میں رفیقی شہید کی بے مثال قیادت اور شجاعت پاک فضائیہ کے لیے ایسی روایت بن گئی جس کی تقلید اور روشنی میں ہوابازوں نے تعداد میں اپنے سے زیادہ، برتر اور جدید تر طیاروں سے لیس دشمن سے لوہا منوالیا۔ رفیقی کا کارنامہ اس کی ڈیوٹی نہیں تھی لیکن اس نے خطرات کے چہرے پر ایک روایت لکھ دی جس نے فضائی معرکوں کا پانسہ پلٹ دیا.....

"اس بے مثال کارنامے کے صلے میں سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید کو ہلال جرأت عطا کیا جاتا ہے۔"

فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن شہید

دراز قد اور خوبرو یونس حسن ۱۹۳۶ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں خاندان کے ساتھ ہجرت کرکے پاکستان آگئے جھنگ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے اور ۱۹۵۸ء میں ٹریننگ ختم کرکے کمیشن پایا۔ شجاعت کے صلے میں یونس کو بعد از شہادت ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری سند کے مطابق :

"دشمن کی فضا میں یونس سراپا عتاب بن کر، بے خوف وخطر جنگی قابلیت سے لڑا۔ ہلواڑہ کے ہوائی اڈے پر حملے کے دوران اس کی فارمیشن پر دشمن کے بہت سے طیاروں نے حملہ کر دیا۔ یونس شہید نے بے پایاں شجاعت کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے دو ہنٹر طیارے مار گرائے۔ حالانکہ گھمسان کے اس معرکے میں اس کا طیارہ گولیوں سے مجروح ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنی جان

فلائٹ لفٹیننٹ سیسل چوہدری ستارۂ جرأت





فلائٹ لفٹیننٹ یونس حسن شہید، ستارۂ جرأت

کو خطرے میں ڈال کر معرکے سے کنارہ کشی نہ کی حتیٰ کہ شہید ہو گیا اور پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کے لیے جنگی قابلیت اور شجاعت کی علامت بن گیا۔"

فلائٹ لفٹننٹ سیسل چوہدری

لاہور کے ایک صحافی کے بیٹے۔ سیسل چوہدری ۱۹۳۹ء میں جہلم کے گاؤں ڈھلوال میں پیدا ہوئے۔ مباحثوں میں حصّہ لینے اور ڈرامے کھیلنے کے دلدادہ، حوصلہ مند چوہدری، ایف سی کالج لاہور کے دیرینہ طالب علم ہیں۔ پاک بھارت جنگ کے دوران انھوں نے کئی فضائی معرکوں میں حصہ لیا اور انھیں جرأت مندی اور شجاعت کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ ان کے کارناموں کو سرکاری ریکارڈ میں ان الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے:

"ہلواڑہ پر فضائی حملے کے دوران فلائٹ لفٹننٹ سیسل چوہدری لامحدود خطروں میں گھر کر بے جگری سے لڑا۔ دشمن کی سرحدوں میں ساٹھ میل اندر اس نے فضائی معرکے میں دشمن کے دو ہنٹر طیارے مار گرائے۔ پُرخطر دشواریوں اور اپنے ساتھیوں سے رابطہ ٹوٹ جانے کے باوجود چوہدری طیارے کو اپنے اڈے پر سلامت لے آیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کی رات کو دشمن نے پاک فضائیہ کے اڈے پر حملہ کیا تو چوہدری نے حملہ آور ہوا بازوں کا تعاقب اپنے اڈے سے ایک سو پچاس میل دُور تک کیا۔ اِسی تعاقب میں اس نے دشمن کا ایک کینبرا طیارہ مار گرایا۔ یہ کارنامہ اس کی ڈیوٹی کے زمرے میں نہیں آتا تھا لیکن اس کے دلیرانہ اقدام سے پاک فضائیہ کو فضا میں برتری اور تقویت حاصل ہو گئی۔"

امرتسر کا ریڈار

——— دشمن کی آنکھ پھوڑ دی

جنگ کے چھ دن گزر گئے تھے۔

بڑی فوجوں کے خونریز معرکوں، توپوں، ٹینکوں، مارٹروں اور مشین گنوں کی قیامت خیزی سے دُور پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر اترتے چڑھتے لڑاکا بمبار طیاروں کی مسلسل گھن گرج اڈے کے گرد و نواح کے پُرسکون ماحول کو مرتعش کر رہی تھی۔ طیاروں کے آنے جانے میں جو تیزی اور ضروری پن اور ان کی اڑانوں میں جو شان تھی، اس سے ایک زندہ قوم کی بیداری اور جذبۂ حرّیت کا پتہ چلتا تھا۔ طیارے غرّاتے ہوئے اترتے تھے اور گرجتے ہوئے اڑ جاتے تھے جیسے چنگھاڑ کر کہہ رہے ہوں ——— "ہم زندہ ہیں، پاکستان زندہ ہے، پاکستان کی فضائیں آزاد رہیں گی۔۔۔۔ پاک فضاؤں میں ہم کسی کو نہ آنے دیں گے۔"

گراؤنڈ کریو خصوصاً آرمرر (اسلحہ بارود کا ذمہ دار عملہ) کاموفلاژ کیے ہوئے گھونسلوں میں اس طرح اپنے کام میں مگن تھے جیسے عبادت کر رہے ہوں ——— یہ عبادت ہی تو تھی۔ وطن کے دفاع کے لیے طیاروں کو تیار بر تیار رکھنا عبادت سے کم تو نہیں ہوتا۔ اس روز وہ کسی فضائی معرکے یا جارحانہ حملے کے مجروح طیاروں کو جلد، بہت ہی جلد، مرمت کر کے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کرنے میں محو تھے۔ انھیں دشمن کا فضائی حملہ روکنے کے لیے طیارے تیار رکھنے تھے، دشمن کے ہوائی اور فوجی ٹھکانوں، برّی فوج کے اگلے پچھلے مورچوں اور گن پوزیشنوں پر جھپٹنے کے لیے بھی طیاروں کو ٹھیک ٹھاک رکھنا تھا۔ سُورج ہر صبح طلوع ہوتا تھا اور چمکتا دمکتا پاک فضائیہ کے اس اڈے کے اوپر سے گزر کر افق میں ڈوب جاتا تھا۔ لیکن پاک فضائیہ کے شاہبازوں اور گراؤنڈ کریو کے لیے اب اُبھرتا ڈوبتا سورج کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ انھیں اب وقت و زمانہ کا کوئی احساس نہ تھا۔ انھیں بھوک بھی نہیں لگتی تھی، نیند بھی نہیں آتی تھی۔ وطن کی آبرو کو خطرے میں دیکھ کر وہ طیاروں کے ساتھ طیاروں کا مشینی

حصہ بن گئے تھے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ گراؤنڈ کریو طیاروں کی نوک پلک درست کر رہے تھے، بہت سے طیارے جنگی پروازوں پہ گئے ہوئے تھے۔ طیارے اتر بھی رہے تھے، چڑھ بھی رہے تھے، اپریشن روم میں لڑاکا بمبار ونگ کے آفیسر کمانڈنگ، ونگ کمانڈر محمد انور شمیم ہوابازوں کو دشمن کے علاقے میں ایک حملے کے لیے ہدایات دینے لگے تھے۔ یہ اس روز کا نہایت اہم اور خطرناک ترین مشن تھا۔ دشمن نے امرتسر میں ایک بہت بڑا ریڈار نصب کر رکھا تھا، جس کی حفاظت کے لیے دفاعی انتظامات بہت خطرناک تھے۔ یہ ریڈار اس قدر طاقتور تھا کہ پاک فضائیہ کے حملہ آور طیاروں کو بہت دور سے دیکھ لیتا تھا۔ اسے تباہ کرنا ازبس لازمی تھا۔ لیکن اسے تباہ کرنا کوئی ایسا آسان نہیں تھا کہ گئے اور بم گرا آئے۔ یہ ریڈار بڑی خوبی سے ڈھکا چھپا تھا۔ بھارتیوں نے ریڈار کو جہاں نصب کر رکھا تھا، جنگی نقطۂ نگاہ سے وہ اچھوتی اور انوکھی جگہ تھی۔ یہ امرتسر کی چھاؤنی کا گنجان آباد علاقہ تھا۔ انھوں نے اس خطرے کی بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ اس ریڈار پر کئی ہوائی حملے ہوں گے اور طیاروں سے برستے راکٹوں، گولیوں اور بموں کی زد میں گردوپیش کی شہری آبادی بھی آئے گی۔ بھارتیوں کا خیال تھا کہ پاکستانی ہواباز تصور بھی نہیں کر سکیں گے کہ شہری آبادی کے وسط میں ریڈار سٹیشن بھی ہو سکتا ہے ——— بھارتی پاگل تھے!

ونگ کمانڈر شمیم نے اس ریڈار کو تباہ کرنے کے لیے اپنے ساتھ تین ہواباز منتخب کیے تھے۔ اس اہم ترین اور خطرناک مشن کی قیادت شمیم خود کرنا چاہتے تھے۔ جب انھوں نے تینوں ہوابازوں کو آخری ہدایات کے لیے بلایا تو دو ہواباز آئے مگر تیسرا نہ پہنچا۔ سکواڈرن لیڈر منیر احمد پاس ہی کھڑے تھے۔ ونگ کمانڈر شمیم نے اُن سے اپنے مشن کے تیسرے ہواباز کے متعلق پوچھا تو منیر نے مسکرا کر کہا ——— "میں ہوں تیسرا ہواباز۔"

شمیم نے ذہن پر زور دیا اور بولے ——— "نہیں! تمھیں تو میں نے اس حملے کے لیے نہیں چُنا تھا..... جہاں تک مجھے یاد ہے وہ فلائنگ آفیسر مسعود تھا۔"

"ٹھیک ہے سَر!" منیر نے کہا۔ "لیکن مسعود کسی اور مشن پر گیا ہوا ہے۔ وہ پہلے ہی فضا میں ہے۔"

کیا منیر نے سچ کہا تھا کہ تیسرا ہواباز فضا میں ہے؟ شمیم شاید اس کا مقصد سمجھ گئے تھے۔ انھوں نے متانت سے کہا —

"آؤ بھئی، تم ہی ہمارے ساتھ آجاؤ۔ تم جیت گئے" ——— منیر کا چہرہ کھل اُٹھا۔

منیر نے یہ حرکت پہلی مرتبہ نہیں کی تھی ——— اسے دنیا میں دو ہی چیزوں سے محبت تھی ——— پرواز اور اپنا کُنبہ —

جنگ کے دوران وہ زمینی ڈیوٹی (ونگ اپریشن آفیسر) پر مامور تھا لیکن وہ زمین پر ٹِک نہ سکتا تھا۔ سرکاری طور پر وہ پرواز کے لیے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اُڑنا اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا لیکن وہ آٹھ مرتبہ کسی نہ کسی ہواباز کو اپنی زمینی ڈیوٹی پر بٹھا کر دشمن کے ٹھکانوں پر حملوں کے لیے اڑ گیا تھا۔ اس روز اس نے دیکھا کہ ونگ کمانڈر شمیم کے مشن کا ایک ہواباز ابھی نہیں پہنچا تو منیر کا داؤ چل گیا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ مسعود غیر حاضر ہوتا، لیکن ونگ کمانڈر شمیم منیر کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اسی کو اپنے مشن میں شامل کر لیا۔

شمیم نے تینوں ہوابازوں کو امرتسر کے ریڈار سٹیشن پر حملے کے متعلق نقشوں اور خاکوں کی مدد سے تفصیلی ہدایات دیں۔ انھیں نقشے پر بتایا کہ ٹارگیٹ (ریڈار) کس مقام پر ہو سکتا ہے، اس خطّے کا آج موسم کیا ہے اور دشمن نے اس ریڈار کی حفاظت کے لیے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔ انھوں نے ہوابازوں کو ٹارگیٹ پر پہنچنے کا وقت بھی بتایا۔ سب نے اپنی گھڑیاں شمیم کی گھڑی سے ملائیں، پیراشوٹ اور فضائی ٹوپیاں اٹھائیں اور تیز قدم اپنے طیاروں کی طرف چل پڑے۔ طیاروں کی کاک پٹوں (ہواباز کی نشستوں) میں بیٹھ کر انھوں نے کنٹرول، مختلف میٹر، بٹن، سوئچ اور آلات چیک کیے۔ یہ تو ان کا روزمرّہ کا معمول تھا۔ ان کے ہاتھ اور آنکھیں مشین کی طرح ہر روز یہ کام کیا کرتی تھیں لیکن اس روز کی پرواز غیر معمولی تھی۔ چنانچہ وہ طیارے کی ہر چیز کا معائنہ بھی غیر معمولی احتیاط سے کر رہے تھے۔ وہ دشمن کی آنکھ پھوڑنے جا رہے تھے ——— امرتسر کا ریڈار سٹیشن بہت بڑی آنکھ تھی جو بہت دُور کی چیزوں کو دیکھ لیا کرتی تھی۔

ذرا ہی دیر بعد پاک فضائیہ کے چار لڑاکا بمبار سیبر طیارے 'رن وے' کے سرے پہ جا رُکے۔ اِن کے انجن دھیمے دھیمے گنگنا رہے تھے۔ ان کے دلکش اور چمکتے خدوخال میں تباہی کا ہیبت ناک سامان پنہاں تھا۔ یک لخت گنگناتے طیارے گرجنے لگے۔ ان کی سیٹی نما آوازیں ہولناک چیخیں بن گئیں اور دو طیارے 'رن وے' پہ چل پڑے ——— ایک کا ہواباز ونگ کمانڈر شمیم اور دوسرے کا سکواڈرن لیڈر منیر تھا ——— دونوں طیارے تیز ہوئے اور پھر اور تیز اور پھر اس قدر تیز کہ دیکھنے والوں کی نظریں تعاقب میں اڑنے لگیں۔ دونوں شاہباز زمین سے اٹھے اور ستمبر کے تپتے آسمان کو چیرنے لگے۔

ان کے پیچھے دوسرے دو طیارے 'رن وے' کے سرے پہ آ کر چل پڑے اور وہ بھی فضا کو تیروں کی طرح چیرتے شمیم اور منیر سے جا ملے۔ وہ فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی اور فلائٹ لفٹننٹ سیسل چوہدری تھے ——— وہی چوہدری، ہلواڑہ کا ہیرو ——— چاروں طیارے فضا میں اکٹھے ہو گئے اور انھوں نے امرتسر کا رُخ کر لیا۔

دس ہی منٹ بعد وہ دشمن کی سرحد پھلانگ گئے۔ وہ زیادہ بلندی پر نہیں تھے۔ حملے کے لیے تارگیٹ تک بہت کم بلندی پر پرواز کی جاتی ہے۔ شاہبازوں نے نیچے دیکھا۔ ہر سُو دو ملکوں کی فوجوں کی خونریز جنگ عروج پر تھی۔ بی آر بی سے اس طرف، تمام کا تمام علاقہ بھارتی فوجوں سے اٹا پڑا تھا۔ میدانِ جنگ کی میل ہا میل وسعت دھواں اور گرد و غبار اگل رہی تھی۔ بھارتی ہوسِ ملک گیری سے پاگل ہوئے جارہے تھے اور پاکستانی اپنے وطن کی سلامتی کی خاطر جان پر کھیل رہے تھے۔ دائیں طرف پاک فضائیہ کے چند شہرت یافتہ ٹینک شکن طیارے نظر آئے۔ وہ اپنی برّی فوجوں کی مدد کر رہے تھے اور دشمن کے مورچوں، توپوں اور ٹینکوں پر جھپٹ جھپٹ کر راکٹ، بکتر شکن اور آتشیں گولیاں برسا رہے تھے۔ ان کے پھٹتے راکٹوں سے زمین سے جو بادل اُٹھتے تھے وہ اُوپر فضا سے نظر آرہے تھے۔ شمیم اور اس کی فارمیشن کے ہوابازوں کو اپنے انجنوں کی گونج کے سوا اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا زمین کی جنگ انھیں خاموش فلم کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ حق و باطل کے اس معرکے کو دیکھ کر ان کی رگوں میں خون کھولنے لگا اور امرتسر کے ریڈار کی تباہی کا عزم ان کے لیے جزوِ ایمان بن گیا۔

ان کی نظریں میدانِ جنگ سے ہٹ کر دشمن کے آسمان میں دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگیں۔ وہ کاک پٹوں میں چوکس بیٹھے زمین کے ساتھ ساتھ اُڑے جارہے تھے۔ زمین کے گرد و غبار کی وجہ سے نظر دور تک کام نہ کرتی تھی۔

انھیں امرتسر کا مشہور دربار صاحب نظر آنے لگا۔ جنگ زدہ فضا میں اس کے کلسوں کا حسن نکھرا ہوا تھا، لیکن وہ وقت مغل بادشاہوں کی فیاضی کی اس حسین علامت کے حسن سے لطف اندوز ہونے کا نہیں تھا (اس کی تعمیر کے لیے شہنشاہ جہانگیر نے گُرو صاحبان کے چیلوں کو یہ جگہ عطا کی تھی اور اس کا سنگِ بنیاد حضرت میاں میر علیہ الرحمۃ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا)

وہ جونہی امرتسر کی فضا میں داخل ہوئے تو دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے اچانک فائر کھول دیا۔ پہلے تو یہ فائر رکا رکا سا تھا لیکن طیارے تارگیٹ کے قریب پہنچے تو طیارہ شکن فائر میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ بھارتیوں نے ریڈار کے اردگرد خدا جانے کتنی ساری گنیں لگا رکھی تھیں۔ ان میں سے ہر قسم اور ہر سائز کی گنیں تھیں۔ ان گنوں نے ٹریسر (روشنی کی لکیر چھوڑنے والی) گولیوں اور پھٹتے گولوں کے دھوئیں کے مرغولوں سے امرتسر کا آسمان بھر دیا۔ ٹریسر گولیوں نے زمین سے آسمان تک اور تمام فضائی وسعت میں روشنی کی لکیروں کا جالا تان دیا۔ اینٹی ایئر کرافٹ گولے پھٹ رہے تھے اور چھوٹی بڑی گولیوں کی بوچھاڑ طیاروں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ پاک فضائیہ کے چاروں شاہباز بے خوف و خطر، طیارہ شکن فائر کے آتشیں تلنے تانے میں اپنے تارگیٹ کے گرد اُڑ رہے تھے۔

منیر ڈپٹی لیڈر تھا۔ پہلا حملہ اسے ہی کرنا تھا۔ وہ حملے کے لیے بالکل تیار تھا۔ دوسرے ہوابازوں نے اپنی باری کے انتظار میں طیارے ایک طرف کر لیے۔ منیر غوطے میں جانے کے لیے عقاب کی مانند فضا میں اُوپر اُٹھا۔ دشمن کی تمام طیارہ شکن گنوں نے فائرنگ منیر پر مرکوز کر دی۔ اس اطلاع میں کوئی مبالغہ نہ تھا کہ دشمن نے اس ریڈار کے اردگرد بہت زیادہ اور بہت خطرناک دفاعی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اطلاع کی تصدیق زمینی گنوں کے فائر کی شدت سے ہو رہی تھی۔

بیک وقت جانے کتنے گولے منیر کے طیارے کے قریب پھٹے اور اس کا طیارہ بُری طرح لرزا لیکن منیر نے اس قدر بھیانک فائر سے بچنے کی ذرہ برابر کوشش نہ کی اور اُس نے اپنی اڑان کو اِنچ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے دیا۔ وہ غوطے میں چلا گیا اور دشمن کا فائر اور زیادہ ہولناک ہو گیا۔ منیر کی پرواز کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قسم کھا چکا ہے ـــــ ریڈار یا موت!

ـــــ منیر بازی ہار گیا۔ ونگ کمانڈر شمیم کو وائرلیس پر اس کی آخری آواز سنائی دی ـــــ "لیڈر! میں ہِٹ ہو گیا ہوں"۔

ـــــ یہ منیر کی آخری آواز تھی پھر اس کا وائرلیس سیٹ خاموش ہو گیا۔ منیر غوطے سے اُٹھتا نظر نہ آیا۔ شمیم نے اسے رہ رہ کے پکارا لیکن منیر فضا میں نہیں تھا۔ اس کی آواز نہ سنائی دی ـــــ اور اس کی آواز کو شمیم آج بھی ترس رہا ہے ـــــ ایک عظیم شاہباز دشمن کی فضا نے نگل لیا تھا۔

پختہ کار اور دلاور ونگ کمانڈر شمیم کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ اس دشمن کی کمر توڑ دینا چاہتا تھا جو بے خبری میں پاکستان کی سرحدوں میں دندناتا گھس آیا تھا اور دوسرے منیر جیسے اولوالعزم اور ایثار کے پُتلے ہواباز کے کھو جانے سے شمیم پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ نیچے سے دشمن کی طیارہ شکن گنیں ساری فضا کو گولیوں اور گولوں سے ڈھانپے ہوئے تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ پاکستان کے یہ تین ہواباز کتنی دیر تک امرتسر پر اڑتے نظر آئیں گے۔ کسی بھی لمحہ تینوں کا اس ہولناک فائر کی زد میں آ جانا متوقع تھا۔ لیکن شمیم دشمن کی آتش باری سے بے نیاز اس نشان پر غوطے میں چلا گیا جہاں ریڈار کو ہونا چاہیے تھا۔ اس نے دشمن کی گنوں کی زد میں آ کر بھی نشانہ چوکنے نہ دیا اور کمال یکسوئی سے شست کو ٹھکانے پہ لا کر بیک وقت تمام راکٹوں کی بوچھاڑ Salvo فائر کر دی۔

دوسرے ہی لمحے اس کے چھوڑے ہوئے تمام کے تمام راکٹ نشانے پہ جا پھٹے اور بھارت کے ایک بہت بڑے ریڈار کے چمکتے پرخچے ہوا میں اڑتے نظر آئے۔ پھٹتے راکٹوں کے شعلے اور دھوئیں کی گھٹا کے ساتھ لوہے اور شیشے کے ٹکڑے امرتسر چھاؤنی کی فضا میں ستاروں کی طرح چمکے اور دُور دُور بکھر گئے۔ جہاں ریڈار ہوا کرتا تھا، وہاں اب ونگ



ونگ کمانڈر انور شمیم ستارۂ جرأت



سکواڈرن لیڈر منیر احمد شہید، ستارۂ جرأت

کمانڈر شمیم کے راکٹوں کا دُھواں اور بارُود کی بدبُو پھیلی ہوئی تھی۔ شمیم اس قدر کامیاب جھپٹے سے اُٹھ آیا۔ طیارہ شکن فائر نے اس کے طیارے کا تعاقب کیا لیکن شمیم توپچیوں کو جُل دے گیا۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ریڈار تو تباہ ہو چکا تھا لیکن اس کی متعلقہ رگیں اور نسیں (مشینری وغیرہ) ابھی باقی تھیں اور وہ توپیں اور مشین گنیں ابھی دھاڑ رہی تھیں جنھوں نے پاک فضائیہ سے منیر کو چھین لیا تھا۔ شمیم کے بعد فارمیشن کے دوسرے دو ہوا باز، بھٹی اور چوہدری، حملے کے لیے آئے۔ ان کے سینوں میں منیر کا جو خون جم گیا تھا وہ کھول اُٹھا۔ دشمن کی گنوں نے منہ ان کی طرف پھیر دیے۔ فائر پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا لیکن چوہدری اور بھٹی نے اپنے لیڈر اور منیر کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بے خوف ہو کر جھپٹے مارے، انھوں نے مشین گنوں کی بوچھاڑیں ماریں اور دشمن کی طیارہ شکن گنوں کو چُن چُن کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا پھر تینوں نے جھپٹے پہ جھپٹا مار کر ریڈار کے گردونواح میں اس کی مشینری اور جو کچھ اس کا متعلقہ سلسلہ باقی تھا تباہ و برباد کر دیا۔

ونگ کمانڈر شمیم کی فارمیشن دشمن کی آنکھ پھوڑ کر واپس آ گئی لیکن منیر کے بغیر۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ انڈین ایر فورس نے پاکستان میں مسافر گاڑیوں، ہسپتالوں، قصبوں اور دیہات کی آبادی پر بمباری کر کے پاکستان پر الزام لگایا تھا کہ پاک فضائیہ کے ہوا باز بھارت کے شہریوں پر بمباری کر گئے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں پاک فضائیہ کے ترجمان نے بھارت کو چیلنج کیا تھا کہ ہمارے ہوا بازوں نے امرتسر کے گنجان آباد علاقے میں ایک ریڈار سٹیشن تباہ کیا ہے۔ ہمیں امرتسر کا کوئی ایک شہری دکھا دیا جائے جو ہمارے راکٹ یا گن فائر سے زخمی بھی ہُوا ہو۔ لیکن بھارتیوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

ونگ کمانڈر محمّد انور شمیم

ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ دیال سنگھ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ یونی ورسٹی ایر سکواڈرن کے ممبر رہے۔ ۱۹۵۰ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے۔ حلیم طبع، کم گو اور قدرے شرمیلا سا یہ جواں سال ونگ کمانڈر منجھا ہوا لڑاکا ہوا باز تسلیم کیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۴ء میں پشاور میں پاک فضائیہ کی مشہور و معروف نمائش میں شمیم نے فضائی کرتب دکھانے والے ہوا بازوں کی ٹیم (جنھیں عقابوں

کا نام دیا گیا تھا) کی قیادت کی تھی۔

ونگ کمانڈر شمیم کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ فضائیہ کے ریکارڈ میں ان کی شجاعت کو ان الفاظ میں لکھا گیا:

"فضائیہ کے ایک فائٹر ونگ کی کمان کرتے ہوئے اپنے ہوابازوں کا مورال بلند رکھا اور ان کے جوشِ جہاد میں رُوح پھونکتا رہا۔ اس نے جنگ کے دوران متعدد فضائی معرکے لڑے۔ دشمن کے ٹھکانوں پر حملے بھی کیے اور بری افواج کو بھی وقتاً فوقتاً فضائی مدد دی۔ اس کی قیادت جنگجویانہ رہی اور اس کی شجاعت ہوابازوں کے لیے قابلِ تقلید مثال بنی رہی۔"

سکواڈرن لیڈر منیر احمد شہید

شہادت کے وقت عمر چھتیس (۳۶) برس تھی۔ گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ پاک فضائیہ کے ہر دلعزیز ہواباز تھے۔ تنومند اور پہلوانوں کے جسم جُثّے کے یہ جوان ہر وقت مذاق کے موڈ میں رہتے تھے۔ زبان سے ہکلاتے تھے۔ فضائی نشانہ بازی میں بلا کی مہارت رکھتے تھے۔ وہ پرواز کے دلدادہ نہیں دیوانہ تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ زمین پر ہکلا کر بات کرتے تھے لیکن فضا میں وائرلیس پر بات کرتے ان کی زبان رواں ہو جاتی تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پرواز کے بغیر جینا کوئی جینا نہیں۔ پرواز کا جنون اس حد تک تھا کہ سکواڈرن لیڈری سے آگے وہ کوئی ترقی لینا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ ترقی کے امتحان میں کبھی بیٹھے ہی نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ترقی مل جانے سے ان کی پرواز کی ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور انھیں دفتر میں بٹھا لیا جائے گا۔ بعض اوقات ان کے ساتھی ہواباز انھیں دِق کرنے کی خاطر اُڑا دیتے تھے کہ منیر کو ایئر ہیڈ کوارٹر میں سٹاف ڈیوٹی پر لگانے کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ منیر شہید کو پریشان کرنے کے لیے اتنی سی افواہ کافی ہوتی تھی۔ وہ حکامِ بالا تک جا پہنچتے تھے اور منتیں کرنے لگتے تھے کہ انھیں فلائنگ ڈیوٹی سے نہ ہٹایا جائے۔ اسی طرح وہ حکامِ بالا کے لیے بھی مذاق بن جاتے تھے۔

۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز اُنھوں نے پہلی بار چھمب کے علاقے میں پاک اور آزاد کشمیر افواج کو فضائی سپورٹ دی اور دشمن کے کئی ٹینک اور گاڑیاں تباہ کیں۔ پھر ۱۱ ستمبر (شہادت کے دن) تک ہر روز کسی نہ کسی جنگی اڑان میں جاتے رہے اور ہر بار دشمن کو کاری ضربیں لگا کر خوش و خرم لوٹتے رہے۔ اُس روز تو وہ بے حد مسرور تھے جس روز انھوں نے فیروزپور سے بیس میل جنوب کی طرف



سکواڈرن لیڈر علاؤالدین احمد شہید ستارۂ جرأت

انڈین ایرفورس کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا تھا۔ اُن کے گراؤنڈ کرائیو کہتے ہیں کہ اس سے پہلے منیر شہید کئی بار امرتسر کے ریڈار کو تباہ کرنے گئے تھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ جب وہ آخری پرواز پہ جانے لگے تو گراؤنڈ کرئیو سے کہا —— "اگر آج ریڈار تباہ نہ ہو سکا تو میں خود تباہ ہو جاؤں گا۔"

منیر کو بعد از شہادت اس خراجِ تحسین کے ساتھ ستارۂ جرأت عطا کیا گیا :——

"جنگ کے دوران امرتسر میں ایک بہت بڑا اور طاقتور ریڈار سٹیشن تباہ کر دیا گیا۔ اس کے دفاع کے انتظامات بہت خطرناک اور بہت زیادہ تھے۔ اس پر کئی حملے کیے گئے تھے اور سکواڈرن لیڈر منیر ہر حملے میں رضاکارانہ طور پر شریک ہوتا رہا۔ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے ریڈار کی حفاظت میں لگی ہوئی بے شمار گنوں کی خطرناک اور مسلسل فائرنگ میں ریڈار کو تلاش کرنے کے لیے غوطوں پہ غوطے لگائے اور اسے برباد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ اسی ریڈار کو تباہ کرنے گیا لیکن دشمن کی گنوں کی زد میں آ گیا۔ اس سے پہلے وہ آٹھ بار اپنے رفیقوں کی منت سماجت کر کے ان کی جگہ جنگی اڑانوں پہ جاتا رہا اور اپنی زمینی ڈیوٹی عارضی طور پر کسی نہ کسی کو سونپ دیتا رہا۔ اسی طرح ایک بار اس نے کسی دوسرے ہوا باز سے ڈیوٹی تبدیل کر کے ایک فارمیشن کی قیادت کی اور دشمن کے علاقے میں جا کر ایک نیٹ طیارہ مار آیا۔"

گورداسپور کی مال گاڑی

"اسے جانے دو، یہ مسافر گاڑی ہے"۔

یہ پاک فضائیہ کے سکواڈرن لیڈر علاء الدین احمد کی آواز تھی۔ وہ چار لڑاکا بمبار طیاروں کی قیادت کر رہا تھا۔ صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ یہ چاروں شاہباز بٹالہ۔ گورداسپور ریلوے لائن کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ انھیں ایک ریل گاڑی جاتی نظر آئی۔ وہ ایک گاڑی ہی کے شکار کو نکلے تھے۔ انھیں یہ گاڑی نظر آئی تو دیکھا وہ مسافر گاڑی تھی۔ علاء الدین احمد نے اپنے ہوابازوں کو اس پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ اگر بھارتی ہواباز ہوتے تو مسافر گاڑی ہی پر مشین گنیں اور راکٹ فائر کر کے فارغ ہو جاتے لیکن وہ پاک فضائیہ کے شاہباز تھے، انھیں اپنے صحیح شکار کے سوا کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

علاء الدین کا یہ اس روز کا دوسرا مشن تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے وہ چار ہوابازوں کو ساتھ لے کر چونڈہ نارووال سیکٹر میں حملہ کر کے لوٹا تھا۔ چونڈہ میں اس روز ٹینکوں کی ہولناک جنگ جاری تھی۔ تاریخی معرکہ عروج پر تھا۔ علاء الدین اور اس کی فارمیشن کے ہواباز درختوں کی بلندیوں پر اُڑتے رہے تھے اور گرد و غبار اور سیاہ دُھوئیں کے بادلوں میں چھپے ہوئے چونڈہ کے میلوں وسیع میدان میں دشمن کے ٹینکوں اور توپوں کو چُن چُن کر ملیا میٹ کرتے رہے تھے۔ دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے انھیں مار گرانے کے لیے ایمونیشن کی جانے کتنی پیٹیاں پھونک ڈالی تھیں لیکن علاء الدین احمد اپنے ہوابازوں سمیت دشمن کے کئی ٹینک ناکارہ اور متعدد توپیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر کے اُس وقت اڈے پر واپس آیا تھا جب اس کی مشین گنیں خالی ہو گئی تھیں اور پروں کے ساتھ ایک بھی راکٹ نہیں بچا تھا۔

ان ہوابازوں نے چونڈہ سے آکر ناشتہ کیا تھا اور ابھی کمر بھی سیدھی نہ کرپائے تھے کہ انھیں ایک اور مشن دے دیا گیا۔

——— گورداسپور کے علاقے پر مشاہداتی مسلح پرواز۔

دس بجے تک ستمبر کا سورج خاصا تپ چکا تھا۔ چونڈہ کے یہ تھکے ہوئے فاتح شاہباز ایک بار پھر فضا میں غُرّاتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ علاء الدین احمد (جسے پاک فضائیہ میں "بُچ" کے نام سے پکارا جاتا تھا) فارمیشن کا لیڈر تھا۔ اس کے ساتھ تین ہواباز تھے ——— فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ۔ فلائٹ لفٹننٹ سلیم اور فلائٹ لفٹننٹ عارف منظور ——— تھوڑی دیر بعد ان کے طیارے دشمن کی فضا کو چیر رہے تھے۔ چاروں ہوابازوں کی نگاہیں آسمان کی وسعت میں دشمن کے طیاروں کی تلاش میں گھوم رہی تھیں۔ انھیں کوئی طیارہ نظر نہ آیا۔ انجنوں کی گونج اور اپنی ہیجانی کیفیت نے انھیں مکمل طور پر بیدار اور چوکس رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی مشین گنوں اور گن سائٹوں (شِشتوں) کا آخری معائنہ کرلیا۔

اچانک وائرلیس پر فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ کی آواز سنائی دی ——— "نیچے ایک گاڑی جارہی ہے، چلو اسی کو لے لیں!"

چاروں نے گاڑی پر غوطہ لگادیا۔ وہ اس قدر نیچے چلے گئے کہ انھیں گاڑی کی کھڑکیوں میں سے مسافروں کے سہمے ہوئے چہرے نظر آنے لگے۔ بعض مسافر لال رنگ کی اس گاڑی سے یوں جھانک رہے تھے جیسے ان چاروں طیاروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اوہ! اسے جانے دو......" ہوابازوں کو اپنے لیڈر، بُچ، کی آواز سنائی دی۔ "یہ مسافر گاڑی ہے۔"

چاروں نے بیک وقت طیارے اوپر کھینچ لیے اور بلندی پر جاکر سیدھی پرواز پر ہولیے۔ ہواباز ایک بار پھر زمین و آسمان کو کھوجنے لگے۔ بھارت کی فضا اپنے رکھوالوں سے خالی تھی۔

ذرا دیر بعد فلائٹ لفٹننٹ سلیم کی آواز سنائی دی ——— "پٹھان کوٹ کا ایئربیس (ہوائی اڈہ)" ——— سب نے دیکھا۔ دُور پرے پٹھان کوٹ کا ہوائی اڈہ نظر آرہا تھا۔ اڈے کے ہینگر، دیگر عمارتیں اور چمکتے ہوئے 'رن وے' انھیں راکٹ اور گن فائرنگ کی دعوت دے رہے تھے۔ خاصا اشتعال انگیز ٹارگیٹ تھا لیکن وہ وہاں تک نہیں جاسکتے تھے کیونکہ ہدایت کے مطابق ان کی پرواز کی حدود وہاں ختم ہوتی تھیں۔ فارمیشن کے لیڈر، بُچ، نے اپنے ہوابازوں کو واپس مُڑنے کو کہا۔ چاروں طیارے بائیں طرف گھوم گئے اور گورداسپور کے شہر کا رُخ کرلیا۔ وہ خاصی کم بلندی پر اڑ رہے تھے اور بلندی پر دیکھ رہے تھے، شاید دشمن کا کوئی جنگی ٹھکانہ، کوئی فوجی جمگھٹا یا کوئی مال گاڑی نظر آجائے۔

وہ گورداسپور کے قریب پہنچے ہی تھے کہ انھیں ریلوے سٹیشن پر ایک مال گاڑی کھڑی نظر آئی۔

"یہ ہے وہ گاڑی۔" علاء الدین کی آواز سنائی دی لیکن اُس نے کہا۔ "میں ذرا چیک کرلوں۔"

چاروں ہوا باز دائیں طرف گھوم کر ریلوے سٹیشن کی طرف چلے گئے۔ قریب جاکے دیکھا تو یہ واقعی مال گاڑی تھی اور ریلوے سٹیشن کے سائیڈنگ میں کھڑی تھی۔ اس میں گولہ بارُود اور جنگی سامان ہو سکتا تھا۔

"میں ذرا چیک کرنے لگا ہوں۔" علاء الدین احمد نے اپنی فارمیشن سے کہا اور گاڑی پر غوطے میں چلا گیا۔

'چیک' کرنے کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ علاء الدین قریب جاکر گاڑی کو غور سے دیکھتا اور معلوم کرتا کہ ڈبوں میں کیا بند ہے۔ اُس کے پاس ایک ہی طریقہ تھا جو اُس نے اختیار کیا۔ وہ گاڑی پر غوطے میں گیا اور گن سائٹ (نشست) چلادی۔ مال گاڑی اُس کی نشست میں بڑی ہوتی چلی گئی۔ جب گاڑی مطلوبہ رینج میں آگئی تو بُچ نے نہایت اطمینان سے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی چھ مشین گنوں کی بکتر شکن اور آتشیں گولیاں فضا کو چیرتی گاڑی کی آہنی چادروں میں داخل ہوگئیں۔ دوسرے ہی لمحے گورداسپور کے ریلوے سٹیشن پر ہولناک دھماکہ ہوا اور سیاہ گھٹا ریلوے سٹیشن کو لپیٹ میں لینے لگی —— بُچ نے گاڑی کو 'چیک' کرلیا تھا —— وہ جھپٹے سے اُٹھا اور وائرلیس پر چلّایا —— "یہ ایمونیشن کی گاڑی ہے۔ چلو اِسے جلدی ختم کرو" —— اور وہ دوسرے حملے کے لیے غوطے میں چلا گیا۔ اس کے طیارے نے اب کے راکٹوں کی بوچھاڑ داغ دی۔

وہ حملے سے اُٹھا تو دوسرے ہوا بازوں نے باری باری غوطے میں جاکر مشین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کیں۔ پھر راکٹ فائر کیے۔ اب تو پھٹتے بارود کی سیاہ گھٹاؤں میں گاڑی کے بچے کھچے ڈبے نظر بھی نہیں آتے تھے لیکن پاک فضائیہ کے یہ شاہباز خطرہ مول لے کر سیاہ دھوئیں میں جا جاکر جھپٹے مار رہے تھے۔ تمام کی تمام گاڑی گولہ بارُود سے لدی ہوئی تھی اور اگلے مورچوں کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ ہوا بازوں کو گوارا نہ تھا کہ اس کا ایک بھی ڈبہ سلامت رہے۔ وہ پاکستان کی تباہی کے سامان کو بھارت میں ہی تباہ کردینا چاہتے تھے۔ ریلوے سٹیشن سیاہ دھوئیں میں چھپ چکا تھا۔ ہوا باز اس دھوئیں میں روپوش ہوجاتے اور جب وہ اُوپر اُٹھتے تو گاڑی کے آہنی پرخچے، لکڑیوں کے ٹکڑے، گولوں کے ریزے اور ریلوے لائن کے پتھر دُور دُور تک اڑتے نظر آتے تھے۔

گاڑی کا شاید ہی کوئی ڈبہ محفوظ ہوگا، لیکن علاء الدین احمد ابھی مطمئن نہیں تھا۔ وہ پھر غوطے میں چلا گیا اور جب فائرنگ کرکے اُٹھ رہا تھا تو لوہے کا ایک بڑا سا اڑتا ہوا ٹکڑا اس کے طیارے کو آلگا۔ جانے وہ کس طرح بچ گیا ورنہ طیارہ بیکار

کرنے کے لیے یہ ٹکڑا کافی تھا۔ طیارہ بڑی زور سے ڈگمگایا لیکن بچ نے سنبھال لیا اور بلندی پر جا کر گاڑی کی تباہی کا منظر دیکھنے لگا۔

ہر سُو گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ یوں نظر آتا تھا جیسے سارا اسٹیشن جل رہا ہو۔ اب تو نیچے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا نہ پتہ چلتا تھا کہ گاڑی کہاں ہے یا کہاں تھی۔ علاءالدین نے اپنے ہوابازوں سے کہا ——— "کچھ نظر نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے کچھ ڈبے بچ گئے ہوں"

——— پیشتر اس کے کہ کوئی ہوا باز اُسے روکتا وہ غوطے میں جا کر سیاہ دھوئیں میں روپوش ہو چکا تھا۔

دُھوئیں کی گھٹائیں اب بہت اُوپر اُٹھ آئی تھیں اور پھیلتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ علاءالدین کو اس قدر نیچے نہیں جانا چاہیئے تھا۔ دُھوئیں میں کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن پاک فضائیہ کا یہ دلاور ہوا باز گاڑی کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا۔ وہ دھواں دھار میں نیچی پرواز کر کے گاڑی کے جلتے ہوئے ملبے کو دیکھتا رہا۔ وہاں کوئی ڈبہ سلامت ہوتا تو نظر آتا۔ وہ گھٹاؤں سے اُٹھ آیا لیکن پھر غوطے میں چلا گیا۔ اب کے وہ خطرناک حد تک نیچے چلا گیا ——— جلتی ہوئی گاڑی سے ذرا ہی اوپر۔

اس کے ہوا باز کہتے ہیں کہ اسے دو تین ڈبے نظر آ گئے جو اس کے خیال کے مطابق ابھی محفوظ تھے۔ اس نے اپنے طیارے کو تقریباً عموداً اوپر کھینچ لیا اور گھما کر پھر غوطے میں چلا گیا۔ اس نے جاتے جاتے اپنے ہوا بازوں کو بتایا کہ چند ڈبے ابھی محفوظ ہیں۔ ہوا بازوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کا لیڈر واقعی ڈبے دیکھ آیا ہے۔ وہ اب اس کی دیوانگی سے فکرمند ہونے لگے تھے۔ انھوں نے تو گاڑی کو ختم کر دیا تھا لیکن علاءالدین نے گہرے غوطے میں جا کر بچے کھچے تمام راکٹ اکٹھے فائر کر دیئے' یہ سارے راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے۔ وہ سچ کہتا تھا کہ کچھ ڈبے ابھی ہٹ نہیں ہوئے۔ اب علاءالدین کے راکٹ اِن ڈبوں میں پھٹے تو نہ جانے ان ڈبوں میں بم تھے یا بڑی توپوں کے گولے تھے جو بیک وقت پھٹے تو ہیبت ناک دھماکہ ہوا۔ اس دھماکے کی لہریں اس قدر شدید اور دُور رس تھیں کہ فضا میں بکھرے ہوا بازوں کے طیارے اس طرح ہوا میں پٹخے گئے جیسے کاغذ کے پُرزے کو زور سے پھونک ماردی جائے۔ اس دھماکے نے تقریباً سارے گورداسپور کو بنیادوں تک ہلا دیا ہو گا۔ ریل گاڑی اور گردوپیش کا ملبہ سینکڑوں فٹ اوپر فضا میں گولوں کی طرح آیا اور ہر سُو بکھر گیا۔ گھٹا ٹوپ نے سارے علاقے کو لپیٹ میں لے لیا ——— اور عزم کا پکّا، علاءالدین احمد بھی اسی قیامت کی لپیٹ میں آ گیا۔

اس نے طیارے کو اوپر کھینچنا چاہا لیکن اُڑتے ملبے کے جانے کیسے کیسے اور کتنے ہی ٹکڑے اس کے طیارے کو آ لگے تھے اور اُسے اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ پھر بھی اس نے طیارہ اسی بلندی پر سنبھال لیا اور پاکستان کا رُخ کر لیا۔ اپنی سرحد

سے وہ بارہ میل دُور تھا جسے سیبر ڈیڑھ منٹ میں پھلانگ جاتا۔

"میری کاک پٹ دُھوئیں سے بھر گئی ہے۔" اس کے ہوابازوں کو اس کی آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے بولا: "اب ٹھیک ہے" ——— یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔

باقی ہواباز گاڑی کو تباہ کر کے اس طرح فضا میں بکھرے ہوئے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو نظر نہیں آرہے تھے، صرف وائرلیس سے ان کا رابطہ قائم تھا۔ ڈپٹی لیڈر نے علاء الدین کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اسے ایک خیال آیا کہ شاید وہ پاکستان پہنچ گیا ہوگا۔ لیکن یہ خدشہ بھی تھا کہ اس قدر خوف ناک دھماکے کی زد میں آ کر اس کا طیارہ پاکستان پہنچنے کے قابل نہیں رہ سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ راستے میں پیراشوٹ سے اتر گیا ہو۔

لیکن علاء الدین پاکستان نہیں پہنچا تھا، نہ پیراشوٹ سے اُتر سکا تھا۔ وہ دشمن کے گولہ بارود کا ذخیرہ اڑانے کے لیے جان کا نذرانہ دے چکا تھا۔ ہوابازوں نے اُسے دشمن کے علاقے میں نیچی پرواز کر کے تلاش کیا لیکن بے سود۔ پھر پاک فوج کا چھوٹا سا طیارہ ایل۔۱۹ L-19 بھی تلاش کرنے گیا۔ ان طیاروں پر دشمن کی طیارہ شکن گنیں فائر کرتی رہیں اور ہر لمحہ دشمن کے طیاروں کا بھی خطرہ رہا لیکن اپنے طیارے مسلسل پانچ گھنٹے اُسے تلاش کرتے رہے مگر علاء الدین کا نشان تک نہ ملا ——— ایک جری شاہباز وطن پر قربان ہوگیا۔

وہ کون تھا؟

پندرہ برس گزرے پاک فضائیہ کے ایک بھرتی دفتر میں ایک نوجوان سالڑ کا پائلٹ بننے کے لیے آیا لیکن ریکروٹنگ آفیسر نے اُسے یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ وہ پائلٹ نہیں بن سکتا کیونکہ اس کی ایک ٹانگ دوسری سے چھوٹی ہے۔ اس کا قد بھی چھوٹا ہے۔ اُس نے اعلیٰ افسروں کو درخواست دی لیکن وہاں سے بھی مایوسی ہوئی۔ پھر اُس نے حکام بالا سے اپیل کی جو اس لیے منظور کر لی گئی کہ لڑکا غیر معمولی جوش اور جذبے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کا ذرا جتنا قد بُت اور ایک ٹانگ چھوٹی دیکھ کر کسی کو گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ وہ پاک فضائیہ کا جرأت مند اور غیر معمولی لڑاکا ہواباز بنے گا ——— اس کا نام علاء الدین احمد تھا۔

مشرقی پاکستان کے ایک مشہور ڈاکٹر ٹی احمد کے بیٹے، علاء الدین احمد، ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اس قدر شگفتہ مزاج

اور زندہ دل انسان تھے کہ روتوں کو ہنسا دیا کرتے تھے۔ ان کی مسکراہٹ میں لڑکپن کی شوخی اور مصافحہ میں مردانہ گرمجوشی ہوتی، ان کی حرکتوں میں کم سن لڑکوں کی اچھل کود اور کھلنڈرا پن تھا لیکن ڈسپلن کے بڑے پکّے تھے۔ ڈسپلن قائم رکھتے بھی تھے اور ڈسپلن قائم رکھواتے بھی تھے۔ ان ہی اوصاف کی بنا پر وہ کامیاب ترین سکواڈرن کمانڈر تسلیم کیے جاتے تھے۔

سکواڈرن کے ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو (زمینی عملے) میں وہ برابر ہردلعزیز تھے۔ کام کو وقت پر ختم کرنے کے عادی تھے۔ کام کی تکمیل کے متعلق ان کا ایمان تھا کہ کام مکمل بھی ہو اور اس میں سرِ مو غلطی بھی نہ ہو۔

وہ ۱۹۵۱ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں پی اے ایف کالج سے 'سورڈ آف آنر' لے کر کمیشن پائی، ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انھیں بعد از شہادت ستارۂ جرأت عطا کیا گیا اور سرکاری طور پر ان کی شجاعت کو ان الفاظ کے ساتھ ریکارڈ میں تحریر کیا گیا:

"پاک فضائیہ کے ایک لڑاکا بمبار سکواڈرن کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے سکواڈرن لیڈر علاءالدین احمد نے شہادت پانے تک دشمن کی برّی فوج اور ایر فورس کے خلاف بیس (۲۰) فضائی حملوں کی قیادت کی۔ جنگ کا تمام عرصہ اور ہر مشن میں اس کی قیادت بے خوف، جرأت مند اور پُر اعتماد رہی جس کی بدولت اُس کے ہوابازوں کے جذبے کو تقویت ملتی رہی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے ہوابازوں نے دشمن کے بہت سے ٹینک اور گاڑیاں تباہ کیں۔ دشمن کو کاری ضرب لگانے میں علاءالدین احمد کی قوتِ ارادی اور جذبہ مثالی تھا۔ اس نے گورداسپور کے ریلوے سٹیشن پر اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے گولہ بارود سے لدی ہوئی دشمن کی خطرناک اور اہم ترین گاڑی کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۳ ستمبر ۶۵ء کے اس حملے میں سکواڈرن لیڈر علاءالدین احمد کا طیارہ بیکار ہو گیا اور اطلاع ملی کہ وہ لاپتہ ہے لیکن بعد میں تصدیق ہو گئی کہ وہ شہید ہو گیا ہے"

عظیم شاہباز

"ایک. دو. تین. چار." سرگودھے کی فضا میں ایک ہوا باز پرواز کے دوران کچھ گن رہا تھا۔

"کیا گن رہے ہو؟" زمین سے کنٹرولر نے وائرلیس پر پوچھا۔

"بھارتی ہنٹر۔ اور کیا!" فضا سے فلائنگ آفیسر مسعود نے جواب دیا۔

"اچھا۔ اچھا۔" کنٹرولر نے کہا "میں سمجھا شاید پرندے گن رہے ہو۔"

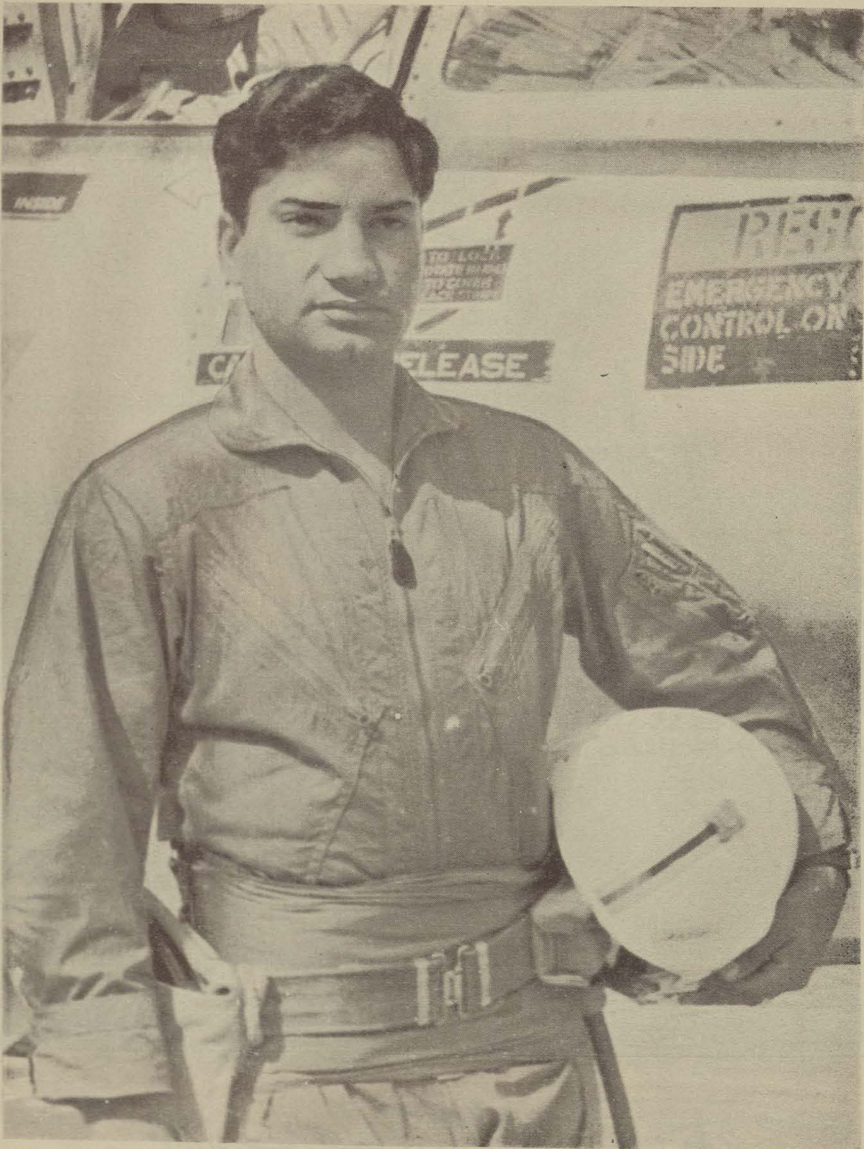
اور یہ گنتی عالمی فضائی معرکوں، تاریخ اسلام اور تاریخ پاکستان کے ایک بے مثال باب کا عنوان بن گئی ہے۔ پاک فضائیہ کے سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم نے یہ باب کُل تیس سیکنڈ میں لکھ ڈالا تھا۔ ایک دُبلے پتلے اور بظاہر غیر اہم سے آدمی نے صرف آدھے منٹ میں فضا میں انڈین ایئر فورس کی شکست اور پاک فضائیہ کی برتری کا جھنڈا گاڑ دیا۔ عالمی فضائی معرکوں میں کبھی ہوا باز نے ایک ہی جھڑپ اور اس قدر مختصر عرصے میں اتنے طیارے کبھی نہیں گرائے تھے اور شاید ہی جنگ میں ایسا ہوا ہو کہ ایک ہی ہوا باز نے ایک ہی جھڑپ میں ساری ہی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا ہو۔

اسی ایک معرکے میں یہ حقیقت بھی جُھٹلا دی گئی کہ ہنٹر طیارے پرانی طرز کے سیبر طیاروں سے برتر ہیں۔ اس کے علاوہ اس پُرانے مقولے کی تصدیق ہو گئی کہ میدانِ جنگ میں جو اہمیت جرأت اور جنگی مہارت کو حاصل ہے وہ تعداد اور ساز و سامان کو نہیں۔

پاک بھارت جنگ کا دوسرا روز تھا۔ پہلے روز پاک فضائیہ نے دشمن کی سرحدوں کے اندر جا کر پہلا فضائی حملہ کیا تھا۔



سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم ستارۂ جرأت (بار)



فلائٹ لفٹیننٹ امجد حسین ستارۂ جرأت

اور اس پہلے ہی حملے میں ہمارے شاہبازوں نے جیٹ کے دور کے قدیم سیبر طیاروں سے بھارت کے اہم ہوائی اڈوں ــــ پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ ــــ میں تباہی مچا دی تھی۔ دشمن کے کئی طیاروں کو زمین پر اور چند ایک کو فضا میں بھسم کر کے بھارتی ہوابازوں پر دہشت طاری کر دی تھی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہمارے دشمن کو گمان تک نہ تھا کہ پاکستانی ہوابازیوں بجلیاں بن بن کر ٹوٹ ٹوٹ پڑیں گے حالانکہ ہندو، مسلمان سے ایک ہزار سال سے واقف تھا۔

جنگ کے دوسرے روز سرگودھا کی صبح کا اُجالا نکھر رہا تھا اور فضائی اڈے میں فضائیہ کا ہر فرد و بشر کسی نہ کسی کام میں مگن، مستعد اور آگ بگولہ تھا جیسے کسی عظیم ڈرامے کے کردار کسی بھی لمحہ سٹیج کا پردہ اٹھنے کے منتظر ہوں۔ جو آدمی کچھ بھی نہیں کر رہے تھے وہ بھی مصروف اور چوکنے نظر آتے تھے۔ زمینی توپچی ایمونیشن کے پٹے گنوں سے لگائے آسمان کی وسعت کو تاک رہے تھے۔ ہوابازوں اور گراؤنڈ کرائیو نے طیاروں کا آخری معائنہ کر لیا تھا۔ اس قدر مصروفیت اور تیاری کی گہما گہمی کے باوجود فضا میں سکوت تھا لیکن یہ سکوت طوفان کا پیام دے رہا تھا اور فضائی اڈے میں ہر کوئی بے تابی سے اس طوفان کا انتظار کر رہا تھا۔ کبھی بھی لمحہ دشمن کا ہوائی حملہ متوقع تھا لیکن کسی کو گمان تک نہ تھا کہ اس ایک ہی روز بلکہ اس روز کے چند لمحوں میں سرگودھا جسے پاکستان میں بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں عالمی شہرت یافتہ شہر بن جائے گا جسے دیکھنے کے لیے برطانیہ، فرانس، امریکہ، جاپان اور دیس دیس کے اخبار نویس اور جنگی وقائع نگار بھاگتے چلے آئیں گے۔ کسی نے کبھی بھولے سے بھی تصور نہ کیا تھا کہ پاکستان ایر فورس جس کی حیثیت جنگی نقطۂ نگاہ سے چھوٹے سے ایک فلائنگ کلب سے زیادہ نہیں کرۂ ارض کے جری ہوائی بیڑوں میں شمار ہونے لگے گی۔

سورج ابھر رہا تھا اور فضائیہ کے کارندے اور ہواباز آسمانی آوازوں پر کان لگا لگا کر اور نیلی وسعت میں جھانک جھانک کر اُکتا گئے۔ انتظار تلخ ہوا جا رہا تھا۔ آخر انھوں نے طیاروں کو دشمن کے فوجی اور فضائی ٹھکانوں پر حملوں کے لیے اور اپنی بری فوجوں کو فضائی مدد دینے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ تو دشمن کے ہوائی حملے کے مقابلے کے لیے تیار تھے مگر حیران کہ بھارتی ہواباز اپنے پٹھان کوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ کے ہوائی اڈوں کی تباہی کا انتقام لینے ابھی سرگودھا کو تباہ کرنے کیوں نہیں آئے؟

اچانک فضا میں گرج سنائی دی۔ سب نے چونک کے دیکھا۔ ہر کوئی اچک کے اُٹھا اور سب کے اعصاب میں یکبارگی تناؤ اور مزاج میں عتاب آ گیا لیکن وہ دشمن کا طیارہ نہیں بلکہ اپنا ہیلی کاپٹر تھا جو اتر رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر زمین پہ آ گیا۔ معاً بعد آسمان سے ایک راکٹ سنسناتا ہوا آیا، ہیلی کاپٹر سے چند ہی گز دُور گرا اور دھماکے سے پھٹا ـــــــ دشمن نے چیلنج قبول کر لیا تھا ـــــــ پاک فضائیہ کا انتظار ختم ہو گیا۔ ہوا باز اسی دھماکے کے منتظر تھے۔ فضائی حملے کے سائرن چیخ اُٹھے۔

انڈین ایر فورس کے چھ ہنٹر طیارے نیچی پرواز کرتے راکٹ اور مشین گنیں فائر کرتے جھپٹے میں آ رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ یا تو جلدی میں ہیں یا انھیں تارگیٹ کے متعلق کچھ شک ہے۔ کیونکہ ان کی فائرنگ بے نشانہ اور بے ٹھکانہ سی تھی۔ عین اس وقت پاک فضائیہ کا ایک سٹار فائیٹر ایف ۱۰۴ F-104 جو گشتی اڑان پہ گیا ہوا تھا، فضا میں واپس آتا نظر آیا۔ اس کی کاک پٹ میں فلائٹ لفٹننٹ امجد حسین تھا۔ اس نے اپنے اڈے پر دشمن کے چھ طیاروں کو جھپٹتے اور فائر کرتے دیکھا تو وہ فضا میں تیر کی طرح دشمن کے دو طیاروں کے اوپر سے گزر آیا۔ مشین گنوں کی گرج سنائی دی جیسے بادل گرجے ہوں۔ اس کی گرج کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ دشمن کے دو طیارے فضا میں بموں کی طرح پھٹے اور ان کے پرخچے اور بھارتی ہوابازوں کے جسموں کی بوٹیاں آسمان میں بکھر کر سرگودھے کی غیور مٹی میں مل گئیں۔ امجد حسین کی گنوں کی دو بوچھاڑیں ان کی تیل کی ٹینکیوں میں لگی تھیں ـــــــ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہو گیا اور ہنٹر طیاروں نے پھٹ کر جو دھوئیں کی گھٹائیں فضا میں چھوڑی تھیں وہ نہایت آہستہ آہستہ بھارت کی طرف اُڑنے لگیں۔

فضائی اڈے کی جانباز مخلوق ابھی ان دو طیاروں کی تباہی کا منظر دیکھ رہی تھی کہ طیارہ شکن توپچیوں کے کمانڈر لفٹننٹ کرنل گوندل کے جیالوں نے دو ہنٹر طیارے مار لیے۔ دونوں سرگودھے کے ہرے بھرے کھیتوں میں گرے اور ان کا دھواں اپنے پہلے دو ساتھیوں کے پیچھے پیچھے آسمان کی طرف اُٹھنے لگا۔

فضا میں بھارت کے صرف دو ہنٹر رہ گئے تھے جن کے ہواباز زندگی اور موت کے اس قدر تیز اور اس قدر ہولناک معرکے کو شاید برداشت نہ کر سکے اور اڈے کو نقصان پہنچائے بغیر جانیں بچا کر کھسک گئے ـــــــ فضائی حملہ ختم ہو گیا۔

ابھی حملے کے اختتام (آل کلیئر) کا سائرن بج ہی رہا تھا کہ وہ سرگودھے والوں کو ایک اور حملے کے لیے خبردار کرنے لگا۔ اب کے دشمن کے چھ ہنٹر طیارے آئے لیکن سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم اور اس کا نمبر ۲، فلائنگ آفیسر مسعود اختر ان کے استقبال کے لیے فضا میں موجود تھے۔ دشمن شاید جنگِ عظیم دوم کی ٹیکنیک کے مطابق موج در موج حملہ کرنا چاہتا تھا۔ پہلے چھ ہنٹر آئے تھے، پھر چھ ہنٹر آ گئے اور ان کے بعد جانے کون سے طیاروں کو آنا تھا؟

سکواڈرن لیڈر، عالم اس حملے کو اپنی زبان میں یوں بیان کرتا ہے ———— " جب پہلے حملے کی وارننگ ملی۔ اس وقت ہم زمین پر اپنے اپنے طیاروں کی کاک پٹوں میں پیٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ حملے کے دوران طیارے اُڑائے نہیں جاتے کیونکہ دشمن کو بڑا آسان تارگیٹ مل جاتا ہے، وہ اُٹھتے طیارے کو مار لیتا ہے۔ ہمیں کاک پٹوں سے نکل آنے کو کہا گیا لیکن ہم نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ حملہ ختم ہو گیا اور ہم طیاروں میں بیٹھے رہے تھے۔ حملے کے بعد ہم نے چائے کی ایک ایک پیالی پی۔ پورے چھ بجے سائرن نے ایک اور حملے کے لیے خبردار کیا تو میں اور میرا نمبر ۲، فلائنگ آفیسر مسعود اختر بھاگ کر طیاروں میں بیٹھے اور اُڑ گئے۔ دوسرا حملہ نیچی پرواز پر آ رہا تھا۔ میں اور مسعود فضا میں چکر کاٹتے اوپر ہی اوپر اُٹھتے گئے۔ زمین سے کنٹرولر ہمیں تیزی سے بڑھتے ہوئے دشمن کے متعلق بتا رہا تھا۔ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی چلی گئیں اور خون گرم ہونے لگا.....

" ہم دس ہزار فٹ کی بلندی پر اُڑ رہے تھے جب کنٹرولر نے ہمیں بتایا کہ دشمن کے ہنٹر طیارے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ گئے ہیں اور حملہ کرنے کے لیے اُوپر اُٹھ رہے ہیں۔ کنٹرولر کے ساتھ ہی مجھے مسعود اختر کی آواز سنائی دی ———— 'کانٹیکٹ' Contact ———— میں نے دشمن کے طیاروں کو دیکھ لیا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ طیارہ شکن گنیں ان پر دھاڑ دھاڑ کر آگ اگل رہی تھیں۔ میں دشمن کے طیاروں کے پیچھے آ کر اپنے توپچیوں کی فائرنگ کی بوچھاڑوں میں حملے کے لیے غوطہ لگا گیا۔ مسعود اختر کا طیارہ عقب سے میرے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ ہم نے غوطے کے دوران پروں سے تیل کی فالتو ٹینکیاں گرا دیں۔ جب ہم دشمن کے قریب پہنچے تو میں نے اس کی فارمیشن کے پیچھے دو اور ہنٹر طیارے اُڑتے دیکھے.....

" انھوں نے ہمیں دیکھ لیا اور ان میں سے ایک دائیں طرف گھوم گیا۔ میں نے طیارہ اوپر کھینچ لیا ورنہ میں اس کے اُوپر سے گزر جاتا اور صورتِ حال بہت مختلف ہو جاتی۔ میں گھوم کر پیچھے چلا گیا اور واپس آ کر پیچھے سے ایک ہنٹر کو زد میں لے لیا۔ وہ میری زد سے بچنے کے لیے داؤ پیچ کھیلنے لگا۔ لیکن میں نے اسے نکلنے نہ دیا۔ ذرا ہی دیر کے تعاقب اور دائیں بائیں گھومنے پھرنے سے ہماری بلندی ختم ہو گئی اور ہم درختوں کی بلندی تک آن پہنچے۔ بھارتی ہواباز نے مجھے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے طیارے کو عموداً اوپر کھینچ لیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے نیچے سے آگے نکل جاؤں گا لیکن میں بھی اس کے پیچھے عموداً اوپر اُٹھ گیا اور اس کی دُم کے ساتھ چپک گیا۔ اسی پوزیشن سے میں نے گنوں کی مختصر سی بوچھاڑ فائر کر دی۔ وہ میری زد میں تھا۔ بھارتی طیارے کی باڈی سے شرارے چمکے ———— میرا نشانہ خطا نہیں گیا تھا ———— اسے آگ لگ گئی اور میں زنّاٹے سے اس کے قریب سے گزر گیا.......

"میں نے گھوم کے دیکھا، طیارہ جلتا ہوا گر رہا تھا اور دوسری طرف فضا میں ایک پیراشوٹ کھلا ہوا نیچے جا رہا تھا۔ بھارتی ہوا باز طیارے سے نکل گیا تھا۔ وہ انڈین ایر فورس کے ایک فائٹر سکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر، سکواڈرن لیڈر اونکارناتھ کاکڑ تھا' اسے پکڑ لیا گیا.....

"میں اس تعاقب میں دیکھ نہ سکا کہ باقی حملہ آور ہنٹر کدھر نکل گئے ہیں۔ فضا میں سرگودھے کی حفاظت کے لیے صرف میں اور میرا نمبر ۲ تھا۔ بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ میں بے تابی سے دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگا۔ اتنے میں پاک فضائیہ کے تین طیارے اس انداز سے ہماری طرف آتے نظر آئے جیسے ہم پر حملہ کرنے آ رہے ہوں لیکن قریب آ کر انھوں نے ہمیں پہچان لیا اور وہ دوسری طرف نکل گئے......

"اُڑتے اُڑتے میں اور مسعود دریائے چناب سے پرے نکل گئے۔ اچانک مسعود چلایا ——— 'ہنٹر۔ سامنے، ذرا بائیں' ——— میں نے دیکھا کہ چار ہنٹر طیارے بڑی اچھی جنگی ترتیب میں اڑے جا رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے گھوم کر اوپر اٹھنے لگے۔ میں نے طیارہ گھمایا اور ان کے پیچھے سے خاصا ان کے قریب پہنچ گیا۔ میری گن سائٹ (نشست) کے دس روشن اور بے رحم نقطے ان پر منطبق ہو گئے پھر ایک ایک کو لپیٹ میں لینے لگے۔ میں نے فائرنگ شروع کر دی۔ تمام آسمان میں شرارے چمک اُٹھے اور شعلے بھڑکنے لگے۔ دھماکے بھی ہوئے۔ چند ہی لمحوں میں چار مُردہ بھارتی ہوا باز جلتے ہوئے طیاروں میں بندھے ہوئے پاکستان کی مقدس سرزمین پر گر رہے تھے۔"

جب عالم کے مارے ہوئے بھارتی طیارے جلتے ہوئے گر رہے تھے تو اس کا نمبر ۲، 'مسعود اختر' ہیجانی کیفیت میں گننے لگا اور اس کی آواز زمین پر ہوائی اڈے کے کنٹرولر کو بھی سنائی دینے لگی ——— "ایک۔ دو۔ تین۔ چار" ——— کنٹرولر فضا میں ہوا بازوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھتا ہے۔ اس نے پوچھا ——— "کیا گن رہے ہو؟" ——— مسعود بولا۔ "ہنٹر اور کیا!"

"اچھا اچھا۔" کنٹرولر بولا۔ "میں سمجھا پرندے گن رہے ہو۔"

وہ پرندے ہی تو تھے، موٹے تازے بھارتی پرندے۔ شاہبازوں کا من بھاتا شکار۔ ایک ہی معرکے میں بھارت کے چھ میں سے پانچ ہنٹر طیارے گرا لیے گئے تھے اور اس قدر حیران کن کم وقت میں جس کی مثال فضائی معرکوں کے عالمی ریکارڈ میں نہیں ملتی۔ چھٹا ہنٹر جو عالم کی زد سے بچ گیا تھا وہ راستے میں انجن بگڑ جانے سے بیکار ہو گیا اور اس کا ہوا باز

پیراشوٹ سے کود گیا۔ یہ غالباً لفٹیننٹ کرنل گوندل کے توپچیوں کا کمال تھا لیکن اصول کے مطابق کرنل گوندل نے کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ ہی نہ کیا کہ اس طیارے کو اس کے جوانوں نے بیکار کیا ہے۔

عالم نے تیس سیکنڈ میں تاریخ کا وہ باب لکھ ڈالا جو ہماری نسلیں صدیوں تک فخر سے سنتی سناتی رہیں گی۔

ایک روز پہلے، چھ ستمبر کی شام، سکواڈرن لیڈر عالم نے دشمن کے علاقے میں حملہ کرنے کے لیے تین سیبر طیاروں کی ایک فارمیشن کی قیادت کی تھی۔ اس کے ساتھ سکواڈرن لیڈر علاء الدین احمد شہید بھی تھا اور تیسرے طیارے میں فلائٹ لفٹیننٹ سید سعد حاتمی تھا۔ تینوں امرتسر کے مشہور قصبے ترن تارن کے قریب پہنچے تو علاء الدین نے عالم کو وائرلیس پر اطلاع دی ـــــ "چار ہنٹر۔ سامنے، ذرا بائیں۔ پانچ سو فٹ کی بلندی پر"

اس معرکے کو بھی عالم کی زبانی سنیئے ـــــ "جنگی ترتیب میں دشمن کے چار ہنٹر طیارے ہم سے دو تین سو فٹ دور سامنے سے گزر رہے تھے۔ ہم ان کے علاقے میں کہیں حملہ کرنے جا رہے تھے۔ انھیں غالباً یہ توقع بھی تھی کہ وہ ہمیں بے خبری میں لے لیں گے لیکن انھیں علم ہی نہیں تھا کہ ہم ان سے دو ہاتھ دور اسی فضا میں اڑ رہے ہیں . . .

"میں نے اپنے ہوابازوں سے کہا ـــــ 'فالتو ٹینکیاں پھینک دو اور گنیں تیار کر لو' ـــــ ٹینکیاں الگ ہوتے ہی ہم ان پر جھپٹے میں چلے گئے۔ انھوں نے ہمیں دیکھ لیا اور نہایت سرعت سے ہمارے جھپٹے سے بچنے کے لیے ایک طرف گھوم گئے . . . .

"جب فضائی معرکے کی مشق کی جاتی ہے تو عجیب لطف آتا ہے لیکن یہ مشق نہیں مرنے مارنے کا حقیقی معرکہ تھا۔ ہم تینوں ہواباز پہلی بار فضا میں دشمن کے سامنے آئے تھے۔ جنگ اُسی روز شروع ہوئی تھی۔ یہ مشین اور انسان کی آزمائش کی گھڑی تھی۔ ہنٹر طیارہ فضا میں بڑا خوب صورت اور شاہباز نظر آتا ہے۔ آج پہلی بار برطانیہ کے بنے ہوئے ہنٹر طیارے جن کی قوت کا بہت شور سنتے تھے، پرانی طرز کے امریکی سیبروں کے مقابلے میں آئے تھے۔ عالمی فضائی معرکوں کی تاریخ پڑھیے تو پتہ چلتا ہے کہ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ دونوں طرف کے طیارے رفتار اور مار میں ایک جیسے ہوں۔ کوئی سست رفتار ہوتا ہے کوئی تیز رفتار، کوئی کم تر اور کوئی برتر۔ لیکن معرکے کی جیت ہار کا فیصلہ ہر حال میں طیارے کی برتری نہیں ہواباز کا اپنا جذبہ اور اپنی جرأت کیا کرتی ہے . . . .

"ان پر غالب آنے میں ہمیں دیر نہ لگی۔ ایک ہنٹر میری گن سائٹ میں آ گیا۔ میں قریب ہوتا چلا گیا اور وہ ہنٹر میری سائٹ

میں بڑا ہی بڑا ہوتا چلا گیا۔ میں نے چھوٹا سا برسٹ (بوچھاڑ) فائر کر دیا۔ میری گولیاں ضائع نہ گئیں۔ میرے شکار نے پلٹنی کھائی اور بے کار ہو کر گرنے لگا۔ معاً بعد وہ آگ کا مہیب شعلہ بن گیا...... فضا میں موت تیز اور یقینی ہوتی ہے........

"ایک طیارہ مار گرانے سے ہماری مشکل آسان ہو گئی۔ اب ہم تین پاکستانی ہوا بازوں نے بھارتیوں کو آگے لگا لیا تھا۔ میں نے اور علاءالدین احمد نے بیک وقت اپنے اپنے شکار پر فائر کیا۔ دشمن کے دونوں طیاروں سے دھواں نکلنے لگا۔ شدید ضربیں کھا کر وہ اِدھر اُدھر ہو گئے۔ فوراً بعد فلائٹ لفٹننٹ حاتمی نے اپنے شکار پر بھرپور برسٹ فائر کر دیا اور انڈین ایئر فورس کا ایک اور ہوا باز اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ ہنٹر حاتمی کی گولیاں لگتے ہی پھٹ گیا تھا۔ اب بھارت کے آسمان میں صرف ہم تین پاکستانی اُڑ رہے تھے اور فضا میں ہماری حکمرانی تھی۔ ہنٹر جس کا اردو ترجمہ شکاری ہے، شکار ہو چکے تھے۔ لیکن یہ تو ابتدا تھی، جنگ تو اُسی صبح شروع ہوئی تھی.....

"اس تعاقب اور معرکے میں ہمارے طیاروں میں تیل کافی نہ رہا اور ہم نے واپسی کا رُخ کر لیا۔ جب ہم پاکستان کی سرحد کے قریب پہنچے تو سامنے سے دو اور ہنٹر آ گئے۔ اپنے طیارے میں تیل کم ہی سہی لیکن بھارتی طیاروں کو دیکھ کر طبیعت میں ایسا اشتعال آ جاتا ہے کہ جھپٹا مارے بغیر چین نہیں آتا۔ میں نے ان ہنٹروں کو دیکھا تو ان سے اُلجھ پڑا۔ ایک کو تو میں نے ذرا ہی دیر میں فضا میں ہی تباہ کر دیا اور دوسرے کو خاصا نقصان پہنچایا۔ میری چوٹ کھا کر اس کی اڑان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بمشکل اپنے اڈے تک پہنچے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ہوا باز راستے میں پیراشوٹ سے اُتر گیا ہو۔ افسوس ہے کہ میرے پاس تیل کم تھا۔ فالتو ٹینکیاں پہلے ہی گرائی جا چکی تھیں ورنہ میں اس کے پیچھے جا کر فضا میں ختم کر دیتا......

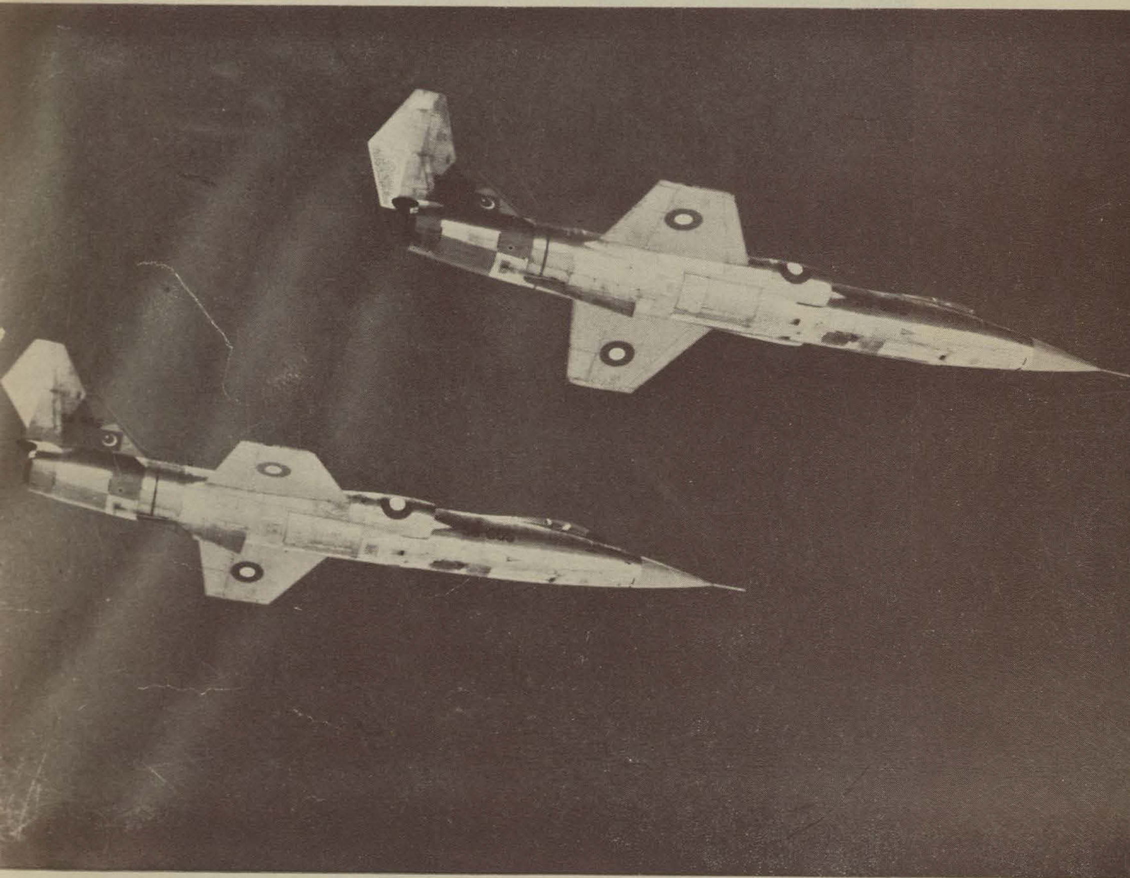
"بعد میں اطلاع ملی (جو قابلِ یقین تھی) کہ بھارت کا یہ ہوا باز بھارت کے وائس پریزیڈنٹ ڈاکٹر ذاکر حسین کا بیٹا، فلائٹ لفٹننٹ حسین تھا۔ ہنسی تو مجھے اس وقت آئی جب میں نے آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر سنی کہ انڈین ایئر فورس کے فلائٹ لفٹننٹ حسین کو پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے صلے میں 'ویر چکر' عطا کیا گیا ہے۔ اس کی بہادری دراصل یہ تھی کہ وہ میرے ہاتھوں بیکار کیے ہوئے طیارے کو واپس لے گیا تھا۔"

جری اور دلاور ہوا باز سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم کے جسم جُثے اور قد و قامت کو دیکھو تو یقین نہیں آتا کہ وہ اِس قدر دلاور ہو سکتا ہے۔ اس نے ۱۷، ستمبر کے روز بھی بھارتی سرحدوں کے دور اندر بہت بلندی پر دو ہنٹر طیاروں سے جھڑپ لے کر دونوں کو مار گرایا۔ تفصیلات یوں ہیں کہ اس روز فلائنگ آفیسر شوکت اس کا نمبر ۲' تھا۔ پاک فضائیہ کے یہ دو طیارے دشمن کے کسی ٹھکانے پر حملہ کرنے گئے تھے۔ دریائے بیاس کے اوپر بھارت کے دو ہنٹر طیاروں نے انھیں روک لیا۔





فضائی معرکے کے دوران
انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا
بمبار طیارہ پاک فضائیہ کے
ایک شاہین کے ہاتھوں
جل کر گر رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)



ایف ۱۰۴، لڑاکا طیّارے

عالم نے ان کے لیڈر کو پہلے ہی جھپٹے میں لے لیا۔ اسے ایک ہی برسٹ میں مار گرایا لیکن حادثہ یہ ہوا کہ دوسرا ہنٹر شوکت کے پیچھے آ لگا۔ شوکت، عالم کو عقب سے محفوظ رکھنے میں محو تھا۔ ہنٹر کے ہوا باز کو موقع مل گیا اور اس نے شوکت کے طیارے پر فائر کر کے اسے مار لیا۔ شوکت جلتے ہوئے طیارے سے نیچے کود گیا۔ نیچے دشمن کا علاقہ تھا۔ شوکت کو جنگی قیدی بنا لیا گیا لیکن عالم نے وہیں انتقام لے لیا۔ اس نے انتقام کے جذبے سے دیوانہ ہو کر اس ہنٹر کو ایک دو چکر دے کر آگے لگا لیا اور دوسرے لمحے عالم کی مشین گنوں نے ذرا سا برسٹ فائر کر کے اس بھارتی ہوا باز کو اپنے لیڈر تک پہنچا دیا —— دونو ہنٹر اپنے ہوا بازوں سمیت ختم ہو گئے۔

ان فضائی معرکوں کے علاوہ عالم نے پاک فوج کی مدد کرتے ہوئے دشمن کی برّی فوج کو بہت نقصان پہنچایا۔ وہ کئی بار اس مشن پر گیا اور دشمن کے اگلے مورچوں اور پچھلی لائن میں تباہی مچا کے لَوٹا۔ اس کا حیران کُن اور جان جوکھوں کا کارنامہ تو وہ تھا جب جوڑیاں سیکٹر میں وہ دشمن کی فوج پر جھپٹے مار رہا تھا۔ دشمن کے زمینی طیارہ شکن فائر سے اس کے طیارے کی کینوپی Canopy (پائلٹ کی کاک پٹ کی پلاسٹک کی چھت جو اڑتے وقت بند رکھی جاتی ہے) اس کے سر کے ذرا پیچھے سے ٹوٹ پھوٹ گئی۔ جیٹ طیارے کی کینوپی کا ٹوٹ جانا بہت خطرناک ہوتا ہے۔

عالم کہتا ہے —— "جب ہم جوڑیاں سیکٹر پر پہنچے تو فضا میں دشمن کا کوئی طیارہ نہ تھا اور نیچے جوڑیاں کی فیصلہ کُن جنگ عروج پر تھی۔ فلائٹ لفٹننٹ جیلانی میرا نمبر ۲ تھا۔ (جیلانی نے جنگ کے دوران فضائی معرکوں میں دشمن کا ایک نیٹ اور ایک ہنٹر طیارہ مار گرایا تھا) ہم دونو درختوں کی بلندی پر زمین سے اٹھتے توپوں کے پھٹتے گولوں کی دھواں دھار میں اڑ رہے تھے۔ ہم نے دشمن کی پوزیشنیں دیکھ لیں تو دشمن کی توپوں نے اپنی پسپا ہوتی سینا کی حفاظت کے لیے بے تحاشا فائر کھول دیا۔ میرا طیارہ ہٹ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میری کینوپی بُری طرح ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے واپس آ جانا چاہیئے تھا لیکن میں نے دشمن کی توپیں دیکھ لی تھیں۔ بڑا پُرکشش اور اشتعال انگیز ٹارگیٹ تھا، واپس آنے کو جی نہ چاہا۔ میں نے اپنے نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ جیلانی کے ہمراہ متعدد حملے کیے اور اس قدر ظالمانہ فائرنگ کی کہ دشمن کی گنوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا اور ہم واپس آ گئے۔"

سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم

۱۹۳۴ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے ڈھاکہ آ گئے اور وہیں تعلیم مکمل کی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی ایئر سکواڈرن کے ممبر رہے اور ۱۹۵۴ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہو گئے۔ عالم تاریخ اسلام کے طالب علم ہیں اور اقبالؒ اور جمال الدین افغانیؒ کے کٹّر پیروکار۔ جنگ اور فضائی معرکوں کے متعلق ان کے کچھ ذاتی نظریات اور طور طریقے ہیں جنھیں وہ دوسروں سے منوانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے پہلے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہنٹر طیارہ سیبر سے تیز رفتار سہی لیکن سیبر ہنٹر کو مار سکتا ہے لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کی اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ آخر جنگ ہوئی تو عالم نے اپنا نظریہ ثابت کر دکھایا اور سیبر سے کئی ہنٹر مار کے دکھا دیے۔ وہ پہلے ہوا باز ہیں جنھوں نے ہنٹر مارنے شروع کیے تھے۔ جنگ میں انھوں نے جو کامیاب فضائی معرکے لڑے ان کے صلے میں انھیں دو بار ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ پاک فضائیہ میں ہی نہیں تینوں مسلح افواج میں وہ واحد آدمی ہیں جنھوں نے ایک ہی تمغہ ایک ہی جنگ میں دو بار حاصل کیا ہے۔

فلائٹ لفٹننٹ سیّد سعد حسن حاتمی

۱۹۳۴ء میں حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئے اور عثمانیہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ انھوں نے ایک ہنٹر کے علاوہ ۱۳ ستمبر کو ایک فضائی معرکے میں دشمن کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا تھا۔ فرض شناسی اور جرأت مندی کے صلے میں انھیں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا اور سند میں یوں تحریر ہوا:

> ”فلائٹ لفٹننٹ حاتمی ایک فائٹر سکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر تھا۔ اُس نے فضائی دفاع اور دشمن کے ٹھکانوں پر حملوں کے لیے کئی پروازوں کی قیادت کی۔ ان تمام مشنوں کے دوران اس نے خود دشمن کا ایک ہنٹر اور ایک نیٹ طیارہ مار گرایا اور زمین پر دشمن کے دو ٹینک اور چار گاڑیاں تباہ کیں۔ فلائٹ لفٹننٹ حاتمی نے عزم، حوصلے اور غیر معمولی جذبے کا مظاہرہ کیا اور پاک فضائیہ کی روایات کو برقرار رکھا۔“

عہد پورا کر دیا

۴ ستمبر کی صبح اُسے پیشاب میں خون آیا۔ وہ رات بھر گُردے کے ناقابلِ برداشت درد سے تڑپتا اور کراہتا رہا تھا اور اُسے تیز بخار تھا۔ لمحہ بھر کے لیے بھی آنکھ نہ لگی تھی۔ بے حال ہو ہو کر اُس نے ہسپتال جانے کا ارادہ کیا لیکن اس کی ذات میں ایک جذبہ اور ایک احساس بیدار ہو کر اس کی راہ میں حائل ہو گیا اور اُسے ہسپتال نہ جانے دیا۔ فلائٹ لفٹننٹ سید شمس الدین احمد ایسے وقت بال و پر بریدہ ہو کر ہسپتال میں جا گرنے سے گریز کر رہا تھا جب برصغیر کے آسمان پر جنگ کی گھٹائیں تیزی سے گہری ہو رہی تھیں۔ وہ بمبار ہوا باز تھا۔ فضائیہ میں آ کر اُس نے ملک سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا اسے اس عہد کا پاس تھا۔ (ٹریننگ کے اختتام پر مسلّح افواج کے ہر فرد سے ایک عہد نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں جس کے الفاظ مختصراً یہ ہوتے ہیں کہ میں ملک و ملّت سے وفادار رہوں گا اور ملک کے دفاع میں جان دینے سے گریز نہیں کروں گا۔) —— فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین کو گوارا نہ تھا کہ آزمائش کی اس کٹھن گھڑی وہ عہد پورا کرنے سے قاصر رہے۔ وہ وقت آن پہنچا تھا جس کے لیے پاک فضائیہ نے اسے بڑی جانفشانی سے تربیت دی تھی۔ لیکن گُردے کے درد کی شدت انتہا کو پہنچ گئی تھی اس حال میں اسے ہسپتال چلے جانا چاہیے تھا۔

۴ ستمبر کا دن گزر گیا۔ ایک اور رات کرب و ابتلا میں گزر گئی۔ ۵ ستمبر کا دن ۴ ستمبر سے بہتر نہ تھا اور رات گزری ہوئی راتوں کی طرح علیل اور بے آرام تھی لیکن شمس الدین احمد ہسپتال نہ گیا۔ وہ ملک و ملّت سے وفاداری کا عہد پورا کرنے کے انتظار میں گُردے کا شدید درد کسی کو بتائے بغیر برداشت کرتا رہا۔

اُسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ چھ ستمبر کی سحر بھارتی سورمے چوروں کی طرح لاہور کی سمت سے بین الاقوامی سرحدوں میں گھس آئے۔

اٹھائیس سال کا جیالا جانباز فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد ہوائی اڈے کے اپریشن روم میں داخل ہوا۔ (یاد رہے یہ کسی ہسپتال کا اپریشن روم نہیں تھا بلکہ ہوائی اڈے کا اپریشن روم تھا جہاں سے ہوابازوں کو دفاعی یا جارحانہ حملوں یا دشمن کے حملہ آور طیاروں سے جھڑپ لینے اور ہر قسم کی جنگی پروازوں کی آخری ہدایات دی جاتی ہیں)۔ شمس اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر گُردے کی بے رحم اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ چہرے کے ایک ایک خط سے درد اور گزشتہ رات کے بخار اور شب بیداری کی مُردنی ہویدا تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی اس سے جذبۂ جہاد اور حُب الوطنی کا پتہ ملتا تھا۔ وہ زندگی کا بھیانک ترین خطرہ مول لینے آیا تھا۔ ایسا خطرہ جو اس کی اپنی جان، اپنے نیوی گیٹر کی جان اور بیش قیمت طیارے کی تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔

وہ بمبار ہواباز تھا۔ بمبار طیارے میں ہواباز کے ساتھ ایک نیوی گیٹر (راہ دکھلانے والا) بھی ہوتا ہے جب کہ لڑاکا طیارے میں صرف ایک ہواباز ہی اڑتا ہے۔ جیٹ طیارے کی تباہی اور ہواباز کی موت کے لیے کسی بہت بڑی لغزش یا حادثے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ذرا سی غلطی یا ہلکی سی بے احتیاطی طیارے اور اس کے ہواباز کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہے۔

شمس الدین احمد ہوابازی کے ان پُرخطر حقائق سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر فضا میں گُردے کا درد تیز ہو گیا تو انجام صرف موت ہو گا۔ بچ نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ شمس کی اپنی اکیلی جان ہوتی تو اور بات تھی۔ اسے اپنے ساتھ ایک اور انسان (نیوی گیٹر) کو بھی ساتھ لے جانا تھا۔ اس نے سوچا ——— "اگر میں اس حال میں طیارے کو سنبھال نہ سکا اور تباہ ہو گیا تو کیا خدا مجھے ایک بے گناہ انسان (نیوی گیٹر) کی جان لینے پر بخش دے گا؟" ——— اس کے عزم کی راہ میں یہی ایک سوال حائل تھا۔

لیکن اس پر وجدانی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ دشمن اس کے وطن پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس کے وطن کی آبرو سخت خطرے میں تھی۔ اس حقیقت نے اس کے تمام خوف جھٹک ڈالے۔ اس کیفیت میں اسے اپنے اللہ اور اپنی ذات پر مکمل اعتماد محسوس ہونے لگا ——— یہ ایک مقدس احساس تھا۔

"کیا میں اپنے کمانڈنگ آفیسر کو بتا دوں کہ میں پرواز کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن میں شدید علیل ہوں؟" اُس نے سوچا۔

"نہیں۔" اس کی ذات سے آواز اُٹھی۔ "وہ تمہیں فوراً ہسپتال بھیج دے گا۔ کمانڈنگ آفیسر کو نہ بتانا ورنہ ملک وملت سے عہد پورا نہ کر سکو گے۔"

شمس نے اپنی زندگی کا خطرناک ترین فیصلہ کر لیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس کے ساتھ نیوی گیٹر کون ہوگا؟ اُس نے اپریشن روم میں نگاہیں دوڑائیں۔ کمرے کے ایک کونے میں متین اور سنجیدہ سکواڈرن لیڈر شعیب عالم بیٹھا تھا ـــ وہ نیوی گیٹر تھا۔ وہ بھی شاہباز تھا لیکن اس کے پَر نوچ کر سٹاف ڈیوٹی پر ایر ہیڈ کوارٹر کے قفس میں بند کر لیا گیا تھا لیکن وہ شوقِ جہاد اور شہادت کے جذبے سے دیوانہ ہو کر کسی نہ کسی طرح سٹاف ڈیوٹی کا پنجرہ توڑ کر اس اُمید پر اپریشن روم میں آبیٹھا تھا کہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

شمس الدین احمد نے شعیب عالم کو دیکھا تو اس کا جی نہ چاہا کہ اس بھرے بھرے چہرے مہرے اور امنگوں سے بھرپور جوان کو اسی عمر میں موت کے منہ میں لے جائے۔ اس نے قدرے پس وپیش کی اور اسے خیال آیا کہ کاش وہ فائٹر پائلٹ ہوتا اور اکیلا اڑ جاتا۔ لیکن ایمان کی حرارت نے اسے بے چین کر دیا اور وہ بے قابو سا ہو کر شعیب عالم کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے پوچھا ـــ "میرے ساتھ اُڑو گے؟" ـــ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ شعیب انکار کر دیتا لیکن شمس نے اِسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کس جسمانی حالت میں پرواز کر رہا ہے۔ اُس نے شعیب عالم کو اپنے گُردے کی اذیت ناک تکلیف اور گزشتہ شب وروز کی کربناک حالت کی تفصیلات سُنا ڈالیں تاکہ شعیب عالم اس کے ساتھ جانے سے پہلے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لے۔ یہ زندگی اور موت کا نہیں صرف موت کا سوال تھا ـــ صرف موت، اپنے مقدس وطن کے لیے جان کا نذرانہ!

"سوچ لو شعیب عالم!" اس نے کہا۔ "اب بھی میرے ساتھ چلو گے؟"

"کیوں نہیں!" شعیب نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ اڑوں گا۔"

شعیب عالم انکار کیونکر کرتا۔ جواں سال شمس کے آہنی عزم اور سرفروشی کو دیکھتے ہوئے اس نے فخر محسوس کیا کہ جواں سال شمس جیسے بمبار ہواباز کے ساتھ پرواز کرنے کا پھر شاید موقع نہ ملے۔ شمس حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اسے توقع تھی کہ اس کی جسمانی حالت اور صحت کی ابتر کیفیت کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی نیوی گیٹر اس کے ساتھ پرواز کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی نیوی گیٹر انکار کر بھی دیتا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ موت سے ڈر گیا بلکہ سروس کے کچھ قواعد وضوابط

ہیں جن کے تحت شمس الدین کو ہوائی اڈے کے اپریشن روم میں نہیں بلکہ ہسپتال کے اپریشن ٹیبل پر ہونا چاہیے تھا لیکن پاک فضائیہ کے شاہبازوں کو اپنا نہیں اپنے وطن کا خیال تھا اور چھ ستمبر کی صبح یہی ایک خیال سب کے دل و دماغ میں سمایا ہوا تھا۔

شعیب عالم کی پُرعزم مسکراہٹ اور اس کے ایک جملے نے کہ "میں تمہارے ساتھ اڑوں گا" شمس الدین احمد پر سکون کی ایسی کیفیت طاری کر دی جیسے اس کے روگ کو اس کے جسم نے اپنے ہی اندر جذب کر کے ختم کر ڈالا ہو۔ علیل شمس اچھا بھلا فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد بمبار پائلٹ بن گیا۔ اپریشن روم کے باہر بلیک آؤٹ کی تاریکی تھی۔ کہیں ایک آدھ چراغ کی ٹمٹماتی لو بھی نظر نہ آتی تھی۔ فضا میں جنگ کی تپش تھی جسے چاند کی مدھم مدھم سی چاندنی ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

شمس اور شعیب پہلی جنگی پرواز پہ چلے گئے اور اس رات سے جنگ ختم ہونے تک دونو دلاور ساتھی ہر رات دشمن کے فوجی ٹھکانوں اور ہوائی اڈوں پر بمباری کے لیے جاتے رہے۔ انھیں مار گرانے کے لیے دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ان پر مسلسل فائرنگ کی لیکن وہ ٹریسر ایمونیشن کے جال اور طیارے کے اردگرد پھٹتے گولوں میں اڑتے، جھک جھک کر دشمن کی کمر توڑتے رہے۔ انھوں نے بمباری سے دشمن کے کئی اہم اڈوں اور ذخیروں کا صفایا کیا۔ ان کی جنگی پروازوں میں جو بات حیران کن تھی وہ یہ تھی کہ شمس اور شعیب نے شمس کی علالت کو صیغۂ راز میں رکھا۔ ورنہ اسے فوراً پرواز کے ناقابل Grounded کر دیا جاتا۔ معجزہ تو یہ ہوا (جو دراصل شمس الدین کی ایمانی قوتوں کا کرشمہ تھا) کہ جب وہ زمین پر ہوتا اسے گُردے کا شدید درد بے حال کر دیتا اور وہ اس جان لیوا روگ کو اپنے کمانڈنگ آفیسر سے چُھپائے چُھپائے پھرتا لیکن وہ جونہی طیارے میں بیٹھ کر حملے کے لیے روانہ ہونے لگتا تو اس کا درد یوں رفع ہو جاتا جیسے وہ کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا۔ اگر ڈاکٹر کسی بھی وقت شمس الدین احمد کا معائنہ کر بیٹھتا تو وہ رپورٹ لکھ دیتا کہ یہ ہوا باز اور اس کا نیوی گیٹر ہر رات خودکشی کی کوشش کرتے ہیں اور معلوم نہیں کہ یہ ہوا باز اس جسمانی حالت میں طیارے کو کس طرح یکسوئی سے سنبھالتا ہے۔

صرف ایک رات یہ کرشمہ جُل دے گیا۔ اس رات شمس اور شعیب اپنے بمبار بی - ۵۷ طیارے میں ہلواڑہ (لُدھیانہ) کے ہوائی اڈے پر بمباری کے لیے گئے۔ ان کا طیارہ ٹارگیٹ کے اوپر پہنچا تو نیچے سے طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں

نے فائرنگ شروع کر دی۔ شمس کے گردے سے درد کی ایسی ٹیس اُٹھی جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ آزمائش کا بھیانک لمحہ تھا۔ شمس تڑپ اٹھا ——— درد کی اذیت سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ درد کس وقت اُٹھا ——— وہ درد سے ادھ موا ہو گیا۔ دشمن کے زمینی توپچی فضا کے انچ انچ پر آگ اگل رہے تھے۔ طیارہ ان کی زد میں تھا۔ شمس کراہ رہا تھا۔ وہ کاک پٹ میں دہرا ہو گیا۔ اسے دشمن کے طیارہ شکن فائر کا ذرہ برابر ڈر نہیں تھا۔ وہ تاک کر بم گرانا چاہتا تھا۔ وہ اندھا دھند بم گرا کر بم ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا نہ بم واپس لے آنا اسے گوارا تھا۔ آزمائش کی ایسی نازک گھڑی وہ خدائے ذوالجلال کے حضور گڑگڑانے لگا اور اس نے کلام پاک کی آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کا وِرد کرنا شروع کر دیا۔

مقدس آیت کا وِرد کرتے ہوئے شمس الدین نے طیارے کو ہوائی اڈے کی طرف گھمایا اور بم گرانے کے لیے غوطے میں چلا گیا۔ دشمن کی گنوں نے پہلے سے زیادہ قیامت بپا کر دی لیکن پاکستان کا یہ شاہباز حشر کی اس فائرنگ میں خدائے بزرگ و برتر کے کلام کا وِرد کرتے یکسوئی سے آگے بڑھتا گیا۔ وہ تو جیسے جلتے تنور میں جا رہا تھا۔ طیارہ شکن توپوں کے جانے کتنے ہی گولے بیک وقت اس کے طیارے کے قریب آپھٹے۔ طیارہ ایسا بُری طرح جھنجھوڑا گیا جیسے شمس کے قابو سے نکل گیا ہو ——— شمس کا درد یکبارگی تھم گیا۔

وہ آیت کا وِرد کرتا رہا اور طیارے کو ٹارگیٹ کی سیدھ سے بھٹکنے نہ دیا۔ شمالی بھارت کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ اس کے سامنے سائے کی طرح بڑا ہوتا چلا گیا۔ زمینی توپچیوں کی نگاہیں اس کے طیارے پر تھیں اور اب انھوں نے 'ریپڈ' (تیز) فائرنگ شروع کر دی لیکن شمس کی نگاہ ٹارگیٹ پر تھی اور شعیب عالم اس کے پیچھے مکمل سکون سے بیٹھا خدا کو یاد کر رہا تھا۔ جب طیارہ بم گرانے کے مقام پر آیا تو شمس نے شعیب کو خبردار کیا اور نہایت اطمینان سے بٹن دبا دیا۔ طیارہ شدید جھٹکے سے اُوپر اُٹھا ——— ایک ایک ہزار پونڈ کے آٹھ بم اس کے طیارے سے نکل کر دشمن کے ہوائی اڈے کی طرف گرنے لگے۔ فضا میں بموں کی چیخیں سنائی دیں اور یہ قہر آلود چیخیں بھارتیوں کو لرزہ براندام کر کے اچانک ایسا دھماکہ بن گئیں جس سے بھارت کا یہ خطہ میلوں دُور تک کانپ اٹھا ——— ان میں سے ایک بم پٹرول کے بہت بڑے ذخیرے میں جا پھٹا۔ ایسا شعلہ اُٹھا جو شب کی تیرگی میں ساٹھ میل دُور سے بھی نظر آتا تھا۔ شعلہ اوپر ہی اوپر اُٹھنے لگا اور سیاہ کالا دھُواں بھارت پر چھانے لگا۔

دشمن کے تابوت میں ایک اور کیل ٹھونک کر شمس نے شعیب کو بتایا کہ وہ بم گرا چکا ہے۔ شعیب نے اسے واپسی کے راستے کا صحیح تعین کر دیا۔ حملہ کامیابی سے مکمل ہو گیا اور شمس پر فرض کا جو بوجھ تھا وہ اتر گیا تو گُردے کا درد لوٹ آیا۔ طیارے

کو سنبھالنا تو درکنار شمس کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن نظر آنے لگا لیکن اس نے طیارے کو اڈے پر صحیح سلامت اتار لیا۔
اس کا نیوی گیٹر سکواڈرن لیڈر شعیب عالم کہتا ہے ——— "شمس طیارے تک درد سے کراہتا ہوا آیا کرتا تھا لیکن طیارے میں بیٹھتے ہی وہ یکسر بدل جاتا تھا۔ درد کا احساس ہی ہٹ جاتا تھا۔ وہ نہایت اطمینان اور ٹھنڈے دل سے پرواز کرتا تھا اور نیچی پرواز سے دشمن کے ٹھکانوں اور ذخیروں پر صحیح نشانوں پر بم گراتا تھا۔ تمام حملوں میں اس نے ایک بار بھی غلط جگہ پر بم نہیں گرائے۔"

فائر بندی کے دوسرے روز شمس الدین ہسپتال میں داخل ہوا۔ اس کا اپریشن کیا گیا تو اسکے گردے میں سے اٹھائیس (۲۸) پتھریاں نکلیں۔ ان اٹھائیس پتھریوں کی اذیت کو وہ مسلسل سترہ روز اور سترہ راتیں کسی کو بتائے بغیر برداشت کرتا رہا۔ وہ اب شاید اُڑ نہ سکے گا لیکن مطمئن ہے کہ اس نے ملک و ملّت سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دیا ہے۔

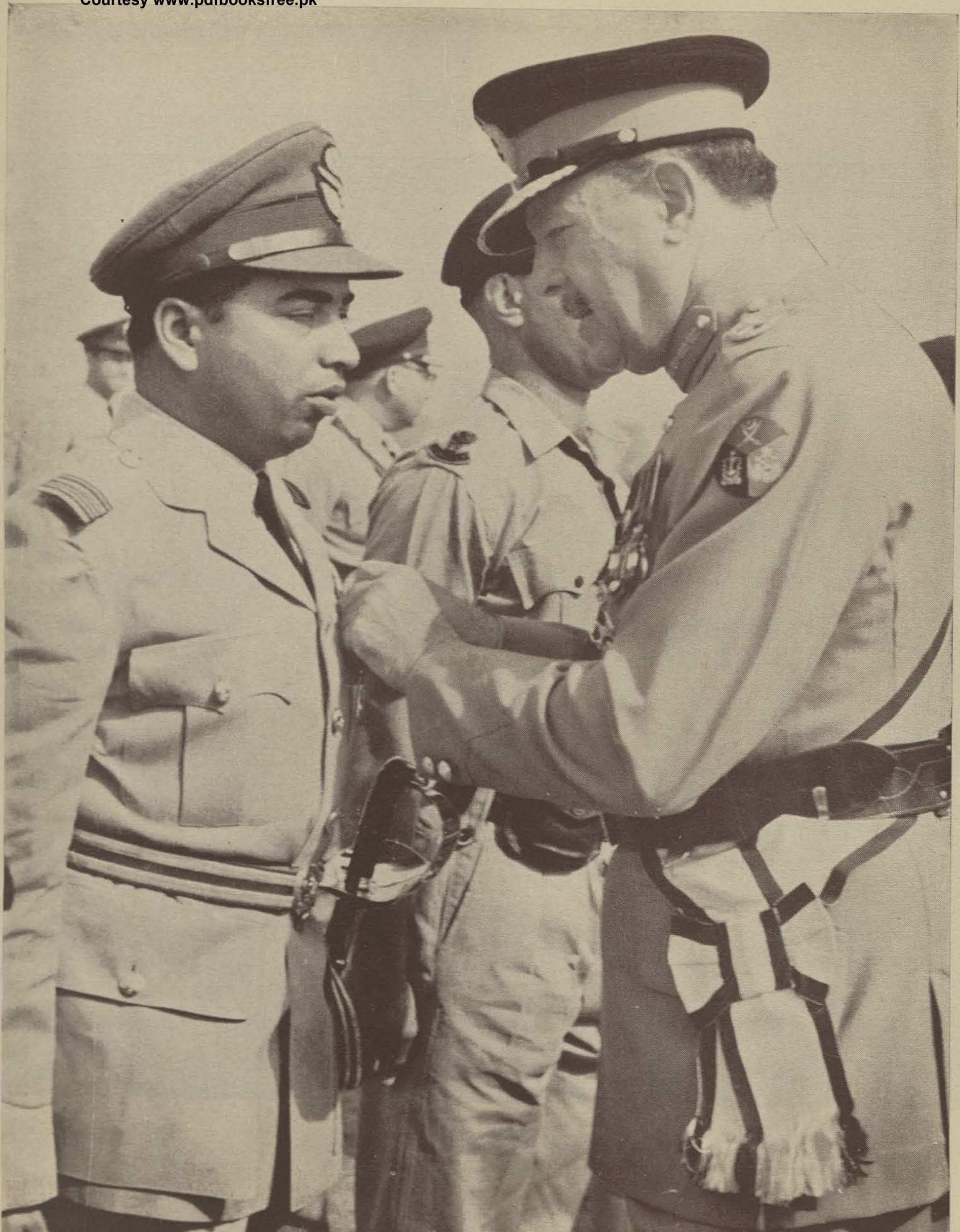
فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد

مدراس کے رہنے والے ہیں اور انھوں نے اب راولپنڈی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ ۱۹۵۷ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے۔ انھیں اس غیر معمولی شجاعت اور فرض شناسی کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری سند میں لکھا گیا:—

"فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد نے انبالہ، ہلواڑہ، آدم پور، پٹھانکوٹ، جام نگر اور جودھ پور کے ہوائی اڈوں پر بے شمار حملے کیے اور ہر بار کامیاب بمباری کی۔ اس کی بمباری ہمیشہ صحیح اور عین ٹھکانے پر رہی۔ دشمن کے بے تحاشا زمینی فائر کے مقابلے میں اس نے دشمن کو ہر بار شدید نقصان پہنچایا۔ یہ ہوا باز بمباری کے ہر مشن پر جانے کے لیے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کرتا تھا۔ انتہائی ناسازگار حالات میں اس کا پرسکون رہنا دوسروں کے لیے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے ساتھی ہوابازوں کے لیے بہادری، جانبازی اور عزم کی پختگی کی مثال قائم کر دی ہے۔"



فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد ۔ ستارۂ جرأت



صدرِ پاکستان، سکواڈرن لیڈر شعیب عالم کو ستارۂ جرأت لگا رہے ہیں

سکواڈرن لیڈر شعیب عالم

مسٹر محبوب عالم خان، تمغۂ قائد اعظم، پاکستان کے سابق ڈپٹی سروئیر جنرل کے بیٹے شعیب عالم شیلانگ (آسام) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اپنے آبائی شہر الہ آباد میں پائی۔ ۱۹۴۷ء میں ان کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان آ گیا اور مری آباد ہو گیا۔ ۱۹۵۴ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے۔

عمر اکتیس (۳۱) برس، کم گو، بذلہ سنج اور وسیع المطالعہ، فوجی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت عالم کے آٹھ بھائی افواج پاکستان میں ہیں۔ تین پاک فضائیہ میں، چار پاک فوج میں اور ایک پاک بحریہ میں۔ اُن کے ایک بھائی میجر شمیم عالم خاں کو بھی ستمبر کی جنگ میں غیر معمولی شجاعت کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا ہے، دوسرے بھائیوں میں سے ایک کو تمغۂ بسالت اور دو کو امتیازی سندیں ملیں۔ شعیب عالم کے کارناموں کا سرکاری تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> "سکواڈرن لیڈر شعیب عالم خان نے جنگ شروع ہوتے ہی پرواز کی ڈیوٹی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ سترہ حملوں میں شریک ہوا جن میں سے سولہ مکمل طور پر کامیاب رہے۔ تمام حملوں میں اس نے غیر معمولی فنی قابلیت کا مظاہرہ کیا اور نیوی گیٹر (راہنما) کی حیثیت سے دن یا رات طیارے کو صحیح راہ اور منزل پہ لے گیا اور واپس لے آیا۔ اُس نے جس اعتماد اور جرأت سے دشمن کے علاقے میں دشمن کے مضبوط ٹھکانوں تک طیاروں کی رہنمائی کی وہ دوسرے نیوی گیٹروں کے لیے مثال بن گئی۔ سکواڈرن لیڈر شعیب عالم کی ولولہ انگیز قیادت اور اعلیٰ ترین صلاحیت، بمباری کے حملوں کی کامیابی کا سبب بنی، جنگ کے دوران اس نے اپنی جان اور آرام کی پرواہ کیے بغیر شجاعت کے جو کارنامے سرانجام دیے، وہ پاک فضائیہ کی روایات کے عین مطابق ہیں۔"

مشکل در مشکل

"دشمن کا چمکتا ہوا نیٹ طیارہ پورے کا پورا میری گن سائیٹ (شست) میں آگیا اور میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میرا وار خالی نہیں گیا تھا لیکن اسی لمحے میرا اپنا طیارہ بڑی زور سے لرزا۔ میں نے پیچھے کا منظر دیکھا —— کیا منظر تھا! —— دشمن کے دو نیٹ طیارے کوئی ڈیڑھ ہزار فٹ دور میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ آواز کی رفتار سے تیز یہ طیارے تیزی سے میرے عقب میں اڑتے آرہے تھے اور ایک کی مشین گنیں میرے طیارے پر گولیاں برسا رہی تھیں ......" یہ ہے فلائٹ لفٹننٹ یوسف علی خان جو چھمب کے آسمان پر سپرسانک نیٹ طیاروں میں گھر گیا تھا۔

چھمب کی وادی جنگ گزیدہ تھی۔ پیڑ پودوں سے بھی خون رس رہا تھا لیکن فضا کی بلندی سے وادی کا حسن اب بھی جنگ سے پہلے جیسا نظر آرہا تھا۔ صبح کے سورج نے فضا کو اور زیادہ نکھار دیا تھا۔ حاجی پیر اور کارگل کی چوکیوں پر بھارت کے جارحانہ قبضے کے جواب میں پاک فوج اور آزاد کشمیر کی فوج نے جو دفاعی حملہ کیا تھا۔ اُسے آج تیسرا دن تھا۔ دشمن کی سپاہ پسپا ہو رہی تھیں اور پاک فوج کے دستے برق رفتاری سے جوڑیاں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دشمن نے اپنا ہوائی بیڑہ بھی جنگ میں جھونک دیا تھا۔ لیکن انڈین ایئر فورس کے ہواباز اور جدید لڑاکا بمبار طیارے پاک فوج اور آزاد کشمیر فوج کی پیش قدمی کو نہ روک سکے نہ پسپا ہوتی بھارتی سینا کے قدم جما سکے۔ بھارتی سینا کو تو سیمنٹ اور لوہے کے مضبوط بنکر بھی پناہ نہ دے سکے تھے۔ پاک فضائیہ بھی اپنے فاتح دستوں کو فضائی "کور" دینے کے لیے حرکت میں آگئی تھی جس سے پاک فوج کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔

پاک فضائیہ کا لڑاکا ہوا باز فلائٹ لفٹننٹ یوسف علی خان چھمب سیکٹر میں گشتی پرواز کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑاکا طیارہ تھا جس کا ہوا باز فلائنگ آفیسر خالق تھا۔ وہ دونو پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر اپنی برّی فوج کی حفاظت کے لیے نصف گھنٹے سے اڑ رہے تھے۔ پاک فوج کے فاتح مجاہدوں کے سر پر خدا کا ہاتھ تھا اور انھیں صرف خدائے ذوالجلال پر بھروسہ تھا۔ پھر بھی سروں پر اپنی فضائیہ کے طیارے اڑتے دیکھ کر سپاہیوں پر نفسیاتی سا اثر ہوتا ہے جوان کے جوش و خروش اور جذبے میں نئی رُوح پھونک دیتا ہے اور وہ دشمن کے طیاروں سے بے خوف ہو کر جم کر لڑتے ہیں۔ وہ منظر بڑا ہی پیارا اور جذباتی سا ہوتا ہے جب فضائیہ اپنی برّی فوج کے سر پہ اپنے پروں کا سایہ کیے ہوتی ہے جیسے دشمن کے خلاف بھائی بھائی کی مدد کو آن پہنچا ہو۔ پاک فضائیہ کے شاہباز اسی جذبے سے دیوانے ہو کر پاک فوج کی مدد کو جایا کرتے تھے۔

ایسے ہی جذبات اور احساسات سے سرشار فلائٹ لفٹننٹ یوسف اور فلائنگ آفیسر خالق اپنی فوج کے سر پر اڑ رہے تھے۔ نصف گھنٹے سے انھیں دشمن کا کوئی طیارہ نظر نہ آیا تھا۔ اچانک یوسف کے وائرلیس پر خالق کی آواز گونجی ——— "لیڈر! چار طیارے۔ دائیں طرف۔ ایک میل دور اِس طرف مُڑ رہے ہیں۔"

یوسف نے دیکھا۔ دُور چار دھبے سے ان کی طرف مڑ کر جھپٹنے میں آرہے تھے۔ قریب آئے تو دیکھا کہ یہ دشمن کے چار نیٹ طیارے تھے۔ یوسف جھڑپ لینے کے لیے تیار ہو گیا اور اس نے خالق کو تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ اس نے اپنی کاک پٹ میں ہاتھ کو ذرا سی جنبش دی تو اس کے طیارے کی فالتو تیل کی ٹینکیاں دشمن کی فضا میں لڑھک گئیں۔ دشمن قریب آچکا تھا۔ وہ چار تھے۔ یہ دو تھے۔ یوسف نے ٹینکیاں پھینکتے ہی طیارہ ایک طرف گھمایا اور تیزی سے ایک دو پینترے بدل کر ایک نیٹ طیارے کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے نیٹ کو شِست میں لینا شروع کیا تو وہ ایک لمحے میں اس کی شِست میں آگیا۔ یوسف دشمن کو کامیابی سے زد میں لینے کے لیے طیارہ اس کے قریب کر رہا تھا کہ خالق کی آواز نے اسے چونکا دیا ——— "لیڈر! میری ٹینکیاں گرتی نہیں" ——— کسی خرابی کی وجہ سے خالق کی ٹینکیاں طیارے سے الگ نہیں ہو رہی تھیں۔

یوسف چونک تو گیا لیکن اس نے دشمن کے طیارے کو گن سائٹ سے نکلنے نہ دیا حالانکہ اتنی دیر دشمن کو شِست میں رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ شِست میں نظریں جمائے اس نے خالق کو جواب دیا ——— "پرواہ نہیں۔ میرے ساتھ رہنا۔"

یوسف کو خوب احساس تھا کہ اس کا ساتھی کس مشکل میں پھنس گیا ہے اسی لیے وہ اسے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اُسے اپنی عقبی حفاظت کے لیے خالق کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔

خالق اس کے عقب میں رہا لیکن یوسف نے نیٹ کے تعاقب میں رفتار انتہائی کر لی تھی۔ خالق کا طیارہ ٹینکیوں کے فالتو وزن کی وجہ سے یوسف کا ساتھ نہ دے سکا اور بہت پیچھے رہ گیا۔ یوسف دشمن کے چار نیٹ ایسے تیز اور برتر طیاروں سے لڑنے کے لیے اکیلا رہ گیا۔ جس طیارے کو اس نے زد میں لے رکھا تھا اس کے ہواباز نے اُسے اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے کئی بار اپنے طیارے کو تیزی سے دائیں بائیں کیا اور ہر داؤ کھیلا لیکن پاکستانی شاہباز اس کے لیے پیغام اجل بنا اُس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا۔ یوسف اس کے اور زیادہ قریب ہو گیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ نشانہ چوک جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ عین اس وقت اس کا اپنا طیارہ دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ سے لرز گیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ دو نیٹ طیارے اس کے تعاقب میں تھے اور ایک اس پر فائر کر رہا تھا جس کی بوچھاڑ یوسف کے طیارے میں لگی لیکن گولیاں ایسی جگہ لگیں کہ سُوراخ کرتی گزر گئیں اور طیارے میں پھٹ نہ سکیں۔

نیٹ طیارے بہت تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے۔ یُوسف نے ان کی زد سے نکلنے کے لیے اپنے طیارے کو پیچھے کی طرف قلابازی لگا دی۔ اُس کا طیارہ پلک جھپکتے اوپر اٹھا اور اُلٹا ہو کر پیچھے آیا۔ یہ پینترا اس نے اس قدر اچانک اور اس قدر تیزی سے بدلا کہ خون اس کی آنکھوں میں چڑھ آیا اور آنکھوں کے سامنے گُپ اندھیرا چھا گیا۔ ایسا تیز پینترا دل گردے والے ہواباز ہی بدل سکتے ہیں۔

اس کا یہ داؤ کامیاب تھا۔ وہ تو اُلٹا ہو کر پیچھے آیا اور دشمن کے ہواباز جو اس کے تعاقب میں تھے، اس کے نیچے سے آگے نکل گئے۔ ان میں اتنا دَم خم نہیں تھا کہ یوسف کی طرح اس قدر پھرتی سے طیاروں کو اُلٹا کر سکتے۔ یوسف یہی چاہتا تھا کہ دشمن آگے نکل جائے۔ اس نے سر کو جھٹکا دیا۔ آنکھوں کا اندھیرا چھٹ گیا اور اس نے طیارہ سیدھا کر کے دشمن پر غوطہ مار دیا۔ اس نے اپنے سامنے لگے ہوئے شیشے Rearview mirror میں دیکھا اس کے پیچھے دشمن کا اور کوئی طیارہ نہ تھا لیکن اسے جو منظر نظر آیا وہ اسے پریشان کرنے کو کافی تھا۔ اس کے طیارے کی دُم کا پَر Elevator جس سے طیارہ غوطے میں ڈالا اور اٹھایا جاتا ہے، ایک طرف سے تار تار ہو گیا تھا۔ لیکن یوسف نے ہوش ٹھکانے رکھے اور دشمن پر جھپٹنے کے لیے بڑھتا گیا حالانکہ اُسے فوراً واپس آ جانا چاہیئے تھا کیونکہ طیارے کے اس نقص کے ساتھ لڑنا تو دُور کی بات ہے اس کا صرف اڑنا بھی پُرخطر تھا۔

ذرا ہی دیر بعد فضائی معرکے کی صورت یہ ہو گئی کہ چھ طیارے (چار بھارتی اور دو پاکستانی) گول دائرے میں ایک دوسرے

پر جھپٹنے کی کوشش کر رہے تھے اور فضا ان کی فائرنگ سے لرز رہی تھی۔ دشمن نے یوسف کے طیارے کا نقصان دیکھ لیا تھا۔ وہ اب اس کے مجروح طیارے کو گرانے کی کوشش میں تھے۔ وہ بھی آخر ہوا باز تھے اور جانتے تھے کہ اب یوسف اس طیارے کے ساتھ کوئی ٹیڑھا ترچھا پینترا نہ بدل سکے گا لیکن یوسف ان کے ہر وار کو بیکار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اُسے خالق کی فکر بھی تھی۔ اُسے یاد تھا کہ خالق کی ٹینکیاں گری نہیں تھیں جس کی وجہ سے وہ شدید خطرے میں تھا۔ اُس نے بائیں طرف دیکھا تو چونک اٹھا اسے ایک نیٹ طیارہ خالق کے بالکل پیچھے کوئی دو ہزار فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔ نیٹ کی اڑان سے پتہ چلتا تھا کہ اُس نے خالق کو شست میں لے لیا ہے اور خالق کو علم نہیں۔ یوسف وائرلیس پہ چلّایا ——— "دائیں کو ہو جاؤ" ——— خالق نے ایک جھٹکے سے طیارے کو دائیں کو موڑ دیا اور بھارتی طیارہ آگے نکل گیا۔

یہ تھی پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کی بنیادی خوبی ——— وہ دو تھے اور دشمن چار لیکن گھمسان کے اس معرکے میں بھی وہ ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

طیارے لڑتے لڑتے زمین سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی تک آگئے اور یہ بلندی بھی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اچانک دشمن کے ہوا باز منہ موڑ گئے اور معرکے سے دست بردار ہو کر اپنے ملک کا رُخ کر لیا۔ خالق کے طیارے کا تیل ختم ہو رہا تھا۔ اُس نے یوسف کو اطلاع دی اور اپنے اڈے کی طرف ہو لیا لیکن یوسف اپنے مجروح طیارے سے ہی بھاگتے دشمن کے تعاقب میں چلا گیا ——— ایک بُری طرح مجروح طیارہ چار اچھے بھلے طیاروں کے تعاقب میں جا رہا تھا ——— یوسف نے تھراٹل کو پورا کھول دیا لیکن اس کا طیارہ ایسا گہرا زخم کھا چکا تھا کہ اس قدر تیز رفتار پہ تھرتھرانے لگا۔ یوسف کو تعاقب ممکن نظر نہ آیا اور اُس نے بادلِ نخواستہ واپسی کا رُخ کر لیا۔

اتنے میں پاک فضائیہ کا ایک سٹار فائٹر F-104 اُدھر آنکلا۔ اس کے ہوا باز نے دشمن کے طیاروں کو بھاگتے اور یوسف کو تعاقب سے مجبور لوٹتے دیکھ لیا۔ اُس نے طیارہ گھمایا اور دشمن کے تعاقب میں جھپٹ پڑا۔ تھوڑی دُور اس نے چاروں بھارتیوں کو جا لیا۔ ان میں کھلبلی مچ گئی اور سب فضا میں ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح بکھر گئے۔ ایک ہوا باز اس قدر بوکھلا گیا کہ اپنے اڈے کا راستہ ہی بھول گیا اور پسرور کے قریب آ اترا۔ وہ کوئی عام ہوا باز نہیں بلکہ انڈین ایئر فورس کے ایک فائٹر سکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر، سکواڈرن لیڈر برج پال سنگھ سکند تھا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس کا اچھا بھلا نیٹ طیارہ اب پاک فضائیہ کے پاس جنگی یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

یوسف کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اُس کے طیارے نے کتنی چوٹیں کھائی ہیں۔ واپسی کے وقت اُس نے اپنے آلات وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس کا ہائیڈرالک پریشر بالکل ختم ہو چکا تھا جس سے زمین پر اُترنے کا سارا سسٹم بیکار ہو گیا تھا۔ اُس نے بریکوں کا لیور ہلایا جلایا تو متعلقہ میٹر کی سوئیاں صفر پر جمی رہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ زمین پر اتر بھی گیا تو بریکیں کام نہیں کریں گی۔ پیچھے سے دُم کا ایک پَر Elevator جو طیارے کے کنٹرول کا انتہائی اہم حصہ ہوتا ہے تار تار ہو چکا تھا۔ اس نے وائرلیس پر اپنے اڈے سے بات کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ وائرلیس کا سسٹم بھی بیکار ہو چکا ہے۔ اُس نے دوسرے چینل آزمائے، لیکن اس کا وائرلیس چُپ رہا۔

یوسف طیارے کو اڈے کے اوپر لے آیا۔ پرواز کے وقت طیارے کے پہیے پروں کے ساتھ لگ کر بند ہو جاتے ہیں۔ یوسف نے طیارہ اتارنے کے لیے پہیے کھولنے والا لیور کھینچا تو اسے پتہ چلا کہ بائیں طرف والا پہیہ ٹھیک طرح نہیں اترا۔ اُس نے ایمرجنسی سسٹم سے پہیے کھولنے کی کوشش کی لیکن یہ سسٹم بھی ناکام رہا۔ یوسف نے پہلی بار گھبراہٹ محسوس کی ورنہ وہ چار طیاروں سے جھڑپ لیتے وقت بھی پُرسکون رہا تھا۔ اس جھڑپ سے تو وہ سرخرو ہو آیا تھا لیکن طیارے کو اتارتے وقت مہیب خطرہ نظر آنے لگا۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ وہ 'کریش لینڈنگ' کرتا جس سے وہ خود تو بچ جاتا لیکن طیارہ ہمیشہ کے لیے یا خاصے طویل عرصہ کے لیے بیکار ہو جاتا۔ یوسف کو گوارا نہ تھا کہ جس طیارے نے اس سے اتنی وفا کی تھی اسے اتنی بے دردی سے زمین پر پٹخ دیتا۔ وہ پاک فضائیہ کو ایک طیارے سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وائرلیس بیکار ہو جانے سے وہ کنٹرول ٹاور کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ وہ مشکل میں ہے۔ اس نے دیکھا، تیل بھی ختم ہو رہا تھا یعنی طیارہ ہوا میں زیادہ دیر رہنے کے قابل نہیں تھا۔

یوسف طیارے کو تین سو فٹ کی بلندی پر لا کر 'رن وے' کے اوپر سے گزرا اور پَر ہلائے جو اشارہ ہوتا ہے کہ میرا وائرلیس کام نہیں کر رہا اور طیارے میں شدید نقص ہے۔ زمین پر آگ بجھانے والا انجن، ایمبولینس اور دو تین گاڑیاں سٹارٹ ہو گئیں تاکہ طیارہ اترتے وقت اگر آگ پکڑ لے تو ہواباز کو فوراً نکالا جا سکے۔

ایک ہی سہارا تھا جو اُسے زمین پر محفوظ اتار سکتا تھا ـــــ خدائے ذوالجلال ـــــ یوسف نے دل ہی دل میں خدا کو پکارا اور طیارے کو گھما کر 'رن وے' کی سیدھ میں لے آیا۔ ہونٹوں پر خدا کا نام تھا اور وہ طیارے کو 'رن وے' پر لا رہا تھا بلندی جچی تلی لینڈنگ کے مطابق کم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر طیارہ زمین کو چھونے لگا۔ پہیے 'رن وے' پر لگے تو یوسف کو دھچکہ لگا۔ اسے توقع تھی کہ طیارہ شاید پیٹ کے بل بیٹھ جائے گا اور جانے کہاں جا رُکے گا۔ لیکن خدا نے طیارے کو تھام لیا۔ اور

طیارہ اچھی بھلی لینڈ نگ کر کے پہیوں پر بھاگنے لگا۔ اُس نے انجن بند کر دیا۔ بریکیں بیکار تھیں طیارہ آگے جا کر رُک گیا ـــــ یہ ایک معجزہ تھا۔

اس طیارے کو گراؤنڈ کریو نے دیکھا، ٹیکنیکل افسروں نے دیکھا، ماہرین نے بھی دیکھا اور سب انگشت بدنداں کہ یہ طیارہ اڑتا کیسے رہا؟ سب نے یوسف کے منہ کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر واپس چلے گئے۔ وہ آج بھی حیران ہیں کہ یوسف اس طیارے کو اڑاتا کیسے رہا، پھر اسے اتار کیسے لیا؟ لیکن یوسف حیران نہیں۔ کہتا ہے ـــــ "یہ عزم اور یقین کا کرشمہ ہے"۔

گراؤنڈ کرائیو نے اس طیارے کو زیادہ دیر تک زمین پر بیکار نہ پڑا رہنے دیا۔ انھوں نے دن رات محنت کر کے اسے دشمن کے خلاف لڑنے کے قابل بنا دیا اور یوسف نے اسی طیارے سے دس میل دُور، امرتسر کے قریب ایک فضائی معرکے میں بھارت کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا۔ یہ ۱۲ ستمبر کا معرکہ ہے۔ یوسف دشمن کے اس عُلاقے میں چار طیاروں کی قیادت کر رہا تھا۔ انھیں روکنے کے لیے انڈین ائیر فورس کے نیٹ طیاروں کا غول سامنے آ گیا۔

یوسف نے اپنے ہوابازوں کو تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ سب کے طیاروں سے ٹینکیاں الگ ہو گئیں لیکن یوسف کی اپنی صرف ایک ہی ٹینکی گری، دوسری طیارے سے الگ نہ ہوئی۔ یا تو دونو گرتیں یا ایک بھی نہ گرتی کیونکہ ایک طرف وزن زیادہ ہو جانے سے طیارے کی اڑان اور کنٹرول میں پُرخطر فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس خطرے کو نظر انداز کر کے یوسف دشمن کے طیاروں کے پیچھے ہونے کے لیے جھپٹ پڑا۔

اُس کے دوسرے ہواباز بھی دشمن سے الجھ پڑے۔ یوسف نے ایک نیٹ طیارے کو آگے لگا لیا۔ یہ بھارتی ہواباز فضائی معرکوں کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے یوسف کو اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے اُستادانہ پینترے بدلے۔ وہ کئی بار غیر متوقعہ پھرتی سے دائیں کو مڑا، بائیں کو ہوا، گھوم گھوم کر پیچھے آیا لیکن یوسف نے اس کا کوئی داؤ نہ چلنے دیا حالانکہ اس کے طیارے کو ایک طرف کی تیل کی فالتو ٹینکی پریشان کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ نیٹ اس کے سیبر طیارے سے تیز اور پھرتیلا تھا تاہم یوسف نے سیبر کو سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح قابو میں رکھا اور نیٹ کو اس نے زد سے نکلنے نہ دیا۔ پھر فوراً ہی اسے گن سائٹ میں لے لیا۔

دوسرے لمحے اس نے اپنی گنوں سے مختصر سا برسٹ (بوچھاڑ) فائر کر دیا جو سیدھا نیٹ میں جا لگا۔ نیٹ دُھواں اگلنے لگا لیکن یوسف نے اسے جلدی ختم کرنے کے لیے دوسرا برسٹ فائر کر دیا۔ اب کے اس کے ٹکارسے دُھوئیں کے

ساتھ شعلے بھی نکلے اور انڈین ائیر فورس کا نیٹ اپنے ہواباز کو ساتھ لیے ناک کے بل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد زمین پر ایک دھماکہ ہوا۔ نیٹ اور اس کے ہواباز کے پرخچے دھرتی ماتا پر بکھر گئے۔

دشمن کی بکتر بند قوت کو پہلی ضرب لگانے کا اعزاز بھی فلائٹ لفٹننٹ یوسف کو ہی حاصل ہے۔ یہ ۲، ستمبر کی صبح کا معرکہ ہے۔ سحر کی تیرگی چھٹ رہی تھی۔ یوسف کا طیارہ اپنے اڈے سے غراتا ہوا اڑا۔ یوسف دشمن کی برّی فوج پر حملہ کرنے جارہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی فارمیشن کے دو اور طیارے (فلائٹ لفٹننٹ جیلانی اور فلائنگ آفیسر خالق) تھے۔ تینوں نے جوڑیاں سیکٹر کا رُخ کر لیا۔

اس جنگی مہم کی تفصیلات یوسف کی زبانی سنیئے ـــــــ "جب ہم جوڑیاں کے اوپر پہنچے تو میں نے اپنے ہوابازوں سے کہا ـــــ 'گنوں کے سوئچ وغیرہ چیک کر لو' ـــــ ہم دشمن کی برّی فوج پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انڈین آرمی جوڑیاں کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اُس کا توپخانہ حشر بپا کیے ہوئے تھا۔ ہم ان توپوں کو خاموش کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے نیچی پرواز کی، بہت چکر کاٹے، لیکن توپیں ڈھکی چھپی تھیں، نظر نہ آئیں۔ ہم ذرا آگے نکل گئے تو ہمیں اکھنور سے آنے والی سڑک نظر آئی۔ غور سے دیکھا تو مجھے سڑک پر چند سیاہ دھبّے سے چلتے نظر آئے۔ ان کے پیچھے گرد اُٹھ رہی تھی۔ میں اپنے طیاروں کی فارمیشن کو کم بلندی پر لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھارت کے ٹینک تھے اور وہ دو چار نہیں بلکہ پورے چوبیس (۲۴) تھے۔ وہ پاک فوج کے خلاف لڑنے جارہے تھے.....

"ایسے خوبصورت ٹارگیٹ (ہدف) کو دیکھ کر میں بھارتی توپخانے کو تو بھول ہی گیا۔ میں نے اپنے ہوابازوں کو دشمن کے ٹینک دکھائے اور انھیں حملے کے لیے اوپر اُٹھنے کو کہا۔ ہم تینوں زنّاٹے سے اوپر اُٹھے اور سب سے پہلے میں خود حملے کے لیے غوطے میں گیا۔ دشمن کی بکتر بند قوت کو دیکھ کر طبیعت میں عجیب سا جنون آ گیا۔ میں نے چوبیس ٹینکوں کی متحرک قطار میں سب سے اگلے کو نشانے میں لیا۔ میرا طیارہ کمال وفاداری سے میرے قابو میں تھا اور فضا کو تیر کی طرح چیرتا بھارتی ٹینک کے اوپر جارہا تھا۔ میں نے گن سائٹ کو ٹھکانے پر لا کر راکٹوں کا بٹن دبا دیا۔ مجھے اپنے پروں تلے سے راکٹ نکلنے کی مانوس آواز سنائی دی، سات راکٹ نکلے اور میں نے طیارہ اوپر کھینچ لیا۔ طیارہ سیدھا اوپر اٹھا اور میں نے اسے دوسرے جھپٹے کے لیے گھمایا...

"اتنی دیر میں میرے ساتھی ہواباز ایک ایک ٹینک پر راکٹ فائر کر چکے تھے۔ ذرا سی دیر میں چار ٹینکوں سے دھوئیں کے سیاہ بادل اُٹھ رہے تھے اور باقی ٹینک بکھر کر درختوں تلے پناہ لینے بھاگے جارہے تھے۔ ہم نے بھی بکھر کر ایک ایک

کو نشانہ بنایا اور ان کے چھپ جانے تک چھ ٹینک تباہ کر دیے۔ اوپر سے اب وہ درختوں تلے نظر نہ آتے تھے۔ وہاں درخت اس قدر زیادہ ہیں کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ ٹینک کون کون سے درخت کے نیچے ہیں۔ راکٹ ضائع کرنے والی بات تھی۔۔۔۔

"واپس آنے کی بجائے ہم اوپر اڑتے رہے اور ٹینک یوں درختوں تلے دبکے رہے جس طرح مرغی کے بچے چیل کو دیکھ کر کونوں کھدروں میں دبک جاتے ہیں۔ ہم دشمن کے کسی اور تارگیٹ کو ڈھونڈنے لگے۔ ذرا پرے ہمیں ایک تباہ شدہ مکان کے ساتھ کوئی چالیس کے لگ بھگ فوجی گاڑیاں کھڑی نظر آگئیں۔ میں نے فائرنگ سوئچ راکٹوں سے گنوں پر کرلیا اور تیس درجے کے زاویے کے غوطے میں چلا گیا۔ گاڑیاں میری گن سائٹ میں بڑی ہوتی چلی گئیں۔ گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بھارتی فوجی گاڑیوں سے کود کود کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میری چھ گنوں نے بیک وقت فائرنگ کی تو میرا طیارہ لرز اٹھا۔ میں پہلی گاڑی پر بوچھاڑ مار کر دوسری گاڑی پر پھر تیسری پھر اگلی اور اس سے اگلی کو نشانہ بناتا چلا گیا اور بوچھاڑیں فائر کرتا رہا۔۔۔۔۔

"گاڑی پہ گاڑی جلتی چلی گئی اور میں دشمن کی تباہی میں ایسا محو ہوا کہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میرا طیارہ غوطے میں ہے اور میں انتہائی رفتار سے زمین پر جا رہا ہوں۔ اچانک مجھے، طیارے کے بالکل سامنے دیوار نظر آئی جو گولی کی رفتار سے میری طرف اڑی آرہی تھی۔ میں نے گھبرا کر پوری قوت سے طیارے کو اوپر کھینچا اور میں آج بھی سوچ رہا ہوں کہ طیارہ دیوار سے ٹکرا کیوں نہ گیا۔ کوئی کسر رہ تو نہیں گئی تھی۔۔۔۔۔

"دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ہم پر فائر کھول دیا۔ اس دوران میرے ساتھی گاڑیوں پر ایک ایک جھپٹا مار چکے تھے۔ ہم سب نے پانچ پانچ حملے کیے اور تمام گاڑیوں کو بھسم کر دیا۔ دشمن کے توپچی ہم پر بوچھاڑ پہ بوچھاڑ، گولے پہ گولہ فائر کرتے رہے اور ہم پورے اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہے۔"

فلائٹ لفٹننٹ یوسف علی خان

حیدر آباد دکن کے رہنے والے ہیں۔ ان کا بڑا بھائی ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد پر بھارتی حملے کے خلاف رضا کارانہ لڑا۔ یوسف کا خاندان ۱۹۵۰ء میں حیدر آباد سے ہجرت کر کے پاکستان آیا۔ اسی سال کراچی میں پاک فضائیہ کی ایک نمائش منعقد ہوئی جس

میں یوسف نے ہوابازوں کے فضائی کرتب دیکھے۔ ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ پاک فضائیہ کا ہواباز بننے کے لیے دیوانہ ہونے لگے۔ ان کا خواب ۱۹۵۳ء میں پورا ہوا۔ ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں انھوں نے بھارتی جارحیت کے خلاف شاہبازی اور حب الوطنی کے بے مثال کارنامے کر دکھائے۔ انھوں نے دشمن کے بہت سے ٹینک اور دوسری گاڑیاں تباہ کیں۔ ان کے مزاج میں مزاح کا عنصر زیادہ ہے۔

غیر معمولی شجاعت کے صلے میں یوسف کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری طور پر سند میں تحریر کیا گیا:

"فلائٹ لفٹننٹ یوسف علی خاں چھمب سیکٹر میں دشمن کے مورچوں پر ایک اور ہواباز کے ساتھ حملہ کرنے گیا۔ دشمن کے چار نیٹ طیاروں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے بائیں طرف کے اُیلیویٹر کو تباہ کر دیا لیکن وہ لڑتا رہا اور دشمن کو بھگا دیا۔ اس نے پُرخطر اور نامساعد حالات میں جرأت اور عزم صمیم کا غیر معمولی مظاہرہ کیا اور اس قدر تباہ شدہ طیارے کو اڈے پر واپس لے آیا۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو جب وہ چار طیاروں کی فارمیشن کی قیادت کر رہا تھا، اُس نے دشمن کا ایک نیٹ طیارہ فضا سے مار گرایا۔"

مشرقی پاکستان —— نوالۂ تر نہ تھا

پاک فضائیہ نے سترہ روزہ جنگ کے دوران فرض شناسی، حریت، جذبۂ شہادت اور شاہبازی کی جن ان گنت داستانوں کو جنم دیا ہے وہ ایک سے ایک بڑھ کر ولولہ انگیز اور ناقابل فراموش ہیں لیکن پاک فضائیہ کے وہ مٹھی بھر ہواباز جو مشرقی پاکستان کے دفاع کے لیے وہاں موجود تھے انھوں نے فرض شناسی اور جرأت مندی کے وہ جوہر دکھائے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مقدس روایت بن گئے ہیں۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کو ایک ہی ضرب سے تہہ تیغ کرنے کے لیے مغربی بنگال اور آسام میں اس قدر ایر فورس جمع کر رکھی تھی جس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں ہمارے ہوابازوں اور طیاروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، جنگ کے مبصر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاکستان کے یہ معدودے چند ہواباز مشرقی پاکستان کو انڈین ایر فورس سے کیسے بچا سکیں گے۔ بھارت کی جنگ پسند نگاہ میں مشرقی پاکستان تر نوالہ تھا لیکن پہلے ہی ہوائی حملے میں یہ تر نوالہ بھارتی حکمرانوں کے حلق میں ہڈی بن کر اٹک گیا —— پاک فضائیہ کے اِن معدودے چند ہوابازوں نے انڈین ایر فورس کے ناکام ہوائی حملے کے جواب میں ایسا جوابی حملہ کیا کہ انھیں Tail choppers "دُم تراش" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

مغربی پاکستان پر اعلانِ جنگ کے بغیر حملہ کرنے کے دوسرے روز بھارت نے جارحانہ سرگرمیوں کو مشرقی پاکستان تک پھیلا دیا۔ مغربی پاکستان کو تو بھارت کے حکمران چند دنوں میں فتح کر لینے کے خواب دیکھ چکے تھے لیکن مشرقی پاکستان کو وہ ایک تھپّڑ کی مار سمجھتے تھے۔ ان کے اسی زعم نے اپنی انڈین ائیر فورس کے ہوابازوں کے ہجوم کو پاک فضائیہ کے چند ایک ہوابازوں سے اس قدر ذلیل کرایا کہ وہ دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور نہ انڈین ائیر فورس کو دوبارہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کی

جرأت ہوئی۔ اگر بھارت کے جنگ پسند حکمرانوں نے جنگ کے نقشے پر مشرقی پاکستان پر لکیر پھیر دی تھی تو چنداں حیران کن نہ تھا۔

۷ ستمبر کی صبح جب مغربی پاکستان کی سرحدوں پر پاک فوج اور فضائیہ جنرل چوہدری کی سکیم کے پرخچے اڑا رہی تھی' انڈین ایرفورس کے بمبار اور لڑاکا طیاروں نے مغربی بنگال سے اُڑ کر ڈھاکہ اور چاٹگام کے فضائی اڈوں پر حملہ کر دیا۔ گو بھارتی ہوابازوں کا کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں تھا۔ لیکن اس قدر ناکام حملہ انڈین ایرفورس کے ریکارڈ میں شاید کم ہی ملے گا۔ وہ مشرقی پاکستان کی سرحدوں میں گونج گرج سے داخل ہوئے اور ڈھاکہ اور چاٹگام کے اڈوں پر پاک فضائیہ کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگے۔ لیکن انھیں یا تو کوئی طیارہ نظر نہ آیا یا شاید انھیں جانیں بچا کر جلد از جلد بھاگ جانے کی زیادہ فکر تھی کہ وہ اوٹ پٹانگ سی بمباری کر کے چلے گئے لیکن ان کی ناکامی اور شکست اسی پر ختم نہ ہوئی، پاک فضائیہ کے جو مٹھی بھر ہواباز وہاں موجود تھے، انھوں نے پاکستانی روایات کے مطابق چیلنج قبول کر لیا اور انھوں نے قرونِ وسطیٰ کے ایک مسلمان ہیرو بختیار خلجی کی یاد تازہ کر دی جس نے محض اٹھارہ آدمیوں کی "فوج" سے بنگال کی ہندو ریاست کو فتح کر لیا تھا۔

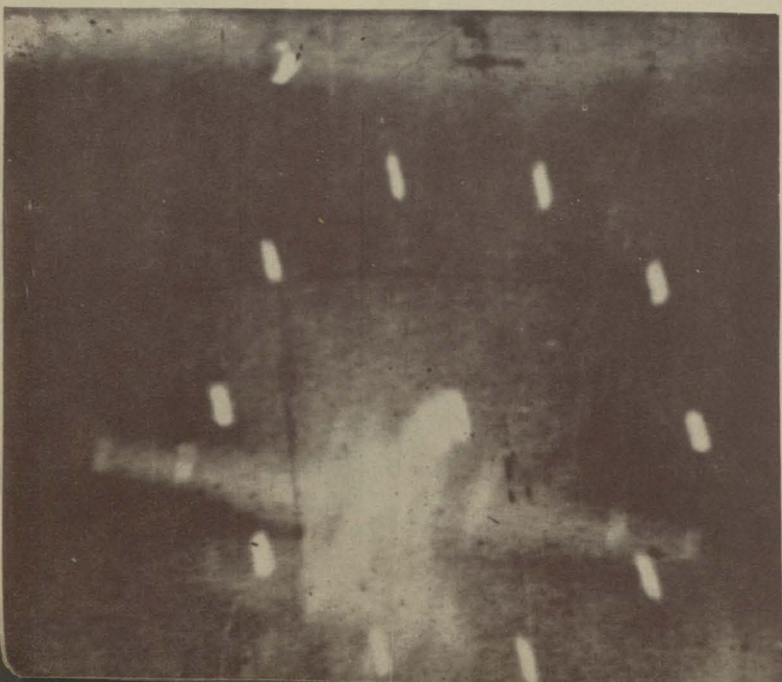
انڈین ایرفورس نے مشرقی پاکستان کی تباہی کے لیے مغربی بنگال میں کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر خاصی بڑی تعداد میں لڑاکا بمبار طیارے رکھے ہوئے تھے۔ بھارتی ہوابازوں نے ڈھاکہ اور چاٹگام پر ناکام بمباری کر کے واپسی کا رُخ کیا تو ذرا سا وقفہ دے کر پاک فضائیہ کے پانچ طیارے غرّا کر فضا میں بلند ہو گئے۔ یہ طیارے اِسی اڈے سے اُڑے تھے جہاں بھارتی ہوابازوں کو کوئی طیارہ نظر نہیں آیا تھا۔

پاک فضائیہ کے ان پانچ شاہبازوں نے جنوب مغرب کی طرف کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کا رُخ کر لیا۔ ان کا لیڈر کیمبل پور کا رہنے والا سکواڈرن لیڈر شبیر احمد تھا جسے اس تاریخی جوابی حملے کی کامیاب قیادت اور دشمن پر کاری ضرب لگانے کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا اُس کے ساتھ چار اور ہواباز تھے ـــــ فلائٹ لفٹننٹ بصیر۔ فلائٹ لفٹننٹ فاروق، فلائٹ لفٹننٹ اصغر اور فلائنگ آفیسر سلیم ـــــ صبح کا اُجالا نکھر آیا تھا لیکن ابھی سُورج نہیں نکلا تھا۔ ان پانچوں شاہبازوں نے سرحد پار کرنے سے پہلے طیاروں کو بہت کم بلندی پر کر لیا۔ ان کی اڑان میں وہی شان اور وہی عتاب تھا جو شکار پر جھپٹتے عقاب کا ہوتا ہے۔ انھیں زندہ واپس آنے کی نہ توقع تھی نہ خواہش۔ ایک مقدس عزم تھا جو ان کی سوچ اور فکر پر غالب تھا۔ وہ پہاڑوں سے ٹکر لینے جا رہے تھے۔

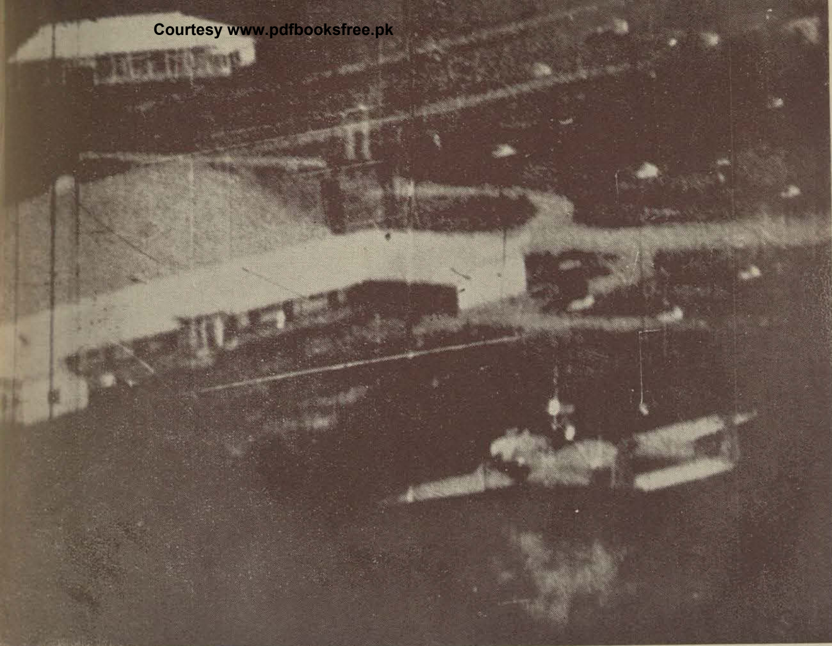
طیارے پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے درختوں کی بلندی پر اڑے جا رہے تھے اور ہواباز فضا میں ہر سُو بڑی



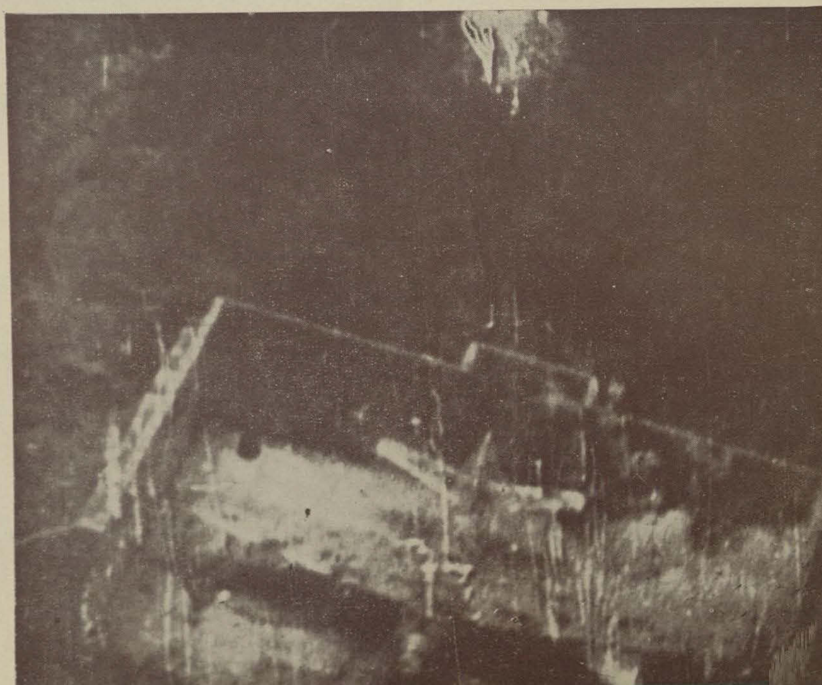
سکواڈرن لیڈر شبیر حسین
ستارۂ جرأت



بھارت کے ایک ہوائی اڈے پر انڈین
ایئر فورس کا ایک طیارہ جل رہا ہے
(گن کیمرہ فوٹو)



بھارت کا ایک ہوائی اڈہ،
پاک فضائیہ کے حملے کے دوران
دشمن کا ایک طیارہ جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)



بھارت کے ایک ہوائی اڈے پر انڈین
ایئرفورس کا ایک طیارہ جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)

غور سے دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ نیچے بھی دیکھ لیتے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ دشمن کے علاقے میں دُور اندر چلے گئے۔ تارگیٹ قریب آ رہا تھا اور ہوابازوں کے دل چھی تلی چال سے دھڑک رہے تھے۔

سب کے وائرلیس پر لیڈر کی آواز گونجی ——— "تمام ہواباز اپنے فائرنگ سوئچ چیک کر لو۔ تارگیٹ میں ایک منٹ رہ گیا ہے۔"

اس آواز نے تمام ہوابازوں پر ہیجان آلود اور ولولہ انگیز کیفیت طاری کر دی۔ یہ ان کا پہلا حملہ تھا اور انھیں معلوم تھا کہ دشمن ان سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ جب لیڈر کی آواز سنائی دی اور طیاروں کو بلندی پر کھینچنے کا لمحہ آ گیا تو سب کے جذبات اور احساسات میں انوکھا سا تاثر برقی رو کی طرح سرایت کر گیا۔ ایک لذت آگیں دیوانگی سی تھی جس نے سب کو سب کچھ فراموش کرا دیا سوائے تارگیٹ اور عزم کے ——— اور وہ لمحہ آ گیا جب تاریخ پاکستان کا سنہری باب لکھنے کے لیے پاک فضائیہ کے پانچ طیارے یک لخت اور بیک وقت اوپر اُٹھے اور تیروں کی طرح فضا کی رفعتوں میں جا پہنچے جہاں سے وہ دشمن کے ہوائی اڈے پر جھپٹنے کے لیے پر تولنے لگے۔ وہ اب کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر تھے۔

سکواڈرن لیڈر شبیر احمد اس حملے کی داستان اپنی زبانی یوں سناتا ہے ——— "جب میں نے طیارہ بلندی پر کھینچا تو دو ہزار فٹ کی بلندی سے میں نے کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کو دیکھا ——— منظر پُرکشش تھا ——— 'رن وے'۔ ہینگر۔ فلائنگ کنٹرول کی بلڈنگ اور دشمن کے وہی لڑاکا بمبار طیارے جو ذرا ہی دیر پہلے ڈھاکہ اور چاٹگام پر حملہ کرنے گئے تھے، میرے سامنے، میرے پروں کے نیچے کھڑے تھے۔ یہ منظر ہمیں دعوت دے رہا تھا اور اشتعال دلا رہا تھا۔ میں کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کو پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا جیسے اس اڈے کو ہزار بار دیکھا ہے.....

"میں نے اپنے ہوابازوں کو وائرلیس پر ہوائی اڈے کی پوزیشن بتائی اور یہ بھی کہا ——— 'اُدھر دیکھو۔ انڈین ایئر فورس کے کینبرا اور ہنٹر طیارے کھڑے ہیں' ——— میری ہدایت کے جواب میں مجھے چار مانوس آوازیں سنائی دیں ——— 'کانٹیکٹ'......

"میں نے پہلے جھپٹے کے لیے اپنے طیارے کو گھمایا۔ نیچے کینبرا طیارے ایک صف میں قرینے سے کھڑے تھے ——— دشمن کی پُرہول ہوائی طاقت، آسمانوں کے خوبرو دیوتا، میرے پروں تلے میری مشین گنوں کے رحم و کرم پر

بے بس کھڑے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اب کوئی ہواباز انھیں اُڑانے کے لیے اُن کے قریب نہیں آئے گا، کیونکہ ہم پانچ ہواباز آسمانی بجلی کی مانند ان کے سروں پہ گرج رہے تھے.....

"میں غوطے میں چلا گیا اور صف کے پہلے کینبرا کو گن سائٹ میں لے لیا۔ جب سائٹ کے روشن نقطے دشمن کے طیارے پر منطبق ہو گئے تو میں نے نہایت اطمینان سے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میری مشین گنیں گرجیں اور ان کی اُگلی ہوئی بکتر بند اور آتشیں گولیاں اس پہلے کینبرا میں جا گئیں پھر یہ بوچھاڑ آگے بڑھتی نظر آئی۔ میں نے فائرنگ بٹن دبائے رکھا اور یکے بعد دیگرے طیاروں کی پوری صف کو ہٹ کر لیا۔ میں نے غوطے سے اٹھنے سے پہلے دیکھا کہ انڈین ایرفورس کے خوبصورت اور طاقت ور کینبرا طیارے شعلے اُگل رہے تھے۔ میں نے غوطے سے اُٹھ کر بلندی سے نیچے دیکھا۔ جہاں طیارے کھڑے تھے وہاں ارتھیاں جل رہی تھیں۔ شمسان بھومی کے اس منظر کو دیکھ کر میرے حوصلے اور ولولے میں نئی تازگی آ گئی.....

"میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ میرے چاروں ہواباز دشمن کے ہوائی اڈے پر آگ برسانے میں مصروف تھے۔ دشمن کا گھر پھونک کر مجھ پر کچھ ایسا نشہ طاری ہو گیا کہ میں بھول ہی گیا کہ مجھے دوسرے حملے کے لیے بھی غوطے میں جانا ہے۔ چند ایک طیارے الگ الگ بھی کھڑے تھے.....

"ہم دوسرے حملے کے لیے صف آرا ہوئے تو میرے نمبر ۲ فلائٹ لفٹننٹ بصیر نے اطلاع دی کہ دشمن کے تین ہنٹر طیارے ہوائی اڈے پر اُڑ رہے ہیں۔ ہم سب فضائی معرکے کے لیے تیار ہو گئے لیکن بھارتی ہواباز ہم سے اُلجھنے کے موڈ میں نظر نہ آتے تھے۔ وہ تینوں ہم سے دُور ہی دُور اُڑتے رہے۔ شاید اپنے ہوائی اڈے کے آتشیں منظر نے انھیں دم بخود کر دیا تھا....

"اس وقت تک دشمن کی طیارہ شکن توپیں اور مشین گنیں جانے کیوں خاموش تھیں؟ ان کے توپچی غالباً ہمارے گرجدار زنّاٹوں، فائرنگ اور تباہ کاری سے اس قدر دہشت زدہ تھے کہ گنیں چھوڑ کر کہیں دبک گئے تھے یا شاید کلائی کنڈہ والے گمان بھی نہ کر سکتے تھے کہ پاکستانیوں میں حملہ کرنے کا دم خم ہے۔ ہم دوسرے حملے کے لیے غوطے میں گئے تو شاید انھیں یقین آیا کہ یہ تو واقعی پاک فضائیہ کے سیبر ہیں جو ہمارے طیاروں کو جلائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ہمیں مار گرانے کے لیے یا اپنی ناک رکھنے کے لیے ہم پر بے پناہ فائرنگ شروع کر دی۔ ٹریسر ایمونیشن کی چمکتی لکیروں اور طیارہ شکن توپوں کے پھٹتے گولوں کے مرغولوں نے ساری فضا میں آگ کا جال بچھا دیا۔ ان کے گولے چیختے ہوئے

ہمارے طیاروں کے قریب سے گزر رہے تھے اور ہمارے آس پاس پھٹ رہے تھے ۔۔۔۔۔

"ہم آخر حملہ کرنے آئے تھے آنکھ مچولی کھیلنے تو نہیں آئے تھے ۔ ہم جانتے تھے کہ دشمن کے پاس طیارہ شکن گنیں ہیں جو ہمارے پرخچے اڑا دینے کے لیے تیار ہوں گی ہم ذہنی طور پر اس ہیبت ناک مزاحمت کے لیے تیار تھے ۔ چنانچہ ہم نے طیارہ شکن فائر کی پرواہ نہ کی اور مکمل سکون اور یکسوئی سے دشمن کے بچے کھچے ہنٹر اور کینبرا طیاروں کو نشانہ بنانے لگے ۔ زمینی توپچیوں کے فائر کے ہنگامے کو ہمارے راکٹ چیرنے لگے ۔ میرے دو ایک ہوا باز گن فائرنگ کر رہے تھے ، بعض طیارے ہوائی اڈے پر بکھیر کر رکھے ہوئے تھے ۔ ہم نے انھیں راکٹوں اور مشین گنوں سے بھسم کر ڈالا ۔ یہ تباہ کاری پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کی نشانہ بازی اور حملے کی نفاست کا کمال تھا ۔۔۔۔

"ہم نے جب حملہ ختم کر دیا تو نیچے دشمن کے چودہ طیارے جل رہے تھے ۔ میں نے اپنی فارمیشن سے او کے ok. رپورٹ مانگی تو اپنے وائرلیس پر مجھے چار مانوس آوازیں سنائی دیں ـــــــ "کانٹیکٹ" ـــــــ موسم بدل رہا تھا اور پہلے سے بدتر ہوا جا رہا تھا ۔ ہم نے واپسی کا رُخ کیا ۔ فضا میں دُھندلاہٹ چھانے لگی جس سے ہم زیادہ دُور تک نہ دیکھ سکتے تھے لیکن اپنے ہوائی اڈے کے ایئر ٹریفک کنٹرولر کھوکھر کی جانی پہچانی آواز نے اپنے اڈے تک ہماری رہنمائی کی ۔ کھوکھر بڑی بے تابی سے ہماری پکار کا انتظار کر رہا تھا ۔ جب میں نے اسے فضا سے پکارا اور اسے بتایا کہ ہم کامیاب حملے کے بعد پانچوں خیریت سے لَوٹ رہے ہیں تو اس کی مسرت کا اندازہ ہمارے سوا اور کون کر سکتا ہے ؟"

پانچوں شاہباز سات بج کر چوالیس منٹ پر یعنی جلنے سے ایک گھنٹہ اور تیرہ منٹ بعد زمین پر اُتر آئے ۔ اس حملے میں انھوں نے دُشمن کے گیارہ کینبرا طیارے بالکل خاکستر کر دیے ، چار کینبرا اور دو ہنٹر طیاروں کو بیکار کیا ۔

جس وقت پاک فضائیہ کے یہ پانچ شاہباز کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر بجلیاں بن بن کے ٹوٹ رہے تھے اس وقت انڈین ایر فورس کے کئی لڑاکا بمبار طیارے مشرقی پاکستان کے شہر جیسور پر اڑتے دیکھے گئے تھے ۔ ان کا رُخ ڈھاکہ کی طرف تھا ۔ اطلاع ملتے ہی پاک فضائیہ کے چند ایک طیارے ان کے مقابلے کے لیے فضا میں پہنچ گئے لیکن دشمن کے ہوا باز اپنا مشن مکمل کیے بغیر بھارت کی طرف لوٹ گئے ۔

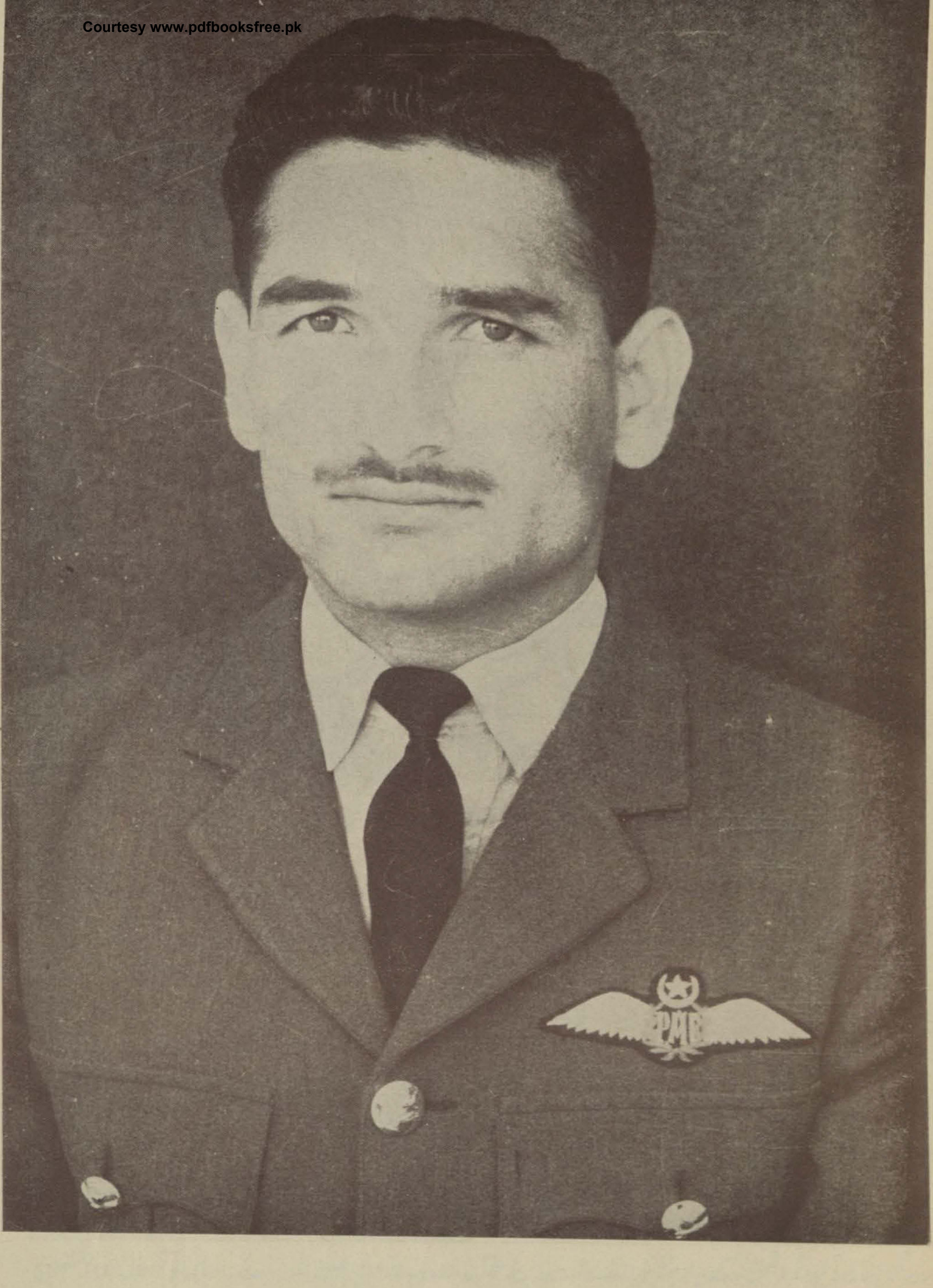
کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر انڈین ایر فورس کی جو درگت بنائی جا چکی تھی اُسے پاک فضائیہ نے کافی نہ سمجھا ۔ رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے دو گھنٹوں بعد چار طیارے ایک اور ہوائی حملے کے لیے بھیج دیے گئے ۔ اب حملہ آور فارمیشن

کی قیادت فلائٹ لفٹننٹ حلیم کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے طیاروں میں فلائٹ لفٹننٹ بصیر، فلائٹ لفٹننٹ طارق حبیب اور فلائنگ آفیسر افضال تھے۔ وہ دن کے ساڑھے دس بجے مشرقی پاکستان کی نمناک فضا میں اُڑ گئے اور دشمن کے علاقے کا رُخ کر لیا۔ راستے میں موسم بگڑ گیا اور دُھند چھانے لگی جس کی وجہ سے نظر دور تک کام نہ کرتی تھی۔ پھر بھی یہ چاروں ہواباز غرّاتے ہوئے دشمن کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ وہ خاصی کم بلندی پر اڑے جا رہے تھے۔

کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کے قریب جا کر انھوں نے حملہ کرنے کے لیے طیارے بلندی پر کھینچ لیے۔ چاروں سیبر دہشت ناک زناٹے سے دشمن کی فضا کو چیرتے دُور اوپر چلے گئے اور حملے کے لیے غوطوں میں آنے کی تیاری کرنے لگے۔ انھیں اپنے پہلے ساتھیوں کی مچائی ہوئی تباہی کے بھی آثار نظر آئے اور انھوں نے شدت سے محسوس کیا کہ انھیں سکواڈرن لیڈر شبیر احمد اور اس کے ہوابازوں کی قائم کردہ مثال اور روایت کو زندہ رکھنا ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ ہوائی اڈے کی راکٹ زدہ وسعت میں کچھ لڑاکا بمبار طیارے اِدھر اُدھر کھڑے ہیں۔ اچانک دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ اب کے ان کا فائر پہلے حملے کی نسبت بہت زیادہ اور بہت تیز تھا۔ فضا میں انھوں نے جیسے آگ کا لیپ کر دیا ہو۔

فلائٹ لفٹننٹ حلیم اور اس کے تین ساتھیوں نے جانوں کی بازی لگا دی اور فضا میں دشمن کے پھٹتے گولوں اور چیختی چنگھاڑتی گولیوں کی بوچھاڑوں کو چیرتے دشمن کے طیاروں پر غوطے میں چلے گئے۔ انھوں نے زمین پر کھڑے ایک ایک طیارے کو نشانے میں لے لیا لیکن افضال کو سب سے زیادہ دلچسپ بلکہ اشتعال انگیز ٹارگیٹ نظر آ گیا —— اس نے دیکھ لیا کہ نیچے 'رن وے' پر دشمن کے دو ہنٹر طیارے اڑنے کے لیے کھڑے تھے۔ وہ شاید پاک فضائیہ کے اس حملے کو روکنے کے لیے جا رہے تھے۔ افضال ان پر ٹوٹ پڑا اور دونوں کو شست میں لے لیا۔ پیشتر اس کے کہ ان کے ہواباز طیاروں کو اِدھر اُدھر کر لیتے یا کم از کم ان میں سے نکل بھاگتے افضال کی مشین گنوں کی بوچھاڑ ان کا کام تمام کر چکی تھی۔ اب نہ ان کے ہوابازوں کو باہر نکلنے کی ضرورت تھی اور نہ دونو ہواباز اور انڈین ایر فورس کے ہنٹر کسی کے کام آ سکتے تھے۔ افضال زمینی توپچیوں کا منہ چڑاتا عقاب کی طرح اوپر اٹھا اور دوسرے حملے کے لیے جانے لگا لیکن ایسی کوئی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ اس کے ساتھی کلائی کنڈہ پر انڈین ایر فورس کا کام تمام کر چکے تھے۔

فارمیشن کا لیڈر، فلائٹ لفٹننٹ حلیم، آخری غوطے سے اُٹھ رہا تھا کہ اسے اپنے پیچھے دشمن کے تین ہنٹر نظر آئے۔



فلائنگ آفیسر محمد افضال شہید



ایئر مارشل ایم نور خان فلائٹ لفٹیننٹ طارق حبیب کو ستارۂ جرات لگا رہے ہیں

وہ قطار میں، ایک دوسرے کے پیچھے، اس پر جھپٹنے کو آرہے تھے۔ حلیم نے اِدھر اُدھر دیکھا تو چونک اُٹھا۔ ہنٹر طیاروں کا ایک اور غول اُڑا آرہا تھا۔ حلیم نے اپنے طیارے کا جائزہ لیا۔ ایمونیشن بھی ختم ہو رہا تھا اور ٹینکیوں میں بمشکل واپسی کے لیے تیل باقی تھا یعنی معرکے کے لیے نہ تیل تھا نہ ایمونیشن! ایک ہوش مند لیڈر کی طرح اس نے دشمن سے اُلجھنے کی بجائے اپنے طیاروں کو بخیر و خوبی واپس لانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ جس مشن پر آئے تھے وہ کامیابی سے مکمل ہو چکا تھا، فضائی معرکے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

پاک فضائیہ کے یہ چاروں شاہباز ہنٹروں کو جُل دے کر نکلنے کے لیے پینترے بدلنے لگے لیکن دشمن کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ان کے گھیرے میں چار پاکستانی طیارے نظر ہی نہیں آتے تھے۔ بھارتی ہوا باز انھیں پلک جھپکتے فضا میں تباہ کر سکتے تھے۔ ایمونیشن کم، تیل کم، دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ، اپنی سرحدوں سے دُور، چار پاکستانی ہوا باز سترہ روزہ جنگ کی کٹھن ترین آزمائش میں اُلجھ گئے۔ انھوں نے گھبراہٹ کی بجائے حاضر دماغی اور سکونِ قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے، دشمن کے ہر طیارے کا ہر جھپٹا بیکار کیا، اور دفاعی معرکے کے ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ دشمن کا گھنا غول چار طیاروں پر بھرپور وار نہ کر سکا۔

معرکہ جب عروج کو پہنچا تو تمام ہوا بازوں کی بلندی بہت کم رہ گئی تھی۔ ہمارے ہوا باز محتاط تھے۔ آخر کار وہ دُشمن کو جُل دے کر گھیرے سے نکل آئے اور خطرناک حد تک کم بلندی پر اُڑتے اپنے علاقے میں داخل ہو گئے۔

ایک ہنٹر نے حلیم پر جھپٹا مارا، حلیم پُھرتی سے طیارہ گھما کر وار بچا گیا۔ ہنٹر کے ہوا باز نے حلیم پر دوبارہ جھپٹنے کے لیے طیارے کو ایسا بے طرح موڑا اور ایسا بے ڈھب پینترا بدلا کہ بلندی تو تھی ہی نہیں، وہ طیارے کو سیدھا نہ کر سکا اور طیارہ زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا ——— حلیم اپنے طیارے کو بچا لایا۔

حلیم نے اپنے بکھرے ہوئے ساتھیوں سے اُن کے رپورٹ لی۔ سب نے جواب دیا لیکن افضال کی آواز نہ سنائی دی۔ حلیم نے پھر بلایا لیکن افضال فضا میں نہیں تھا۔ آزاد کشمیر کا رہنے والا فلائنگ آفیسر افضال خان اپنے وطن پر قربان ہو چکا تھا۔

جب حلیم، افضال شہید کو اس امید پہ پکار رہا تھا کہ شاید وہ فضا کے کسی گوشے سے بول پڑے، فلائٹ لفٹننٹ طارق حبیب نے گھوم کے دیکھا تو دشمن کے چار ہنٹر طیارے اسے اپنے عقب سے اپنے اوپر جھپٹتے نظر آئے۔ وہاں تو آسمان ہی دشمن

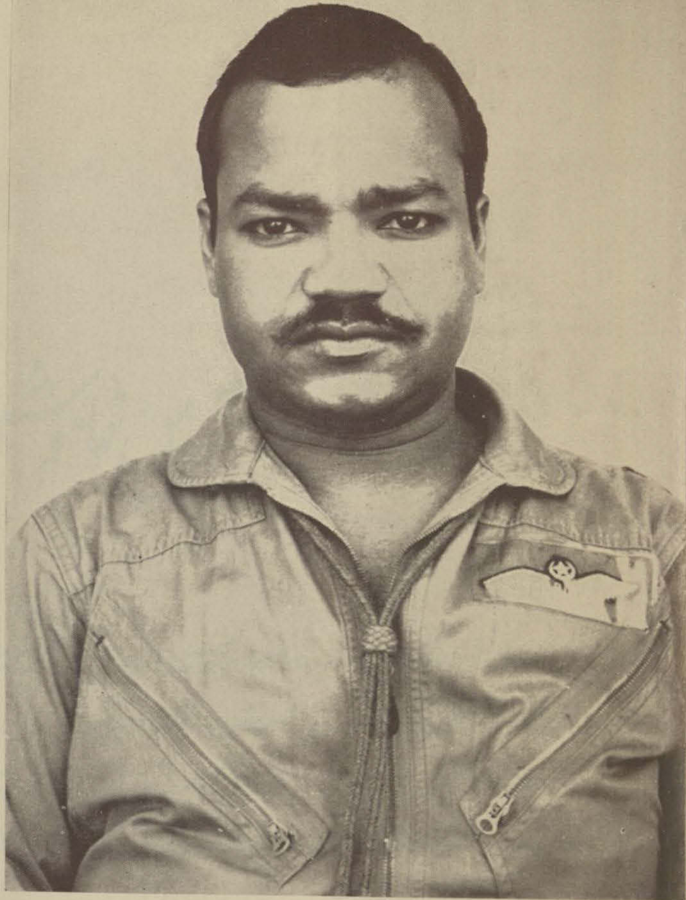
کے طیاروں سے اٹا پڑا تھا۔ طارق نے تیل کی فالتو ٹینکیوں کو گرانے کے لیے لیور کھینچا لیکن ایک ہی ٹینکی گری، دوسری پَر کے ساتھ چپکی رہی جس سے پرواز کا توازن متزلزل ہونے لگا۔ لیکن اس نے طیارے کو قابو میں رکھا اور دشمن کے جھپٹے سے بچ گیا۔ وہ چار کے مقابلے میں اکیلا تھا پھر بھی اس نے چاروں کو استادانہ چکر دیے اور ان کا مقابلہ بھی کیا۔

آخر ایک بوچھاڑ اس کے طیارے کے پَر کے اہم ترین حصے Flap پر لگی اور فلیپ جام ہو گیا۔ فلیپ ہی تو طیارے کی لگام ہوتی ہے ورنہ طیارہ بے قابو بھی ہو سکتا ہے اور دائیں بائیں گھمانے میں بھی پُرخطر وقت پیش آتی ہے۔ خصوصاً فضائی معرکے کے دوران فلیپ کا جام ہو جانا دشمن کے ہاتھوں پٹ جانے والی بات ہوتی ہے۔ اس خطرناک نقص کے باوجود طارق نے ایسے ایسے پینترے بدلے کہ دشمن کے تعاقب کو جھٹک ڈالا اور اس قدر کم بلندی پر آ گیا کہ درختوں کے درمیان اُڑتا نظر نہ آتا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ اپنی جان بھی بچا لایا اور پاک فضائیہ کے بیش قیمت سیبر کو بھی بخیر و خوبی اڈے پر اتار لیا جسے گراؤنڈ کریو نے فوراً مرمّت کر کے جنگی پروازوں کے لیے تیار کر لیا۔

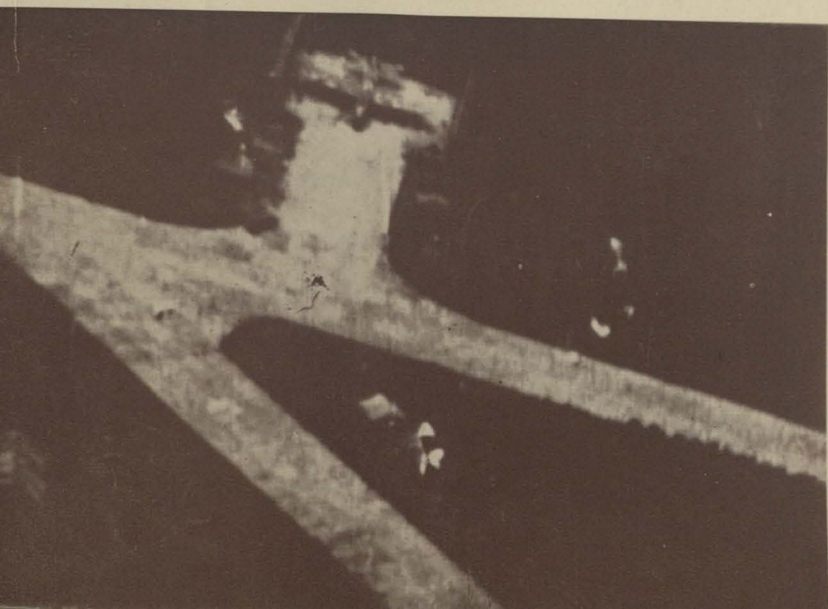
ان حالات میں طیارے کو اور اپنے آپ کو بچا لانا دشمن کے کئی طیارے مار گرانے سے زیادہ حیران کن کارنامہ ہوتا ہے۔ طارق کا یہ کارنامہ پاک فضائیہ کی اعلیٰ تربیت کی سند ہے۔ طارق اپنا طیارہ صرف بچا ہی نہیں لایا تھا بلکہ وہ اس مشن میں دشمن کے تین کینبرا طیارے اور ایک C.119 طیارہ کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر بھسم کر آیا تھا۔ اس غیر معمولی اور مثالی شجاعت کے صلے میں طارق حبیب کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔

ان دو ہی حملوں میں، صرف ایک دن میں، ڈھاکہ کے مٹھی بھر پاک شاہبازوں نے انڈین ایر فورس کے چودہ (۱۴) کینبرا بمبار طیارے اور ایک C.119 جلا کر خاکستر کیے، چار کینبرا اور تین ہنٹر طیاروں کو بے کار کیا۔ دشمن کے اس نقصان کے مقابلے میں پاک فضائیہ کا صرف ایک ہوا باز شہید ہوا۔ کلائی کنڈہ پر یہ حملہ انڈین ایر فورس کے لیے ضرب کاری ثابت ہوا اور اس لحاظ سے فیصلہ کن کہ مشرقی پاکستان کو تہہ تیغ کرنے کے لیے بھارت نے مغربی بنگال میں جو ہوائی قوت جمع کر رکھی تھی اسے ملیا میٹ کر دیا گیا اور بھارت کا زعم ٹوٹ گیا۔

جب مغربی پاکستان کی سرحدوں پر پاک فضائیہ کے شاہباز دشمن کی یلغار کے لیے قیامت بنے ہوئے تھے مشرقی پاکستان میں ان چند ہوا بازوں نے دشمن کے فضائی بھوت کی گردن مروڑ دی لیکن گردن کی بجائے دم مروڑ دینا کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے کیونکہ پاکستان بھر میں ان ہوا بازوں کو اب دُم تراش Tail choppers کے نام سے پکارا جاتا ہے۔



فلائٹ لفٹیننٹ عبدالحلیم



انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا بمبار
اپنے اڈے پر جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)

توپیں خاموش ہوگئیں

۲۱ ستمبر ۱۹۶۵ء بھارت نے لاہور سیکٹر میں سترہ روزہ جنگ کا شدید ترین حملہ کیا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لاہور کی فتح کے جھوٹے اعلان کو کسی حد تک سچ ثابت کیا جا سکے۔ بھارتی حکمران آل انڈیا ریڈیو سے لاہور پر قبضے کی خبر اور روز بروز "فتوحات" کی خبریں نشر کر کے اپنے عوام کے سامنے ہی نہیں دنیا بھر کے سامنے ذلیل ہو چکے تھے۔ اُدھر چند ہی روز پہلے بھارت سرکار اقوام متحدہ میں غیر مشروط فائر بندی کی التجا کر چکی تھی جسے پاکستان نے اس لیے قبول کر لیا تھا کہ دنیا والوں پر ثابت ہو جائے کہ پاکستان امن کا متلاشی ہے۔ بھارت کی پوزیشن بہت نازک اور شرمناک تھی۔

دوسرے ملکوں کے سامنے فائر بندی کی التجائیں اور اپنے ملک میں لاہور کی فتح کی "خوش خبریاں"۔ بعض بھارتی اخبار کھلے بندوں اپنے حکمرانوں کو کوسنے لگے تھے۔ حد یہ کہ بھارت کے ایک صفِ اول کے انگریزی اخبار نے آکاش وانی کے جھوٹ کا مذاق ایک کارٹون کے ذریعے اڑایا تھا۔ پارلیمان میں حزب اختلاف برسر اقتدار پارٹی کے لیے وبالِ جان بن گیا تھا۔ چنانچہ اپنے عوام، اخبارات اور حزب مخالف کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے بھارتی سینا کی ہائی کمان کی ہدایت کے مطابق بھارتی کمانڈروں نے ۲۱ ستمبر کو لاہور کے مضافات کے کسی تھوڑے سے علاقے پر کسی بھی قیمت پر قبضہ کر لینے کے لیے تمام تر فوجی قوت لاہور سیکٹر پر مرکوز کر دی۔ فائر بندی میں دو ہی دن باقی تھے۔

۲۱ ستمبر کی سحر کا اندھیرا چھٹتے ہی انڈین آرمی نے اپنی تمام تر چھوٹی بڑی اور درمیانہ آرٹلری اور ٹینکوں کی توپوں کے منہ کھول دیے اور لاہور سیکٹر میں پاک فوج کے اگلے پچھلے مورچوں پر اس قدر شدید گولہ باری شروع کر دی جو سترہ روزہ جنگ میں

اپنی مثال آپ تھی اِس گولہ باری سے بھارت کے عزائم کا پتہ چلتا تھا اور بھارتی جنگ پسندوں کا دو غلا کردار واضح ہو رہا تھا۔ وہ اس اُمید پہ گولہ باری کر رہے تھے جیسے ان کی شکست کو صرف توپیں فتح میں تبدیل کر سکیں گی۔

پاکستانی مورچوں کا کوئی چپّہ بھی قیامت کی اس گولہ باری سے محفوظ نہیں تھا۔ پاک فوج گولہ باری کو سہہ رہی تھی اور شدّت سے اپنی فضائیہ کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر ہوا باز اپنی کاک پٹوں میں تیار بیٹھے تھے۔ وہ تو ہر لمحہ اسی طرح تیار بیٹھے رہتے تھے۔ انہیں نہ آرام نصیب ہوا تھا نہ انھوں نے کسی لمحہ آرام کی سوچی تھی۔ وہ تو جیسے ان ہی طیاروں میں پیدا ہوئے تھے اور فضاؤں میں جوان ہو گئے تھے۔ اونگھ آئے تو کاک پٹوں میں ہی اونگھ لیتے تھے اور کسی طرف حملے یا فضائی معرکے کا اشارہ ملے تو گرجتے فضاؤں میں اُڑ جاتے تھے۔ ۲۱ ستمبر کی سحر بھی وہ اشارے ہی کے منتظر تھے کہ بلاوا آ گیا ——— لاہور سیکٹر میں پاک آرمی کو فضائی مدد کی شدید ضرورت تھی ——— بھارتی توپ خانہ انھیں ٹکنے نہیں دے رہا تھا۔

اطلاع ملتے ہی چار طیارے غرّائے اور سحر کے اُجالے میں تحلیل ہو گئے۔ چار شاہباز ——— فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ، فلائٹ لفٹننٹ ہاشمی، فلائٹ لفٹننٹ پرویز اور فلائنگ آفیسر آفتاب ——— اپنے پاک فوج کے بھائیوں کی مدد کو جا رہے تھے۔ وہ چند منٹوں میں محاذ پر پہنچ گئے۔ انھوں نے نیچے دیکھا۔ اس محاذ پر وہ کئی بار آئے تھے لیکن اِس سے پہلے یہاں کا حال حلیہ وہ نہیں ہوتا تھا جو انھوں نے اُس روز دیکھا۔ اُنھیں یوں نظر آیا جیسے زمین شعلے، سیاہ دُھواں اور گرد کے گھنے بادل اُگل رہی ہو۔ دشمن کی آرٹلری کی تمام چھوٹی بڑی توپیں "ریپڈ" فائر کر رہی تھیں اور ان کے جواب میں پاک توپخانہ دھاڑ رہا تھا۔ زمین نظر نہیں آتی تھی۔ بی آر بی کی چمکتی لکیر بھی اس روز سیاہ دُھوئیں میں روپوش ہو گئی تھی۔ ان سیاہ گھٹاؤں میں خاک و خون کا ہیبت ناک کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کو خوب معلوم تھا کہ انھیں دشمن کی توپوں کا منہ بند کرنا ہے۔ لیکن توپیں نظر نہ آتی تھیں۔ چاروں ہوا بازوں نے میدانِ جنگ پر چکر لگائے لیکن کچھ نظر نہ آیا تو وہ اور کم بلندی پر چلے گئے، مگر اس بلندی سے بھی گرد و غبار میں دوست اور دُشمن کی تمیز ممکن نہیں تھی۔ نہ اپنے مورچے نظر آتے تھے نہ دُشمن کے۔ انھوں نے ایسی گولہ باری نہ کبھی دیکھی ہی نہ سنی تھی۔ وہ اور نیچے چلے گئے اور اندازے کے مطابق اپنے مورچوں پر اڑان کی۔ پاک فوج نے دشمن کی نشاندہی کے لیے دھوئیں کے گولے Smoke Signals فائر کیے۔ یہ ہوا بازوں کو ٹارگیٹ دکھانے کے لیے

سگنل ہوتا ہے۔ دشمن نے عیّاری کی اور اس کے دستوں نے بھی اسی طرح کے گولے پھینکنے شروع کر دیے۔ دونو طرف کے سگنل ایک جیسے تھے اور کئی سمتوں کو فائر ہو رہے تھے۔ ہواباز الجھن میں پڑ گئے کہ کس سگنل کو صحیح سمجھیں۔ آخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ خود ہی دشمن کی توپوں کو تلاش کر کے خاموش کرنے کی کوشش کریں۔

جس بلندی پر وہ اڑ رہے تھے، وہ پہلے ہی پُر خطر تھی۔ اور کتنا نیچے جاتے؟ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر پاک فوج کو فضائی مدد نہ ملی تو ہو سکتا ہے کہ دشمن اپنی اس قدر شدید گولہ باری کے کوّر میں آگے بڑھ آئے۔ ہوابازوں کے سامنے یہی ایک صورت تھی کہ وہ اپنے طیاروں کو دھوئیں اور گرد کے بادلوں میں لے جائیں خواہ اوپر نہ ہی اُٹھ سکیں لیکن دشمن پر کوئی تو کاری ضرب لگا کر مریں۔

فارمیشن کے لیڈر امان اللہ اور اس کے ساتھی ہاشمی نے طیاروں کے تھراٹل پورے کھول دیے، اور گرد و غبار کے سمندر میں غوطہ لگا گئے۔ پرویز اور آفتاب اوپر اُڑتے رہے تاکہ دشمن کے طیارے آجائیں تو انھیں اوپر ہی روک لیں۔ جونہی امان اللہ اور ہاشمی گرد و غبار کے اندر گئے دشمن کی جانے کتنی ہی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ پاک فضائیہ کے ان دو نوشاہبازوں کے طیارے گرد و غبار میں تیرتے چلے جا رہے تھے اور دُشمن کے مورچوں پر اڑ رہے تھے۔ ایک چکر میں وہ جلّو موڑ پر سے گزرے اور واہگہ تک چلے گئے۔ اچانک ہاشمی نے اپنے طیارے پر ہتھوڑے کی وزنی ضرب محسوس کی۔ طیارہ لرز گیا۔ اس نے دیکھا، دشمن کی توپ کا ایک گولہ اس کے دائیں پر میں بہت بڑا سُوراخ کر گیا تھا۔ اچھا ہوا کہ گولہ پار ہو گیا پھٹ نہ سکا۔ ہاشمی نے ہوش ٹھکانے رکھے اور شکار کی تلاش میں لگا رہا۔

وہ واہگہ سے گھوم کر کئی سمتوں میں اسی بلندی پر اُڑتے دشمن کی توپوں کو ڈھونڈتے رہے۔ دشمن انھیں مار گرانے کے لیے ان پر گولوں اور گولیوں کی مسلسل بوچھاڑیں فائر کر رہا تھا لیکن یہ دونوں ہواباز دیوانے ہو چکے تھے۔ توپیں یا موت ——— دشمن کی توپیں ان کے لیے چیلنج بن گئی تھیں اور جو بات انھیں اوپر اُٹھنے سے روک رہی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے قسمیں کھا کے آئے تھے کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ دشمن کی توپیں خاموش کر کے لوٹیں گے ورنہ لوٹیں گے ہی نہیں ——— یہ تھا وہ جذبہ جس نے دشمن کی اتنی بڑی قوت کو اس قدر کم تعداد سے شکست فاش دی ہے۔

وہ ایک اور چکر پہ گھومے اور نیچے دیکھا ——— ہا ہا! وہ رہی توپیں ——— درختوں تلے نہایت خوش اسلوبی سے چھپائی ہوئی بڑی دور مار توپیں لاہور کی طرف آگ اُگل رہی تھیں۔ انڈین آرٹلری نے درختوں تلے گڑھے کھود کر توپوں

کو نیم زمین دوز کر رکھا تھا۔ اوپر جال، جال کے اوپر درختوں کی ہری ٹہنیاں اور سبز جھاڑیاں بکھری ہوئیں اور اوپر درختوں کے گھنے چھاتے ——— امان اللہ اور ہاشمی نے غور سے دیکھا تو انھیں درختوں تلے اسی طرح کئی توپیں چھپی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے صرف دہانے نظر آرہے تھے۔ بلندی پر تیز رفتار پہ اڑتے ڈھکی چھپی توپوں کو دیکھ لینا آسان نہیں ہوتا۔

دونو ہوا باز ان پر جھپٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے فائر اور تیز کر کے ان پر مرکوز کر دیا۔ ہاشمی کا طیارہ بُری طرح ڈگمگایا ——— اسے ایک اور گولہ لگ گیا تھا ——— امان اللہ کا طیارہ بھی جھنجھوڑ اگیا۔ اسے بھی گولہ لگ گیا تھا لیکن قریب ہونے کی وجہ سے گولے پھٹنے کی بجائے طیاروں کو چیر کر پار ہو گئے اور ہوا بازوں نے طیارے سنبھال لیے اور جس جس گن پوزیشن کو انھوں نے شست میں لے لیا تھا انھیں نشانے سے نکلنے نہ دیا۔

امان اللہ سناتا ہے ——— " ہمارے طیارے ہٹ ہو چکے تھے۔ عین ممکن تھا کہ اس قدر غوطہ زنی اور رفتار سے طیارے کا یہ زخم کھل جائے جس کا نتیجہ تباہی ہو سکتا تھا لیکن ہم نے دشمن کی توپیں دیکھ لی تھیں۔ ہم واپس کس طرح آجاتے ہمارے سامنے اپنے طیارے یا اپنی جانیں نہیں بلکہ دشمن کی توپیں تھیں جنھیں خاموش کرنا ہمارا مقدس فرض تھا۔ ہم نے انھیں بڑی مشکل سے تلاش کیا تھا۔ ہمیں احساس تھا کہ ہم جتنی توپیں تباہ کر دیں گے پاک فوج کو اسی قدر فائدہ ہو گا۔ ہم تو اُن کے لیے مرنے گئے تھے۔"

دونوں نے جس جس گن پوزیشن کو نشانے میں لیا تھا، دوسرے ہی لمحے ان توپوں کے پرخچے ہوا میں اڑتے نظر آئے اور ان کے توپچی جو نیم زمین دوز تھے، منوں مٹی تلے دب گئے ——— امان اللہ اور ہاشمی کے راکٹ کام کر گئے تھے۔ انھوں نے طیارے جھپٹے سے اٹھائے اور پھر غوطے میں آکر دو اور گن پوزیشنوں کو نشانے میں لے لیا۔ ان کے بکتر شکن راکٹوں نے ان توپوں کو بھی گڑھوں سے اچھال کر ان کے ٹکڑے بکھیر دیے اور توپچیوں کے جسموں کے اعضا لاہور کی مٹی میں مل گئے۔

پھر امان اللہ اور ہاشمی پاگل ہو گئے۔ دشمن کے بے پناہ طیارہ شکن فائر سے بے نیاز انھوں نے آنکھیں سکیڑ سکیڑ کر گنوں کو ڈھونڈ نکالا اور گرد و غبار میں غوطے لگا لگا کر جس قدر گنیں نظر آئیں بکتر شکن اور آتشیں گولیوں اور راکٹوں سے تباہ کر دیں۔ صرف امان اللہ نے ایک جگہ پانچ بڑی توپیں **Heavy Guns** برباد کیں۔ ہاشمی نے توپیں برباد کرنے کے علاوہ ایک جگہ گولوں کا بہت بڑا ذخیرہ دیکھ لیا اور مرکوز کیے ہوئے طیارہ شکن فائر میں جا کر اس ذخیرے

کو راکٹوں سے اڑا دیا۔ اردگرد کا علاقہ پھٹتے گولوں کے سیاہ دُھوئیں میں چھُپ گیا۔

اب تو اس قدر کم بلندی سے بھی نیچے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دونوں شاہباز اوپر اٹھ آئے۔ کھلے آسمان میں آکر دیکھا۔ ان کے پاس ابھی کچھ ایمونیشن باقی تھا۔ وہ پھر غوطے میں جاکر گہرے گرد و غبار میں روپوش ہوگئے۔ انھوں نے سارا علاقہ چھان مارا اور چند اور گن پوزیشنیں دیکھ لیں۔ طیارہ شکن فائر اور زیادہ ہیبت ناک ہوگیا۔ ان کے طیاروں نے چوٹ پہ چوٹ کھائی۔ ہر چوٹ کے ساتھ طیارے ڈگمگائے، لیکن ان دونوں نے پاگل پن کی حد تک بے خوف ہوکر جو جو گن پوزیشن دیکھی اس پر جھپٹے اور اسے ہوا میں اچھال کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ وہ اُس وقت اوپر اُٹھے جب ان کی گنیں ایمونیشن ختم ہوجانے کی وجہ سے چُپ ہوگئیں اور راکٹ ختم ہوگئے۔

وہ اوپر اُٹھ آئے۔ اب پرویز اور آفتاب گرد و غبار میں غوطے لگا گئے۔ وہ اپنے لیڈر اور ہاشمی کی جانبازی دیکھ چکے تھے۔ ان دونوں نے بھی اُن ہی کی طرح زمین کے قریب جاکر گن پوزیشنیں ڈھونڈیں اور جو توپ انھیں نظر آئی، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بکھیر دیا۔ انھوں نے کئی جھپٹے مارے اور ان کا کوئی جھپٹا رائیگاں نہ گیا۔ ایمونیشن اور راکٹ ختم کرکے وہ نیچی اڑان کرکے دیکھنے لگے کہ کوئی اور گن پوزیشن تو نہیں رہ گئی؟ ——— نہیں۔ بڑی توپیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوچکی تھیں۔ وہ اوپر اُٹھ آئے۔ جب چاروں شاہبازوں کو یقین آگیا کہ وہ اپنے دوستوں کے سامنے جو قسم کھا کر آئے تھے، وہ پوری ہوچکی ہے تو انھوں نے واپسی کا رُخ کیا۔

اڈے پر اتر کر انھوں نے اپنے طیاروں کا جائزہ لیا۔ ہاشمی کے طیارے میں نو (۹)، جگہوں پر دشمن کی گولیاں اور گولے لگے تھے ——— نو شدید چوٹیں ——— اور امان اللہ کا طیارہ چار جگہوں سے اُڑا ہوا تھا۔ دونوں طیاروں کو دیکھ کر ٹیکنیشن حیران رہ گئے کہ یہ اڑتے کس طرح رہے ہیں؟ گراؤنڈ کریو دونو طیاروں کو الگ گھسیٹ لے گئے اور مرمت کا جو کام کئی دنوں میں مکمل نہ ہوسکتا انھوں نے صرف دو گھنٹوں میں کرکے دونوں طیاروں کو اگلے جنگی مشن کے لیے اڑا دیا۔

اور اُس شام آل انڈیا ریڈیو نے حسب عادت یہ خبر نشر کی کہ لاہور سیکٹر میں پاکستان ائیر فورس کے دو طیارے گرا لیے گئے ہیں۔

جب یہ چاروں شاہباز دشمن کی بڑی توپوں کے پرخچے اڑا کر واپس آرہے تھے، پاک فضائیہ کے چار طیارے

کی ایک اور فارمیشن واہگہ اٹاری سیکٹر میں دشمن کی توپوں کی تلاش میں پہنچ چکی تھی۔ اس فارمیشن کا لیڈر سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا تھا۔ امان اللہ کی طرح عظیم نے بھی اپنے دو طیاروں کو اوپر اُڑتے رہنے کی ہدایت کی تاکہ دُشمن کے طیارے آجائیں تو انھیں سنبھالیں اور وہ خود اپنے نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم کے ساتھ دُھواں دھار میں غوطے میں چلا گیا۔ امان اللہ اور ہاشمی نے جو گن پوزیشنیں اور گوروں کے ڈھیر اُڑا ئے تھے ان سے دُھواں اُٹھ رہا تھا اور توپچیوں کی لاشوں پر گدّھوں کے غول ضیافت کر رہے تھے۔ ایک اُڑتا ہوا گدھ عظیم کے طیارے کی ونڈ سکرین (سامنے والے شیشے) سے ٹکرا گیا۔ اس قدر تیز رفتار جیٹ طیارے کے ساتھ ٹکرا کر گدھ کا جو حشر ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ عظیم کی ونڈ سکرین خون سے بھر گئی۔ اسے اب اپنے سامنے گہرے لال رنگ کے خون کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اُس نے طیارے کو اسی بلندی پر قابو میں رکھا اور جلّو موڑ پر دشمن کے اجتماع پر آن پہنچا۔ خدا خدا کر کے ونڈ سکرین سے خون صاف ہوگیا اور عظیم کو گرد و پیش نظر آنے لگا۔

دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے عظیم اور اعظم پر بے طرح فائرنگ شروع کر دی لیکن یہ دونو شاہباز ان کے بے ہنگم فائر میں اڑتے گن پوزیشنوں کو تلاش کرتے رہے۔ چند چکر لگا کر انھوں نے جلو موڑ سے واہگہ تک جی ٹی روڈ پر نیچی اُڑان کی تو سڑک کے دونوں طرف انھیں درمیانہ (میڈیم) توپوں کے "گھونسلے" نظر آگئے۔ ان توپوں کو بھی دشمن نے بڑی خوبی سے جھاڑیوں، درختوں اور ٹہنیوں سے چھپایا ہوا تھا اور ان کے صرف ذرا ذرا دہانے نظر آرہے تھے۔ دونو شاہباز درختوں کی بلندی پر اڑ رہے تھے اور دشمن کا تمام تر طیارہ شکن فائر ان پر مرکوز تھا۔

دونو اپنے اپنے شکار پر جھپٹے میں جانے لگے تو عظیم کا طیارہ یک لخت ڈگمگایا۔ دیکھا کہ دشمن کی کسی مشین گن کی پوری بوچھاڑ اس کے بائیں پَر کو چھلنی کرتی گزر گئی تھی۔ پَر میں ایک جگہ خاصا بڑا سُوراخ ہوگیا تھا لیکن عظیم نے طیارے کو سنبھال کر جھپٹے میں رکھا۔ اس کے طیارے سے سرسراتے ہوئے راکٹ نکلے۔ ادھر اعظم کے طیارے نے ایک اور گن پوزیشن پر راکٹ اُگل دیے اور بیک وقت دشمن کی دو توپوں کے ٹکڑے گڑھوں سے اُڑ کر اپنے توپچیوں کے جسموں کے پرخچوں کے ساتھ جی ٹی روڈ کے اِدھر اُدھر بکھر گئے ——— دو میڈیم گنوں کا خاتمہ ہوگیا۔

دونو اوپر اُٹھے اور طیارے گھما کر دوسرے جھپٹے میں چلے گئے۔ دشمن کی دو اور توپیں اور ان کے توپچی اپنے حکمرانوں کی جنگ پسند ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ عظیم اور اعظم پھر اُٹھے، پھر جھپٹے، پھر اُٹھے، پھر غوطے میں گئے اور جلّو سے واہگہ تک سڑک کے دونو طرف کئی جگہوں سے دُھواں اُٹھنے لگا اور دشمن کا میڈیم توپخانہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر واہگہ کے

کھیتوں میں بکھر گیا۔ طیارہ شکن گنوں نے قیامت بپا کیے رکھی لیکن ان پر دہشت طاری ہو چکی تھی۔

ایمونیشن اور راکٹ ختم کر کے وہ کھلے آسمان میں اُٹھ آئے اور فارمیشن کے دوسرے دو ہوا باز ــــــ فلائٹ لفٹننٹ سلیم اور فلائنگ آفیسر قادر ــــــ غوطے میں جا کر زمین سے اُٹھتے گرد و غبار میں غائب ہو گئے۔ عظیم اور اعظم کی دست برد سے بچی ہوئی چند چھوٹی اور درمیانہ توپوں کو انھوں نے ڈھونڈ نکالا۔ وہ ابھی تک پاک فوج کے مورچوں پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ سلیم اور قادر نے مرکوز طیارہ شکن فائر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ایک گن پوزیشن کو چُن چُن کر نشانہ بنایا اور جب وہ ایمونیشن ختم کر کے اوپر اُٹھے اور نیچے کا جائزہ لیا تو دشمن کا تمام کا تمام توپخانہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکا تھا۔

اس شام لاہور سیکٹر کے کمانڈر میجر جنرل سرفراز نے پاک فضائیہ کو اس قدر کامیاب فضائی حملے اور اس قدر غیر معمولی شجاعت پر مبارک باد کا پیغام بھیجا۔ پاک فضائیہ نے پاک فوج کو آتش فشاں پہاڑوں سے محفوظ کر دیا تھا۔

فلائٹ لفٹننٹ سید منصور الحسن ہاشمی

جہلم میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ ۱۹۵۴ء میں پاک فضائیہ میں شامل ہوئے۔ پی۔ اے۔ ایف کالج میں انھیں ''آل راؤنڈ فلائٹ کیڈٹ'' قرار دیا گیا اور اُنھیں ''سورڈ آف آنر Sword of Honour'' عطا کی گئی۔ جنگ کے دوران جرأت مندانہ اور جچی تلی جنگی قیادت کے صلے میں اُنھیں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری طور پر ان کے مثالی کارناموں کو سند میں ان الفاظ میں لکھا گیا:

> ''فلائٹ لفٹننٹ ہاشمی دشمن کے خلاف بہت سے فضائی حملوں اور دفاعی معرکوں میں لیڈر یا ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے شریک ہُوا۔ اس کے فضائی حملے جموّں، سیالکوٹ سیکٹر اور واہگہ قصور سیکٹر میں دشمن کے فوجی جمگھٹوں پر مرکوز رہے۔ اس نے ہر جنگی پرواز کی قیادت چابک دستی سے کی جس کی بدولت اُس کا ہر حملہ کامیاب رہا حالانکہ دشمن کے دفاعی انتظامات معمولی نہیں تھے۔ اس کا طیارہ چھ بار طیارہ شکن گنوں کی زد میں آ کر مجروح ہوا لیکن وہ اپنا مشن مکمل کر کے ہی واپس آیا۔۔
>
> ''۲۱، ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز اس کا مشن خصوصیت سے کامیاب تھا۔ اس مشن میں اس نے دُشمن

کی بہت سی دُورمار توپوں کو تباہ کیا جو لاہور پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ اس جرأت مندانہ کامیابی پر اسے پاک فوج کے ایریا کمانڈر نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا۔"

فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ خان

رہتک میں پیدا ہوئے۔ اب ان کا خاندان لائل پور میں آباد ہے۔ ستمبر کی جنگ میں انھیں دشمن کے خلاف جارحانہ جذبے عزم کی پختگی اور دُوررس قیادت کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری سند میں ان کے کارناموں کا ذکر ان الفاظ میں تحریر ہوا:

"فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ خان دشمن کے خلاف بہت سے فضائی حملوں اور معرکوں میں لیڈر یا ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ اس کے اندازِ پرواز میں ایسا جنگجویانہ جذبہ اور مستعدی تھی جس نے اس کی فارمیشن کے ہوابازوں میں خود اعتمادی قائم رکھی۔ وہ امرتسر اور فیروزپور کے ریڈاروں پر، گورداسپور ریلوے سٹیشن اور دھاری وال کی گولہ بارود والی ریل گاڑی پر حملوں کے لیے گیا اور اس کے حملے کامیاب رہے۔ اس کے علاوہ اس نے پاک فوج کے اگلے مورچوں کو فضائی مدد دی اور دشمن کے اگلے پچھلے مورچوں پر تباہ کن حملے کیے حالانکہ دشمن کی طیارہ شکن گنیں اس پر مسلسل فائر کرتی رہیں۔

"۲۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز اُس کی فارمیشن نے خصوصیت سے کامیاب حملہ کیا جس میں اس نے اپنے ہوابازوں کے ساتھ دشمن کی بہت سی بڑی توپوں کو تباہ کیا۔ یہ توپیں لاہور پر گولہ باری کر رہی تھیں۔"

سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا

سندھ یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر داؤد پوتا مرحوم کے بیٹے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ڈی۔ جے کالج کراچی سے ڈگری لی اور ۱۹۵۵ء میں پاک فضائیہ میں کمشن پایا۔ ستمبر کی جنگ کے دوران انھیں جان کی پرواہ نہ کرتے



بھارتی سینا کے مورچوں پر پاک فضائیہ کے شاہینوں کا حملہ (گن کیمرہ فوٹو)



فلائٹ لفٹیننٹ امان اللہ خان ستارۂ جرأت

سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا ستارۂ جرأت



ہوئے جنگی مشن مکمل کرنے کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری ریکارڈ میں ان کی شجاعت اور بے خوف قیادت کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا:

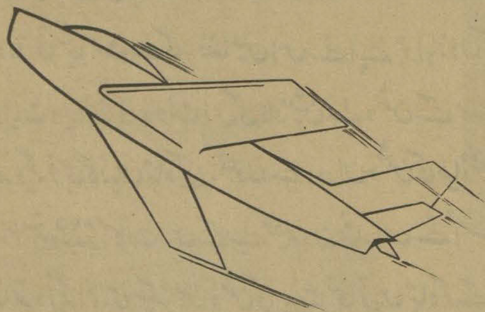
"ایک فائٹر سکواڈرن کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا نے جنگ کے دوران بہت سی جارحانہ اور دفاعی اڑانیں کیں۔ اس نے ہر مشن کی قیادت مستعدی، جنگی قابلیت اور ذاتی شجاعت سے کی۔ فضا میں اس نے اپنے ہوابازوں کو ہمیشہ قابل فہم اور نہایت صحیح ہدایات دیں جن کی بدولت اس کی فارمیشن نے دشمن کے بہت سے ٹینک، توپیں، بکتر بند اور دیگر فوجی گاڑیاں تباہ کیں۔ حملوں کے دوران دشمن کی طیارہ شکن گنیں ان پر مسلسل فائر کرتی رہیں۔
"۱۲ ستمبر ۶۵ء کا دن اس کے لیے عظیم دن تھا۔ اس نے اُس روز اپنے ہوابازوں کے ساتھ واہگہ اٹاری سیکٹر میں دشمن کی بہت سی توپیں تباہ کر کے پاک فوج کو ان کی گولہ باری سے نجات دلائی۔"

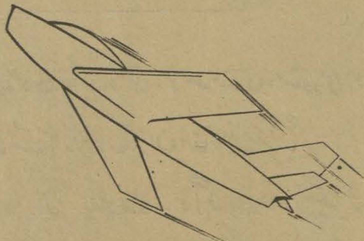
فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم

ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ جنگی پرواز میں غیر معمولی چابک دستی، حوصلہ مندی، مستعدی اور فرض شناسی کے صلے میں اعظم کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سرکاری سند میں ان کے کارناموں کو ان الفاظ میں تحریر کیا گیا:

"فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم جنگ کے دوران سیالکوٹ، واہگہ اور قصور سیکٹر میں بہت سے جارحانہ اور دفاعی حملوں میں شریک ہوا۔ پُرخطر دشواریوں کے باوجود اُس نے غیر معمولی یکسوئی، ذہانت اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ دشمن کی توپیں خندقوں میں چھپی ہوئی اور ٹینک بکھرے ہوئے تھے لیکن سیف الاعظم نے ڈھکی چھپی گن پوزیشنوں اور ٹینکوں کو ڈھونڈ لیا اور سب کو تباہ کر دیا۔ اس نے ذاتی طور پر جس انداز سے حملے کیے وہ دوسرے ہوابازوں کو اُکسانے کے کام آیا۔
"۱۹ ستمبر ۱۹۶۵ء اس کا وائرلیس سسٹم ناقص تھا، جس سے فارمیشن کے ساتھ اس کا رابطہ ٹوٹ گیا۔

اس کے باوجود اُس نے مستعدی اور جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے ایک نیٹ طیارے کو مار گرایا۔





۱۹ ستمبر کا معرکہ

فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم، سکواڈرن لیڈر داؤد پوتا کا نمبر ۲ تھا۔ وہ دونو پاک فوج کو سیالکوٹ سیکٹر میں فضائی مدد دے رہے تھے۔ چونڈہ کے تاریخی میدان میں دشمن کی بکتر بند قوت کا دم خم اس حد تک توڑا جا چکا تھا کہ بھارتی کمانڈروں کے سیالکوٹ کو کچل کر جرنیلی سڑک تک پہنچنے کے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ اب بھارتی محض خفت مٹانے کی خاطر چونڈہ کے میدان میں بکتر بند کمک جھونک رہے تھے۔ پاک آرٹلری اور پاک فضائیہ دشمن کی کمک کا وہی حشر کر رہی تھی جو اس کی پہلی ٹینک رجمنٹوں کا ہو چکا تھا۔ ہر سُو دشمن کے جلے ہُوئے اور تباہ شدہ ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے۔

۱۹ ستمبر کے روز سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا اپنی فارمیشن کے ساتھ اہڑ ریلوے سٹیشن (سیالکوٹ سیکٹر) کے قریب دُشمن کے ٹینکوں پر بجلی بن بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ پاک فوج کے کنٹرولر نے انھیں خبردار کیا کہ چند بھارتی لڑاکا طیارے ان کے پیچھے آرہے ہیں۔ اس وقت تک داؤد پوتا اور اس کے ہوابازوں کا ایمونیشن ختم ہو چکا تھا اور وہ واپسی کا رُخ کر چکے تھے لیکن دشمن کے نیٹ طیاروں نے انھیں آلیا۔ عظیم داؤد پوتا نے اپنے ہوابازوں کو فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ تمام طیاروں کی ٹینکیاں پروں سے الگ ہو کر سیالکوٹ کی سرزمین پر گر پڑیں۔

عظیم سناتا ہے ——— "میں نے بائیں طرف دیکھا۔ میرے نمبر ۲، اور نمبر ۳ کے عقب میں دشمن کے چار نیٹ طیارے حملے کے لیے آرہے تھے۔ میں وائرلیس پر چلایا ——— "بائیں کو ہو جاؤ" ——— دونو ہوابازوں نے پھرتی سے اپنے طیارے بائیں کو کر لیے لیکن نیٹ فائرنگ شروع کر چکے تھے اور نمبر ۳، فلائٹ لفٹننٹ ایس ایم احمد

کا طیارہ زد میں آچکا تھا....

"ضرب معمولی نہیں تھی۔ مجروح طیارے کو فضا میں رکھنا آسان نہ تھا نہ معرکے سے نکلنا آسان لیکن احمد کی حاضر دماغی اور پرواز کی قابلیت طیارے کو بچالائی۔ اس نے اس قدر تباہ حال طیارے کو سنبھالے رکھا اور اڈے پر محفوظ اتار لیا۔ ہمارے پاس ایمونیشن اس قدر تھوڑا تھا کہ ہمیں معرکے سے نکل آنا چاہیے تھا لیکن ہم بھارتی ہوابازوں کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے.....

"میں نے دو نیٹ طیاروں کو دائیں طرف گھومتے دیکھا وہ ہمارے عقب میں آنے کے لیے پینترا بدل رہے تھے میں نے قلابازی کھائی اور پیشتر اس کے کہ دشمن ہمارے پیچھے پوزیشن لیتا میں ایک نیٹ کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ بھارتی ہواباز نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ وہ دراصل معرکے سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا میں اس کے تعاقب میں رہا لیکن نیٹ طیارہ سیبر سے تیز ہوتا ہے۔ میں نے تھراٹل پورا کھول دیا اور اس کے پیچھے گیا لیکن وہ میرے چنگل سے نکل گیا.....

"میرے نمبر ۲، فلائٹ لفٹیننٹ سیف الاعظم کا رابطہ ہم سے ٹوٹ چکا تھا۔ مجھے اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو گیا ہے لیکن اُس نے فضا میں اپنی موجودگی کا اعلان کر دیا۔ اس کا وائرلیس سسٹم تو کسی خرابی کی وجہ سے خاموش تھا لیکن اس کی مشین گنیں خاموش نہ رہ سکیں۔ اُس نے ایک نیٹ طیارے کو زد میں لے لیا تھا۔ بھارتی ہواباز بھی فلائٹ لفٹیننٹ ہی تھا ——— اعظم کی ٹکر کا فلائٹ لفٹیننٹ ——— لیکن پاک فضائیہ کے اس جری فلائٹ لفٹیننٹ نے بھارتی فلائٹ لفٹیننٹ کا کوئی داؤ نہ چلنے دیا۔ وہ اعظم سے بچنے کے لیے ماہرانہ کرتب دکھا رہا تھا۔ لیکن اعظم نے اسے رینج میں لیا اور چھوٹا سا برسٹ فائر کر کے نیٹ کو آگ لگا دی۔ بھارتی ہواباز پھرتیلا تھا۔ وہ جلتے طیارے سے پیراشوٹ سے کود آیا لیکن بھارت واپس نہ جا سکا۔ اسے پاک فوج نے گرفتار کر لیا۔ اس کا نام فلائٹ لفٹیننٹ مہادیو تھا ——— بھارت کے مہادیو کے بال و پر پاکستان کے شاہین نے نوچ ڈالے۔"

جب رعد ـــــ

انبالہ پہ کوندی

بھارتی سرحدوں کے دور اندر انبالہ انگریزوں کے زمانے کی مشہور چھاؤنی ہے۔ وہاں کا ہوائی اڈہ بھارت کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جنگِ ستمبر میں اس اڈے پر جدید ترین ریڈار کے علاوہ انتہائی دہشت ناک دفاعی انتظامات تھے۔ یہ خیال بھی عام تھا کہ وہاں زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائیل بھی نصب ہیں۔ اس اڈے اور وہاں کے جنگی ساز و سامان کو انڈین ایئر فورس کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی۔ پٹھان کوٹ، ہلواڑہ، آدم پور اور جام نگر کے فضائی اڈوں کو پاک فضائیہ بیکار کر چکی تھی۔ اب انڈین ایئر فورس کے بیشتر فضائی حملوں کی راہنمائی انبالہ سے ہوتی تھی۔ پاک فضائیہ کے شاہبازوں کے لیے انبالے کا ہوائی اڈہ ایک چیلنج بن گیا تھا۔ وہ تمام دشواریوں، فاصلے اور دشمن کے دفاعی خطروں سے آگاہ تھے لیکن انبالے کی تباہی ناگزیر ہو گئی تھی۔ پاک فضائیہ نے چیلنج قبول کر لیا۔

تارگیٹ (انبالے کے ہوائی اڈے) پر پہنچنے کا وقت ایک بجے رات مقرر ہوا۔ پاک فضائیہ کے دو بی۔۵۷ بمبار طیارے اپنے اڈے سے اُڑ گئے۔ ایک کا ہوا باز سکواڈرن لیڈر نجیب احمد خاں اور نیوی گیٹر (راہنما) فلائٹ لفٹننٹ ولیم بی ہورنی تھا۔ دوسرے بمبار کو ونگ کمانڈر نذیر لطیف اڑا رہا تھا اور اس کے ساتھ اورنگ زیب خاں نیوی گیٹر تھا۔ (بمبار طیارے میں دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ ایک پائلٹ اور دوسرا نیوی گیٹر)۔

بجھا بجھا سا چاند افق سے اُبھر رہا تھا۔ اس کی چاندنی، رات کو اور زیادہ پُراسرار اور زمین کے خدوخال کو اور زیادہ اجنبی بنا رہی تھی۔ دونوں بمبار طیارے بہت کم بلندی پر اڑے جا رہے تھے۔ انھیں زمین پر لا بنے لا بنے بے ڈھب سایوں کے سوا کوئی

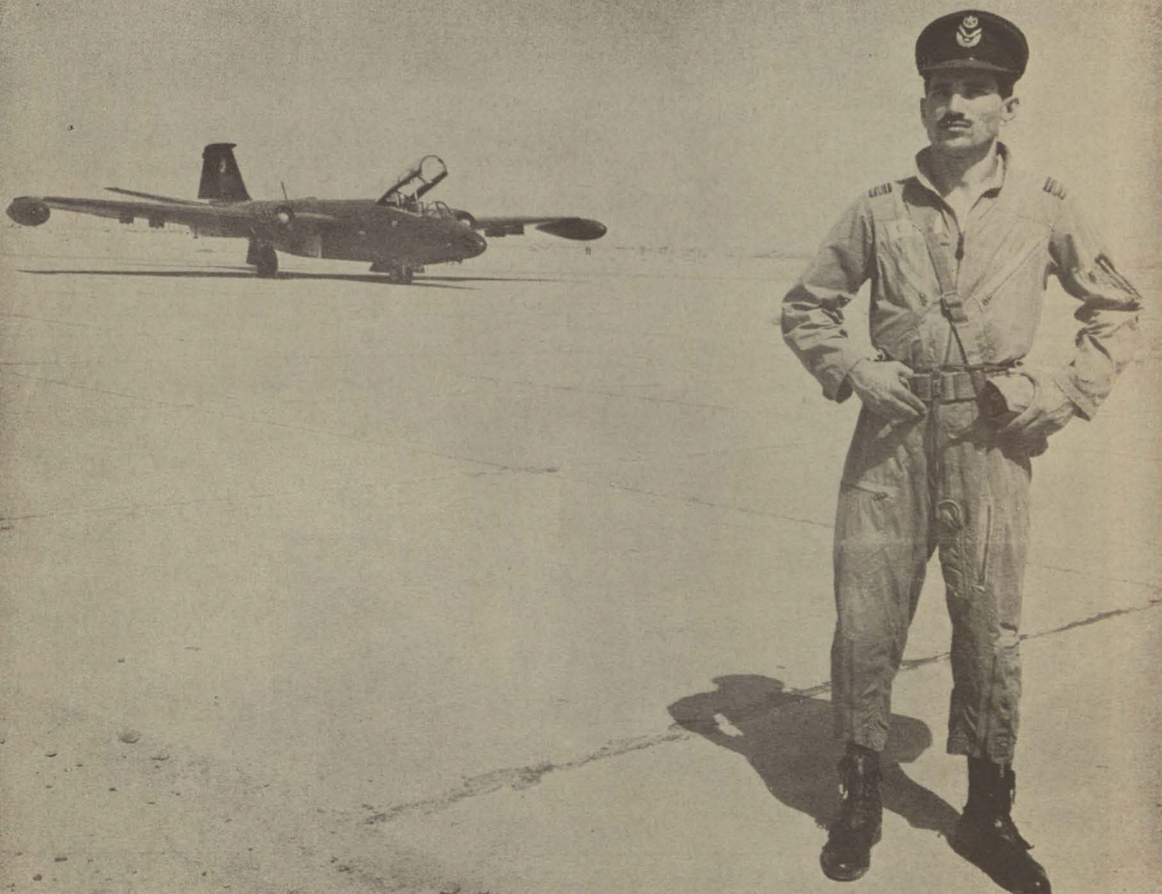
جانی پہچانی چیز نظر نہ آتی تھی۔ کہیں کہیں دریا، نہر یا ندی نالے کی بل کھاتی لکیر دکھائی دیتی تھی جسے برق رفتار طیارے پیچھے پھینکتے اڑے جا رہے تھے۔ بھارت کی فضا میں جنگ کی بُو باس رچی ہوئی تھی۔ ہوابازوں اور نیوی گیٹروں کو اپنے طیاروں کے انجنوں کی تھمی تھمی گونج کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ آپس میں بھی باتیں نہیں کر رہے تھے کیونکہ انھوں نے وائرلیس سیٹوں کو مصلحتہً خاموش رکھا ہُوا تھا۔

اگلے طیارے کا نیوی گیٹر فلائٹ لفٹننٹ ہورنی اپنے ہوابازوں کو راہ دکھا رہا تھا اور اس نے انبالے کا صحیح راستہ سیٹ کر رکھا تھا۔ ہورنی نے اکثر گُپ اندھیری راتوں میں بمبار طیاروں کو راہ دکھائی تھی لیکن وہ تربیتی پروازیں تھیں یا محض مشق ہوا کرتی تھی۔ مگر آج وہ طیاروں کو ایسی منزل پر لیے جا رہا تھا جہاں سے ان کا لَوٹ آنا کوئی ایسا یقینی نہیں تھا۔ وہ زندگی کی بازی لگا کر موت کا منہ بند کرنے جا رہے تھے۔ پاک فضائیہ کے ان چار شاہبازوں کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ انبالے کے ہوائی اڈے پر بمباری کرنے جا رہے ہیں جہاں دشمن نے انھیں فضا میں بھسم کر دینے کا غیر معمولی بندوبست کر رکھا ہے۔

سکواڈرن لیڈر نجیب اس جنگی مشن کی روئیداد اپنی زبانی یوں سناتا ہے ——— " وقت کے مطابق ہم نے اندازہ کر لیا کہ ہم انبالہ کے قریب ہیں۔ ہم نے طیارے اور نیچے کر لیے۔ چاند نکل آیا تھا لیکن دھند کی وجہ سے چاندنی ہمارے کسی کام کی نہیں تھی۔ کچھ نظر نہ آسکنے کی وجہ سے ہم سے شاید ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ پھر بھی ہم بڑھتے گئے۔ اچانک میرا وائرلیس سیٹ جاگ اٹھا۔ اپنے راہنما ہورنی کی آواز سنائی دی ——— "تارگیٹ، الیون اوکلاک (سامنے، ذرا بائیں) آرہا ہے"۔

" اس آواز نے میری رگوں میں سنسنی کی سی لہر دوڑا دی اور مجھ پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ میری رگ رگ بیدار ہو گئی اور یہ احساس اُبھر آیا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں نے مکمل طور پر چوکس اور مستعد ہو کر بمباری کے تمام سوئچ، بٹن اور دیگر آلات وغیرہ کا جائزہ لے لیا اور ایک دو بٹن دبا کر بموں کو پھٹنے کے لیے تیار کر لیا۔ اب بم ڈور Bomb Door (اُس جگہ کا ڈھکنا جہاں بم لگے ہوتے ہیں) کھولنا تھا اور ایک اور بٹن دبا کر بموں کو تارگیٹ پر گرانا تھا۔ انگوٹھے کی بظاہر ہلکی سی جنبش ہی تو تھی جیسے پلک جھپک ڈالی ہو۔ لیکن میں اس جنبش کی عظمت سے آگاہ تھا۔ قوموں کی تاریخ اسی ایک لمحے میں لکھ دی جاتی ہے۔ قوموں کی فتح و شکست کا دار و مدار اسی ایک جنبش اور اسی ایک لمحہ کی ذہنی کیفیت پر ہوتا ہے......

" انبالے کے ہوائی اڈے کے دفاع کی بہت داستانیں سنی تھیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے انگوٹھے کی جنبش سے ذرا ہی پہلے یا ذرا ہی بعد یا اسی عظیم لمحے کے دوران زمین پر بھی کوئی تو پچی اپنی انگلی کو ذرا سی جنبش دے دے گا اور میرے خون



سکواڈرن لیڈر نجیب احمد خان ستارۂ جرأت



پاک فضائیہ کے بمبار B-57 بمباری کے لیے بھارت کے کسی ہوائی اڈے کی طرف جا رہے ہیں

کے قطرے پھٹتے طیارے کے ساتھ انبالے کی فضا میں تحلیل ہو جائیں گے۔ لیکن وہ لمحات اپنی موت سے ڈرنے کے نہیں تھے۔ یہ لمحے اس مقصد کی تکمیل کے لیے تھے جو میری جان سے زیادہ قیمتی تھا۔ پاکستان کی آبرو کا انحصار ان ہی چند لمحوں پر تھا۔ میں نے بم ڈور کھول دیا اور انبالے کے دفاع کی ڈراؤنی کہانیوں کو ذہن سے جھٹک کر بمباری کے لیے پہلے حملے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں زمین سے بمشکل دو سو فٹ کی بلندی پر اُڑ رہا تھا۔ تاریکی ایسی تھی کہ اس قدر کم بلندی سے بھی زمین پر کچھ نظر نہ آتا تھا۔۔۔۔

"یک لخت میرے اردگرد کا آسمان دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں کے ٹریسر ایمونیشن سے چمکنے لگا۔ ہر سُو شرارے اور روشنی کی لکیریں پھیلنے لگیں اور میرا طیارہ روشنی اور شراروں کے جال میں اُلجھ گیا۔ انبالے کا دفاع واقعی چوکس اور شدید تھا۔ میرے طیارے کا اس قدر بے تحاشہ فائر کی زد میں نہ آنا ناقابلِ فہم تھا۔ دشمن کی مشین گنوں کی کئی بوچھاڑیں میرے طیارے کے پَروں اور باڈی Fuselage سے پار ہو گئیں اور طیارہ ہر بوچھاڑ پر لرز لرز گیا۔ طیارہ شکن توپ کے دو گولے اس قدر قریب سے گزرے کہ طیارہ جلنے سے کس طرح محفوظ رہا۔ گاہے یوں لگتا تھا جیسے میرے بے جان بمبار طیارے کو بھی میرے عظیم مقصد کا علم ہے۔ وہ نہایت وفاداری سے میرے قابو میں غراتا، گرجتا، گونجتا صحیح راہ اور رفتار پر اُڑا جا رہا تھا۔۔۔۔

"دشمن کا فائر عجیب انداز اور بھیانک رفتار سے عروج کو پہنچنے لگا۔ اس قدر فائر؟ یہ میرا پہلا بمباری کا حملہ نہیں تھا۔ میں نے جودھ پور، جام نگر، ہلواڑہ اور آدم پور کے فضائی اڈوں پر بمباری کی تھی۔ وہاں بھی دشمن کے طیارہ شکن فائر نے مجھے گرا لینے کی سرتوڑ کوشش کی تھی ——— وہاں کے طیارہ شکن توپچیوں نے بھی آسمان کو گولیوں اور گولوں سے بھر دیا تھا۔ میں اس آتش باری میں ٹھکانے پر بم گرا آیا تھا۔ لیکن انبالے کے آسمان میں تو جیسے دُشمن کی گنوں نے مچھلیاں پکڑنے والا آگ کے تاروں کا جال بُن کر میرے اردگرد پھینک دیا تھا۔ میں اس پرواز کو اپنی زندگی کی آخری پرواز سمجھنے لگا اور میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا۔۔۔۔

"یہ تو چند لمحوں کی بات تھی۔ میں ٹارگیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ٹارگیٹ قریب آیا تو میں نے خدائے ذوالجلال کو یاد کیا اور طیارے کو جھکی اڑان پر قابو میں رکھا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ہوائی اڈے کے ہینگروں (جن شیڈوں میں طیارے رکھے جاتے ہیں) کے مہیب سائے نظر آنے لگے۔ اس مقام پہ آ کر دشمن کی زمین اس قدر گولیاں اور گولے اُگل رہی تھی کہ آگے جانا جہنم میں کود جانے والی بات تھی۔ لیکن یہی تو میرا امتحان تھا۔ زبان پر اللہ کا نام اور انگوٹھا بمباری کے بٹن پر۔ میں دشمن کے خطرناک ترین فائر کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ ٹارگیٹ کا اندازہ کیا اور خدا کو یاد کر کے بٹن دبا دیا۔ میرے طیارے کے

پیٹ سے ایک ایک ہزار پونڈ کے چار بم نکلے جن سے طیارے نے اُوپر کو ہچکولہ کھایا۔ . . .

" میں دشمن کے فائر کے جہنم میں سے گزر کر نکل آیا۔ جانے کتنی گولیاں میرے طیارے کے ڈھانچے میں سُوراخ کرتی پار ہوگئیں، لیکن طیارہ پھٹنے سے بچ گیا۔ بیکار بھی نہ ہُوا اور میں طیارے سمیت نکل آیا۔ ابھی میرے طیارے میں چند اور بم بھی تھے۔ میں نے دوسرے حملے کے لیے طیارے کو گھمایا اور پھر دُشمن کی گولہ باری کا رُخ کر لیا۔ . . .

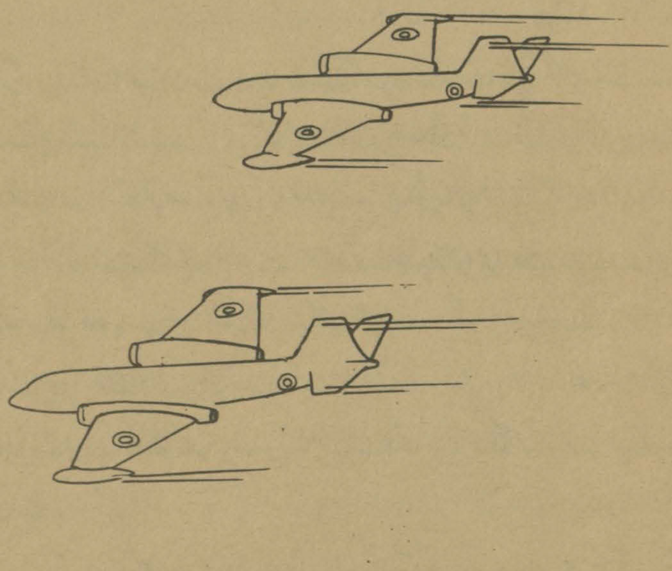
" میرے پہلے گرائے ہوئے بم انبالے کے ہوائی اڈے پر تباہی مچا چکے تھے۔ ان کی لگائی ہوئی آگ میں مجھے ہوائی اڈے کی چند عمارتیں اور باہر کھڑے کیے ہوئے طیارے بھی نظر آنے لگے لیکن دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے میرے اعصاب کو ہلا ڈالا تھا۔ میں نے طیارے کی رفتار تیز کر دی اور بمباری کے دوسرے حملے میں چلا گیا۔ میں ایک بار پھر دُشمن کے فائر کے جال کو چیرتا ہُوا اپنے بم اس مقام پر گرا کر نکل آیا جہاں انڈین ایر فورس کے لڑا بمبار طیارے کھڑے تھے۔ گھوم کے دیکھا کئی جگہوں سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ میرے یہ بم بھی ٹھکانے پہ لگے۔ . . .

" میں نے طیارے کا تیل چیک کیا۔ تیل تیزی سے کم ہو رہا تھا اور ہمیں واپس بھی آنا تھا۔ لیکن مجھے خیال آ گیا کہ میرے طیارے میں دو بم ابھی باقی ہیں۔ میں نے اب تمام خوف جھٹک ڈالے تھے۔ میں تیسرے حملے کے لیے گھوم گیا۔ اب کے میں اس مقام کی طرف بڑھا جہاں میں نے انڈین ایر فورس کے چند اور طیارے کھڑے دیکھے تھے۔ طیارہ شکن گنوں کا فائر پہلے کی طرح ہی ہولناک تھا۔ لیکن میں نے مکمل یکسوئی اور اطمینان سے بم گرائے۔ جب میں نے طیارے کا رُخ پاکستان کی طرف کیا تو انبالے کے ہوائی اڈے پر جگہ جگہ سے شعلے اور دھوئیں کی گھٹائیں اُٹھ رہی تھیں۔"

وِنگ کمانڈر نذیر لطیف بھی دشمن کے اِسی فائر کے آتشیں جال میں جھکی پرواز سے بم برسا رہا تھا۔ اس کی بے خوفی اور یکسوئی کا عالم بھی وہی تھا جو نجیب کا تھا۔ دشمن نے اِسے بھی مار گرانے کے لیے بہت آگ اُگلی لیکن نذیر لطیف بھی بے خوف و خطر آتش نمرود میں کود گیا اور پورے قلبی سکون سے بم ٹھکانے پر گرائے۔ انبالے کے دفاع کے متعلق جو سنسنی خیز کہانیاں مشہور تھیں ان کے آخری ایکٹ پر پردہ گرا کر دونو ہواباز واپس آ گئے۔

سکواڈرن لیڈر نجیب احمد خان کو غیر معمولی جرأت، پُرجوش قیادت اور فرض شناسی کے مثالی کارناموں کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ نجیب کے ایک بھائی سکواڈرن لیڈر جمال احمد خاں نے بھی شجاعت کے صلے میں ستارۂ جرأت حاصل کیا ہے۔

سکواڈرن لیڈر نجیب کا خاندان ۱۹۴۷ء میں یوپی (بھارت) سے ہجرت کر کے لاہور میں آباد ہوا تھا۔ بھارت کے پہلے ہوائی اڈے پر رات کی پہلی بمباری کی قیادت کا اعزاز نجیب ہی کو حاصل ہے۔



پاک فضائیہ کی پہلی بمباری
ـــــــ آدم پور کی تباہی

وہ ۶، ستمبر کی رات تھی۔ اسی رات کے لیے بھارت کے جنگ پسند حکمرانوں نے پروگرام بنائے تھے کہ لاہور ریڈیو سٹیشن سے لاہور کی فتح کا اعلان کریں گے۔ انھوں نے لاہور کے لیے ناظم (ایڈمنسٹریٹر) بھی مقرر کر دیا تھا اور اس رات انھیں لاہور میں جشن فتح بھی منانا تھا۔ جالندھر کے قریب آدم پور کے ہوائی اڈے پر انڈین ایر فورس کے کارندوں اور دیگر عملے کو تو یقیناً توقع ہی نہیں تھی کہ پاکستان ایر فورس میں بھی کچھ دم خم ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس رات انھوں نے آدم پور کے ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ بھی نہیں کیا تھا۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ جہاں تک طیاروں، جنگی ساز و سامان اور اسلحہ بارود کا تعلق ہے، انڈین ایر فورس کے مقابلے میں پاکستان ایر فورس کی تو کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔ انڈین ایر فورس والوں نے اگر اس زعم میں چھ ستمبر کی رات آدم پور کے ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ نہیں کیا تھا کہ پاکستانیوں میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ ہوائی حملہ کرنے آئیں تو ان کے اندازے کچھ ایسے غلط نہیں تھے۔

"لیکن . . . ." پاک فضائیہ کا بمبار ہواباز سکواڈرن لیڈر نجیب کہتا ہے ـــــــ "چھ ستمبر کی رات کو ہم نے چار **B-57** بمبار طیارے پاک فضائیہ کی تاریخ کے پہلے بمباری کے حملے کے لیے فضا میں چڑھا دیے۔ ایک بمبار کا ہواباز میں خود تھا، دوسرے کا فلائٹ لفٹننٹ بشر، تیسرے کا فلائٹ لفٹننٹ عثمان اور چوتھے کا فلائٹ لفٹننٹ مظہر۔ میرے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ عرفان نیوی گیٹر تھا۔ بشر کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ رشید، عثمان کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ ہورنی اور مظہر کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ غوری۔ اُڑتے وقت عثمان کو کچھ دیر ہو گئی تھی۔ میں اور بشر فضا میں بلند ہو گئے۔ ذرا ہی دیر بعد عثمان اور مظہر کے طیارے

بھی ہم سے فضا میں آملے . . . .

"ہمارے نیوی گیٹروں نے ہماری راہ متعین کر دی اور ہمارے طیارے بھارت کے ایک اہم ہوائی اڈے، آدم پور (جالندھر) کی سمت غرانے لگے۔ بشر کا طیارہ مجھ سے کوئی ایک میل آگے تھا۔ وہ مجھے فضا میں سیاہ بھوت کی طرح نظر آرہا تھا لیکن اندھیرا گہرا ہونے لگا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے وائرلیس پر بشر کو کہا کہ تم مجھے نظر نہیں آرہے 'ذرا قریب رہو۔ وہ طیارے کو قریباً چھ سو گز تک میرے قریب لے آیا لیکن پھر بھی میں وائرلیس پر بشر کی آواز سن سکتا تھا اس کا طیارہ نظر نہ آتا تھا اور نہ وہ میرے طیارے کو دیکھ سکتا تھا۔ ہم اپنے سے کہیں زیادہ طاقت ور دشمن پر وار کرنے جا رہے تھے۔ جذبہ اپنی جگہ لیکن حقائق کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم میں سے کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم واپس آجائیں گے۔ وہ آزمائش کی کٹھن گھڑی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا، اتنا قریب جہاں سے ہم اس رات کی تیرگی میں بھی ایک دوسرے کو نظر آتے رہیں، لیکن بشر مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے سوچا کہیں ہم تیرہ وتار رات میں اِدھر اُدھر نہ ہو جائیں۔ راہ سے بھٹک جانا ممکن نہیں تھا، ہمارے ساتھ منجھے ہوئے نیوی گیٹر تھے۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں کو قریب رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک خطرہ مول لے لیا، وہ یہ کہ بشر کے ساتھ نظری رابطہ قائم کرنے کے لیے میں نے نیوی گیشن بتیاں (جو طیارے کے باہر لگی ہوتی ہیں) جلا دیں۔ حملے پہ جاتے وقت ان بتیوں کو بجھائے رکھتے ہیں کیونکہ فضا میں جلتی بتیاں بڑی دُور سے طیارے کی نشاندہی کر دیتی ہیں لیکن میں نے اپنی ضرورت ہی کو پیش نظر رکھا . . . .

"ہم پاک فضائیہ کی پہلی بمباری کے لیے جا رہے تھے۔ آج ہی رات کے لیے ہمیں سکولوں میں آباؤ اجداد کی شجاعت اور حریت کے قصے ازبر کرائے گئے تھے اور آج ہی رات اور اسی جنگی مشن کے لیے مجھے پاک فضائیہ نے تیرہ برس تربیت دی تھی۔ اب وہ وقت آگیا تھا جب مجھے بھارت کے حکمرانوں اور دُنیا والوں کو ثابت کر دکھانا تھا کہ پاکستانی اپنی آبرو پر کٹ مرنا جانتے ہیں . . . . .

"ہم سرحد عبور کر کے دشمن کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ میرا خون کھولنے لگا۔ خون تو ہمارا اسی وقت کھول اُٹھا تھا جب پہلی اطلاع ملی تھی کہ بھارت نے پوری عسکری قوت سے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ اسی صبح کی اشتعال انگیز اطلاع تھی۔ پاک فضائیہ کے جانبازوں کی اس وقت کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے شہریوں نے اپنی فضا کے طیارے تو اکثر اُڑتے دیکھے ہوں گے۔ کاش وہ شب کی تیرگی میں جنگ کے دوران اپنے شاہبازوں کی جنگی اُڑانیں دیکھ

سکتے، لیکن ہم انھیں دکھانا نہیں چاہتے تھے۔ ہم تو قوم کے سوئے ہوئے معصوم بچوں کو جگانا بھی نہیں چاہتے تھے....

"اور چھ ستمبر کی رات جب میں اپنی بمبار فارمیشن کے ساتھ پاک فضائیہ کے پہلے بمباری کے حملے کے لیے دشمن کی سرحد میں داخل ہوا تو مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس کا ذائقہ میں نے پہلے کبھی نہیں چکھا تھا۔ لگا ہے یوں لگتا جیسے میں نجیب نہیں ہوں، شاہباز ہوں۔ میرے دل و دماغ پر صرف یہ احساس غالب تھا کہ میری قوم آج کی رات بے چین ہے۔ وہ جنگ کی پہلی رات تھی نا! قوم کو میری ذات پر کلی اعتماد تھا اور مجھے آج رات، آج رات ہی، ثابت کر دکھانا ہے کہ میں اور میرے ساتھی ہوا باز اس اعتماد کے امین ہیں...

"اندھیرا سیاہ کالا ہو گیا۔ ہمارے نیوی گیٹروں کے لیے یہ اندھیرا چیلنج تھا۔ زمین کے خد و خال تو نظر ہی نہ آتے تھے۔ وائرلیس پر عثمان کی آواز بار بار سنائی دیتی تھی **No contact** (رابطہ نہیں ہے) اس کی آواز مجھے پریشان کر رہی تھی۔ کیا وہ راہ سے بھٹک تو نہیں گیا؟ میں بمباری کے حملے کی دشواریوں اور خطرات سے آگاہ تھا۔ میں مضطرب سا ہو گیا لیکن اچانک خیال آیا کہ میں ایک عیار اور بے اصول دشمن پر بمباری کرنے جا رہا ہوں۔ اس خیال نے پریشانی رہنے دی نہ اضطراب۔ میرے اعصاب ہلکے پھلکے ہو گئے اور دل و دماغ پر یہ اشتعال انگیز احساس چھا گیا کہ بھارت نے آج صبح پاکستان پر حملہ کر دیا ہے....

"مجھے اپنے پروں تلے دریائے بیاس کی ہلکی سی لکیر نظر آئی ——— چپ چاپ، ساکن سی لکیر جیسے بھارت کا سانپ دم سادھے پڑا ہو۔ میں نے نیویگیشن بتیاں بجھا دیں۔ ہم بہت کم بلندی پر اڑے جا رہے تھے۔ جونہی آدم پور قریب آیا ہم نے طیارے اوپر کھینچ لیے۔ طیارے گرجتے ہوئے بلندی کی طرف اُٹھے۔ نیچی پرواز کی بمباری کے لیے طیاروں کو اوپر اٹھانے کا انداز بہت اہم ہوتا ہے۔ حملے کی کامیابی کا دار و مدار اسی پینترے پر ہوتا ہے....

"ہا ہا ہا! آدم پور کے ہوائی اڈے کی تمام بتیاں یوں جل رہی تھیں جیسے دیوالی منائی جا رہی ہو۔ بھارت نے اسی روز پاکستان پر حملہ کیا تھا۔ انڈین ایر فورس کو فتح کا اس قدر یقین تھا کہ انھوں نے اپنے ایک اہم ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔ ان جلتی بتیوں کو دیکھ کر مجھے محسوس ہوا جیسے دشمن ہم پر طنز کر رہا ہو کہ پاکستان ایر فورس میں اتنی ہمت کہاں کہ فضائی حملے کے لیے طیارے بھیج سکے۔ مجھے خوشی بھی ہوئی کہ ہم دشمن پر اچانک آ جھپٹے ہیں ورنہ آج کے ریڈار اور دوسرے ذرائع بہت پہلے خبردار کر دیا کرتے ہیں کہ حملہ آور طیارے آ رہے ہیں.....

"میں نے طیارے کو تارگیٹ پر غوطے میں لے جانے کو گھمایا۔ میرا تارگیٹ انڈین ایر فورس کے چند طیارے تھے جو رن وے کے قریب کھڑے تھے ——— کس قدر پُرانگیخت تارگیٹ تھا۔ میں نے طیارے کو بمباری کے لیے سیدھا کیا۔ مطلوبہ بلندی

پر تارگیٹ کے قریب پہنچ کر بم گرانے کا بٹن دبایا مگر بم نہ گرے ــــــ میں جھلا اُٹھا اور آگے نکل گیا۔ میرے پیچھے بشر کا طیارہ تھا۔ وہ بچی تلی اڑان میں آ رہا تھا۔ اس نے بم گرا دیے۔ سارے بم ٹھکانے پہ گرے۔ جونہی بم پھٹے ہوائی اڈے کی بتیاں گُل ہو گئیں اور دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے آتش بار ہنگامہ بپا کر دیا جیسے سوئے ہوئے کتوں کا ہجوم جاگ اُٹھا ہو ــــــ بھارتی جاگ اُٹھے تھے۔ لیکن اب بتیاں گُل کر دینے سے کوئی فرق نہ پڑا کیونکہ بشر کے بموں نے نیچے کئی جگہوں پر آگ لگا دی تھی۔ ان شعلوں میں ہمیں ہوائی اڈے پر وہ سب کچھ نظر آ رہا تھا جسے ہم دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن میری جذباتی کیفیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس کے بم ہی نہیں گرے تھے۔ کیا میں دشمن پر وار کیے بغیر لوٹ جاؤں گا؟ بڑی کوفت ہو رہی تھی.....

"میں دوسرے حملے کے لیے جانے لگا تو عثمان کی آواز سنائی دی۔ اُس نے کہا ــــــ 'لیڈر! بہتر ہے تم دوسرے حملے کے لیے نہ جاؤ۔ دشمن کا فائر بہت زیادہ ہے اور تمہارے بم گر نہیں رہے' ــــــ عثمان کا خیال تھا کہ میرے بم تو گریں گے نہیں، میں کیوں خطرے میں جاؤں لیکن میں نے اسے جواب دیا ــــــ 'پرواہ نہیں' ــــــ میں اس تصور کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ میں بم واپس لے جاؤں گا.....

"میں نے بمباری کے بٹنوں اور سوچوں کو دوبارہ سیٹ کیا اور بم گرانے کا متبادل طریقہ اختیار کیا۔ میں نے نشانہ لیا اور خدا نے میری مُراد پُوری کر دی ــــــ میرے طیارے نے چار بم گرا دیے ــــــ دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے اس قدر زیادہ اور اتنا فائر شروع کر دیا تھا کہ اس سے زندہ نکل آنا محال نظر آتا تھا۔ سارے آسمان پر ٹریسر ایمونیشن اور پھٹتے گولوں کی چمک تھی۔ عثمان کا طیارہ ایک گولے کی زد میں آ گیا لیکن وہ تمام بم ٹھکانے پر گرا کر پاکستان کی طرف ہو لیا.....

"میں نے تیسرے حملے میں ہوائی اڈے کے ٹیکنیکل ایریا (جہاں طیاروں کی انسپکشن، مرمت اور دیکھ بھال وغیرہ ہوتی ہے) کا نشانہ لیا۔ میں بچی تلی اڑان پر طیارہ شکن فائر میں سے گزرتا اس تارگیٹ پر آیا اور چار بم گرا دیے جن میں سے دو بم اس قدر برخوردار نکلے کہ سیدھے تیل پیٹرول کے ذخیرے میں جا گرے۔ یوں نظر آیا جیسے کئی آتش فشاں پہاڑوں نے یکبارگی دہانے کھول دیے ہوں۔ شعلے سینکڑوں فٹ اوپر اٹھنے لگے اور آدم پور کا چپہ چپہ روشن ہو گیا.....

"میں چوتھے حملے کے لیے آیا اور اب کے میں نے اُس جگہ کو تارگیٹ چُنا جہاں طیاروں کو اُڑنے سے پہلے کھڑا کیا جاتا ہے۔ طیارہ شکن گنیں پہلے سے زیادہ تیزی سے بھونک رہی تھیں۔ میں نے یکسوئی سے بموں کی آخری قسط بھی انڈین ایئرفورس کو ادا کر دی اور میں طیارے کو بلندی پہ لے گیا۔ ہمارا ایک پاک فضائیہ کا بمباری کا پہلا حملہ ہر لحاظ سے کامیاب تھا۔ میری

فارمیشن کے بمبار ہوا بازوں نے اپنے اپنے ٹارگیٹ منتخب کر کے دشمن کے ایک اہم ہوائی اڈے کو مکمل طور پر تہس نہس کر ڈالا تھا.....

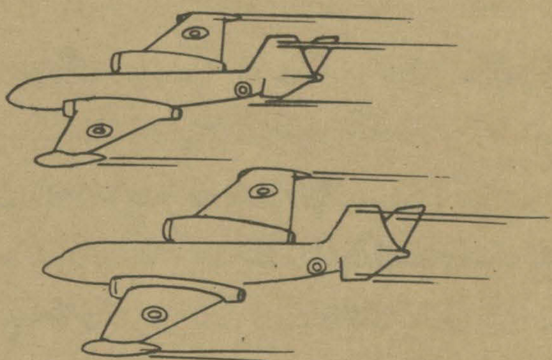
"ہمارا حملہ ختم ہو چکا تھا لیکن میں بلندی پر چلا گیا اور اپنی فارمیشن کی مچائی ہوئی تباہی کا نظارہ کرنے لگا ——— بہت خوبصورت منظر تھا ——— جگہ جگہ سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ان شعلوں میں چند ایک طیارے جلتے الگ تھلگ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ غالباً مسٹیئر تھے یا میٹئر ہوا کرتے تھے۔ مجھے اس خیال نے انوکھا سا سکون دیا کہ انڈین ایئر فورس کے وہ طیارے شاید اسی اڈے سے اڑے تھے جنھوں نے اسی صبح وزیر آباد کے قریب ایک مسافر گاڑی پر راکٹ مار کر بے گناہ شہریوں کو شہید اور زخمی کیا تھا۔ اس اڈے کو اب شعلے چاٹ رہے تھے۔ مجھ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ فتح و کامرانی کا خمار شاید ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ میں اور میرے ساتھی اپنی قوم کے سامنے سُرخرو ہو گئے تھے۔ لیکن نہیں۔ ابھی نہیں۔ یہ تو ہماری پہلی ضرب تھی......

"ہم چاروں بخیریت واپس آ گئے۔ دشمن کی طیارہ شکن گن کا گولہ عثمان کے طیارے کے بائیں پر میں سُوراخ کرتا نکل گیا تھا۔ عجیب بات ہے کہ گولہ پھٹ نہ سکا۔ آدم پور کے شعلوں اور عثمان کے طیارے کے اس سُوراخ نے ہمارے حوصلے اور زیادہ پختہ کر دیے اور طیارہ شکن گنوں کا جو ذرا سا ڈر تھا وہ بھی دل سے نکل گیا.....

"جب ہم اپنے ہوائی اڈے پر اترے تو ہم نے اپنے آپ کو بدلے ہوئے رُوپ میں پایا۔ ہمارے خیالوں میں انقلاب آ گیا تھا۔ ہماری ضرب کاری تھی۔ ہوائی اڈہ بلیک آؤٹ کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اس تاریکی کے باوجود وہاں دن کی سی سرگرمی اور ہماہمی تھی۔ ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں یا بھاگ دوڑ میں مصروف تھا اور ہشاش بشاش بھی۔ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اتنی ساری رات گزر گئی ہے۔ طیارے آ بھی رہے تھے، جا بھی رہے تھے، اتر بھی رہے تھے، چڑھ بھی رہے تھے۔ اس رات کا اندھیرا مجھے بڑا ہی پیارا لگا.....

"ہمارے گراؤنڈ کریو نے پلک جھپکتے ہمارے طیاروں میں تیل ڈال دیا اور نئے بم لگا کر اگلے حملے کے لیے تیار کر دیا زمین پر کام کرنے والوں کی پھُرتی قابل داد تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ عثمان کا طیارہ کئی دنوں بعد مرمت ہو سکے گا۔ سُوراخ چھوٹا نہ تھا لیکن گراؤنڈ کریو نے اطلاع دی کہ وہ طیارہ بھی اگلے مشن کے لیے تیار ہو گیا ہے ——— زندہ باد! انھوں نے اتنا بڑا سُوراخ جانے کس طرح اتنی جلدی بند کر لیا تھا؟ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ ہم تو اُڑتے ہیں تو فضا میں ہمارے طیاروں کو

ایک دنیا دیکھتی ہے لیکن ان زمین پر کام کرنے والے گراؤنڈ کریئو کی محنت، خلوص اور ہنرمندی کو بھی کسی نے دیکھا ہے؟ وہ چُپ چاپ پسِ پردہ طیاروں کو ہر لمحہ اڑنے کے قابل بنانے میں مگن رہتے ہیں۔ ہماری کامیاب جنگی اڑانوں کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ میں انھیں عقیدت بھرا سلام کرتا ہُوں۔"



..... اور پٹھانکوٹ
لڑاکا شاہبازوں کی پہلی جھپٹ!

جس رات آدم پور کے ہوائی اڈے پر بم برسائے گئے، اسی دن کے پچھلے پہر پٹھانکوٹ کے اڈے پر راکٹوں اور مشین گنوں سے انڈین ایئر فورس کے بال و پر زمین ہی پر نوچے جا چکے تھے۔ یہ لڑاکا ہوابازوں کا پہلا اور بھرپور جوابی وار تھا۔

وہ چھ ستمبر کے تاریخی دن کا پچھلا پہر تھا۔ بھارت کا اچانک حملہ بی آر بی کے اس پار روک لیا گیا تھا لیکن بھارت کی عسکری قوت اور جنگی ساز و سامان کی افراط کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ پاک فوج دشمن کو بی آر بی پر ہی روکے رکھے گی۔ نہر کے باٹا پور اور بھینی کے پلوں پر زندگی اور موت کا انتہائی خونریز معرکہ جاری تھا۔ دشمن شدید گولہ باری کے کور میں حملے پہ حملہ کر رہا تھا اور پاک فوج کے جیالے پلاٹونوں اور سیکشنوں کی نفری میں جان کی بازی لگائے مورچے کھودے بغیر ہر حملے کو سینے پہ لے رہے تھے۔ پلوں کو توڑنا بھی ممکن نظر نہ آتا تھا۔ دشمن کو اپنی ہوائی قوت پر ناز تھا۔ لاہور سیکٹر میں اپنی بری فوجوں کو فضائی مدد دینے کے لیے وہ آدم پور اور پٹھانکوٹ کے اڈے استعمال کر رہا تھا۔ پٹھانکوٹ انڈین ایئر فورس کا ایک بڑا اڈہ تھا جو اس لحاظ سے بڑا اہم تھا کہ وہاں سے لاہور سیکٹر کے علاوہ سیالکوٹ جموں سیکٹر کو بھی زد میں لیا جا سکتا تھا۔ اس اڈے کو تباہ کرنا بہت ضروری تھا۔

پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر گراؤنڈ کریو چند ایک لڑاکا طیاروں کا آخری معائنہ کر رہے تھے۔ تیل کی ٹینکیاں بھری جا چکی تھیں۔ مشین گنوں میں ایمونیشن کے پٹے ڈالے جا چکے تھے۔ پروں کے ساتھ راکٹ لگا دیے گئے تھے اور طیارے ہوابازوں کے بغیر ہی اڑ جانے کو تیار نظر آتے تھے۔

اڈے کے سکواڈرن روم سے قہقہے اُٹھ اُٹھ کر اڈے کی جنگی گہما گہمی میں شگفتگی بھر رہے تھے۔ کوئی ہواباز اپنے ساتھیوں کو لطیفہ سنا رہا تھا۔ اپنے سے کئی گنا طاقت ور دشمن کے علاقے میں دُور اندر جا کر حملہ کرنے سے پہلے ہنسی مذاق اور بیساختہ قہقہے پاک فضائیہ کے شاہبازوں کے جذبۂ شہادت کا پتہ دیتے تھے۔ وہ موت سے چھیڑ خانی کر رہے تھے۔ پٹھانکوٹ پر حملے کے لیے جانے والے سکواڈرن کا تنومند کمانڈر، سکواڈرن لیڈر سجّاد حیدر ہوابازوں کو آخری ہدایات دے چکا تھا، اور انھیں ٹارگیٹ پر پہنچنے کے وقت کے علاوہ حملے کی تمام تر تفصیلات سے آگاہ کر چکا تھا۔

اُڑنے میں چند ہی منٹ باقی تھے۔ ہوابازوں نے پیراشوٹ اور ہوائی ٹوپیاں اُٹھائیں اور اپنے اپنے طیاروں کی طرف چل پڑے۔ سب کے چہروں پر متانت کا تاثر چھا گیا۔ چھوٹی سی ایر فورس کے یہ جری ہواباز اس احساس سے بیگانہ نہیں تھے کہ جس لمحے وہ پیراشوٹ لے کے نکلے ہیں تاریخ پاکستان بلکہ تاریخ اسلام کا ایک اور باب لکھا جانے لگا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا ہر قدم جو طیارے کی طرف اُٹھ رہا ہے اور ان کی ہر بات جو وہ ایک دوسرے سے کر رہے ہیں تاریخ کا حصّہ بنے گی بلکہ ان کے چہروں کے تاثرات بھی تقدیر اور تاریخ کے چہروں کے تاثرات بن جائیں گے۔

ہوائی اڈے پر ہواباز اور گراؤنڈ کریو کے آپس کے تعلقات خاصے بے تکلفانہ ہوا کرتے ہیں۔ گراؤنڈ کریو طیارے کو تیار کرتے ہیں اور ہواباز انھیں اُڑاتے ہیں لیکن چھ ستمبر کے پچھلے پہر فضا بہت مختلف تھی۔ اس روز جب ہواباز اپنے طیاروں تک پہنچے تو ہر ایک کے گراؤنڈ کریو نے انھیں بڑی ہی پیاری، بڑی ہی رُوح افزا مسکراہٹ اور جذباتی انداز سے طیارے پیش کیے۔ انھیں کاک پٹوں میں بٹھا کر اپنے ہاتھوں پیٹیاں باندھیں اور اپنے اپنے ہواباز کو بلند آواز سے 'خدا حافظ' کہا۔ یہ آوازیں دلوں سے نکلی تھیں اور کئی گراؤنڈ کریو کے چہروں کے تاثرات صاف کہہ رہے تھے ——— "کاش ہم بھی اپنے ہوابازوں کے ساتھ جا سکتے، انھیں یوں تن تنہا نہ بھیجتے۔"

کاک پٹوں میں بیٹھ کر ہوابازوں کے ہاتھ اور نظریں روزمرہ کی طرح ہر ایک سوئچ، بٹن، میٹر اور ہر آلہ چیک کرنے لگیں، پھر انجن چلنے لگے اور فضا انجنوں کی چیخ نما گرج سے لرزنے لگی اور طیارے ایک دوسرے کے پیچھے 'رن وے' کی طرف چل پڑے۔

ذرا ہی دیر میں ہوائی اڈہ طیاروں کی مہیب گونج سے لرزنے لگا۔ لیڈر کا طیارہ اور اس کے پیچھے اس کے نمبر ۲ کا طیارہ 'رن وے' پر چل پڑے ——— تیز، اور تیز، بہت تیز۔ اور دونو طیارے عجیب شان سے 'رن وے' سے اُٹھے

اور فضا میں بلند ہو گئے۔ ان کے پیچھے ایک اور۔ اس کے پیچھے ایک اور۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک دوسرے کے پیچھے تمام طیارے فضا میں جاکر دُور بہت دُور افق پر دھبوں کی طرح دکھائی دینے لگے۔ ہوائی اڈے سے ہزاروں آنکھیں انھیں دیکھ رہی تھیں۔ ہزاروں دلوں سے بے ساختہ دعائیں نکل رہی تھیں ـــــــ اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

صبح سے پاک فضائیہ پاک فوج کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ دشمن ہماری دفاعی لائن میں شگاف ڈالنے کے لیے تابڑتوڑ حملے کر رہا تھا۔ انڈین ایر فورس کے طیارے پاکستان کی سرحدوں کے اندر آکر حملے کر گئے تھے اور انھوں نے ریل گاڑی کے نہتے مسافروں کو بھی نہیں بخشا تھا۔ دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کی شدید ضرورت کے پیش نظر اس کے پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے کو پہلے حملے کے لیے منتخب کیا گیا تھا چنانچہ سکواڈرن لیڈر حیدر کی قیادت میں پاک فضائیہ کے آٹھ لڑاکا طیارے پٹھانکوٹ کی سمت روانہ ہو گئے۔

آٹھوں طیارے جنگی ترتیب میں اُڑتے ہوئے سرحد عبور کرکے دشمن کے ملک میں داخل ہو گئے اور انھوں نے غوطے لگا کر بلندی بہت کم کر دی۔ بھارت کی عیار فضا کو چیرتے ہُوئے آٹھ پاکستانی ہوا باز آنکھیں سکیڑے دشمن کے طیاروں کو تلاش کر رہے تھے۔ اچانک انھیں دُور جنوب کی طرف اُفق پر کچھ دھبے سے نظر آئے۔ وہ انڈین ایر فورس کے طیارے تھے جو یقیناً پاک فضائیہ کے حملے کو روکنے آئے تھے۔ آٹھوں ہوا بازوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔ پہلے فضائی معرکے کے تصور نے انھیں گرما دیا۔ وہ مضطر بھی ہوئے۔ انھوں نے انڈین ایر فورس کی قوت کی بہت کہانیاں سن رکھی تھیں اور وہ قوت فضا میں ان کے مقابلے میں آ رہی تھی، سب فضائی معرکے کے لیے تیار ہو گئے۔

سکواڈرن لیڈر حیدر مقابلے کے لیے ہر طرح سے تیار تھا، لیکن اسے افسوس سا ہونے لگا کہ اگر ان طیاروں سے اُلجھ گئے تو پٹھانکوٹ والا مشن دھرا رہ جائے گا۔ اگر پٹھانکوٹ کا خیال نہ ہوتا تو وہ وہیں دشمن سے دو دو ہاتھ کر لیتے۔ لیڈر نے کنی کترانے کا فیصلہ کر لیا۔ دشمن کے طیارے قریب آ رہے تھے اور اب اچھی طرح پہچانے جا سکتے تھے۔ حیدر کی فارمیشن پٹھانکوٹ کی راہ سے نہ ہٹی لیکن ہوا بازوں نے دشمن کے طیاروں پر نظر رکھی۔ عجیب بات ہوئی کہ دُشمن کے طیارے بھی اپنی راہ سے نہ ہٹے اور گزر گئے۔ انھوں نے شاید حیدر کی فارمیشن کو نہیں دیکھا تھا۔

پٹھان کوٹ صرف سات منٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ حیدر نے گھڑی دیکھی۔ پھر پلان کارڈ دیکھا اور اسے مسرت بھرا اطمینان ہوا کہ وہ بلا رکاوٹ ٹارگیٹ پر پہنچ رہے تھے۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ اپنے طیاروں کو اپنے ساتھ اڑتا دیکھ کر اس کا سینہ فخر سے پھیلنے لگا ـــــــ پاکستان کی آبرو کے آٹھ محافظ، آٹھ سرفروش ـــــــ حیدر نے نیچے دیکھا۔ وہ بھارت

کے دیہات کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔ اسے گاؤں کے لوگ بھاگ بھاگ کر باہر آتے اور آسمان کی طرف دیکھتے نظر آئے۔ وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ ہوائی جہاز کس کے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ان سادہ لوح دیہاتیوں کو شاید معلوم ہی ہو گا کہ ان کے اوچھے حکمرانوں نے سوئے ہوئے عقابوں کو چھیڑ دیا ہے۔

چھ منٹ گزر گئے۔ تمام ہوابازوں کو اپنے لیڈر کی آواز سنائی دی ——— "تمام پائلٹ . . . . فائرنگ سوئچ چیک کر لو ——— تارگیٹ میں ایک منٹ رہ گیا ہے۔"

یکایک آٹھوں طیارے یوں اوپر اٹھے جیسے چیل جھپٹے سے اُٹھتی ہے۔ وہ بھارت کے دھندلے دھندلے آسمان میں دُور اوپر چلے گئے۔ ہوابازوں کو اپنے لیڈر کی پُرعزم آواز سنائی دی ——— "تارگیٹ۔ سامنے۔ ذرا بائیں۔ طیارے کھڑے ہیں۔"

ہوابازوں کی رگوں میں خون اُبلنے لگا۔ وہ فائرنگ کی مشق میں تارگیٹ کے قریب جا کر اسی طرح اوپر اُٹھ کے غوطے میں جایا کرتے تھے۔ وہ آج بھی اسی انداز سے اوپر اُٹھے تھے لیکن وہ بے جان تارگیٹ ہوا کرتا تھا جہاں نیچے کوئی طیارہ شکن گنیں نہیں ہوا کرتی تھیں مگر آج دشمن کا جیتا جاگتا ہوائی اڈہ تھا جہاں کے طیارہ شکن توپچیوں نے انھیں دیکھ لیا تھا اور ان پر نشانے باندھ کر بارش کی طرح فائرنگ شروع کر چکے تھے۔ زمین و آسمان پر موت ہی موت تھی جس کے دھماکے اور چنچیں طیارہ شکن گنوں کی زبانی سنائی دے رہے تھے۔ لیکن پاک فضائیہ کے یہ آٹھ شاہباز ڈرنے کے لیے یا دشمن کے فائر سے بچنے کے لیے نہیں آئے تھے۔

انھوں نے طیارے غوطوں میں ڈال دیے۔ نیچے کھلے میدان میں انڈین ایرفورس کے کچھ مسٹیر طیارے الگ الگ کھڑے تھے۔ پاک ہوابازوں نے اپنا اپنا تارگیٹ چن لیا۔ فائرنگ بٹن راکٹوں پہ کر کے نشانے باندھے اور بٹن دبا دیے۔ طیاروں نے راکٹوں کی بوچھاڑیں اگلیں اور پلک جھپکتے دشمن کے جدید ترین جیٹ طیاروں کے ٹکڑے دُور دُور فضا میں بکھر گئے اور شعلوں اور دُھوئیں کی گھٹاؤں میں گرنے لگے ——— پاک فضائیہ کی پہلی ضرب کاری تھی۔

انھیں ابھی تک صرف مسٹیر طیارے نظر آئے تھے لیکن حیدر کی عقابی نگاہوں نے وہاں کچھ اور بھی دیکھ لیا۔ جب یہ طیارے غوطے سے اُٹھے تو ہوابازوں کو اپنے لیڈر، حیدر کی آواز سنائی دی ——— "یہاں مگ بھی ہیں۔ سب کو ختم کر دو" ——— پہلے تو انھیں مگ طیارے نظر ہی نہیں آئے تھے۔

پاک فضائیہ کے ہوا باز اوپر اُٹھ کر پھر غوطے میں چلے گئے۔ روس کے بنے ہوئے مگ MIG طیارے جنھیں فضائی

معرکوں کے لیے دنیا کے تیز اور خطرناک ترین طیارے اور فضا کی دہشت تسلیم کیا جاتا ہے، پاک ہوابازوں کے رحم وکرم پر پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر بے بس کھڑے تھے۔ ان کے ہواباز انھیں کھلے میدان میں چھوڑ کر مورچوں میں دبک گئے تھے۔ پاکستان کی مسافر گاڑی پر راکٹ برسانے والے بھارتی ہوابازوں میں اب پاکستانیوں کے مقابلے کی تاب نہیں تھی۔ پاکستانی ہواباز فضا میں بھارتی گنوں کے طیارہ شکن فائر کو چیرتے ہوئے مگ طیاروں پر جھپٹ پڑے اور فضا کی دہشت کو زمین پر ہی ختم کر دیا۔ وہ اُٹھے، وہ پھر غوطے میں آئے اور اب ان کی اُڑان اور جھپٹوں سے پتہ چلتا تھا کہ ان سیبر طیاروں میں بیٹھے ہوئے پاکستانی ہوابازوں پر جنون طاری ہو گیا ہے۔

سکواڈرن لیڈر رحید راس جنونی کیفیت کی منظر کشی یوں کرتا ہے ——— "زیادہ سے زیادہ تباہی مچانے کے لیے ہم سب ہواباز اس قدر جوش میں آ گئے کہ جھپٹوں میں جاتے اور اوپر اُٹھتے وقت ہم ایک دوسرے کی راہ میں آنے لگے۔ تارگیٹ میں بلا کی کشش تھی۔ مگ طیاروں کو تباہ کرنے کا خیال ہم پر خبط بلکہ جنون بن کر سوار ہو گیا اور ان پر جھپٹتے وقت ہم بھول ہی گئے کہ دشمن کی طیارہ شکن گنیں ہم پر بے پناہ فائر کر رہی ہیں۔ میرے سارے ہواباز ایک دوسرے کو بھی بھول گئے اور غوطوں میں جاتے اور اُٹھتے ایک دوسرے سے ٹکرانے کا خطرہ مول لینے لگے۔ معلوم نہیں ہم ایک دوسرے سے ٹکرا کیوں نہ گئے۔ میں انھیں اس بے ترتیبی اور انتشار سے روکنا چاہتا تھا لیکن وہ جانتے تھے وہ کیا کر رہے ہیں۔ انھیں معلوم تھا وہ پٹھانکوٹ کیوں آئے ہیں۔ میں انھیں اس دیوانگی سے کیوں روکتا؟

"میری اپنی کیفیت کا اندازہ کیجیے۔ میں نے ایک اور مگ دیکھ لیا جو ابھی تک میرے ہوابازوں سے محفوظ تھا۔ شاید انھیں ابھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں اس پر غوطے میں چلا گیا اور اسے گن سائٹ میں لینے لگا۔ لیکن محض اتفاق کی بات ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ میری فارمیشن کا جواں سال ہواباز، فلائٹ لفٹننٹ خالد لطیف بالکل سامنے سے اسی مگ پر غوطے میں آ رہا ہے۔ میں اسے دیکھ نہ لیتا تو ہم دونو مگ کو تو ضرور مار لیتے لیکن جھپٹے سے اٹھتے ہوئے ہم یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ آمنے سامنے سے ٹکرا جاتے۔ لطیف کی اڑان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مگ کو شست میں لے چکا ہے۔ میں نے اپنا طیارہ ایک طرف کر لیا۔ سوچا، یہ شکار اسی کو مار لینے دوں، ——— اور اس نے شکار مار لیا"

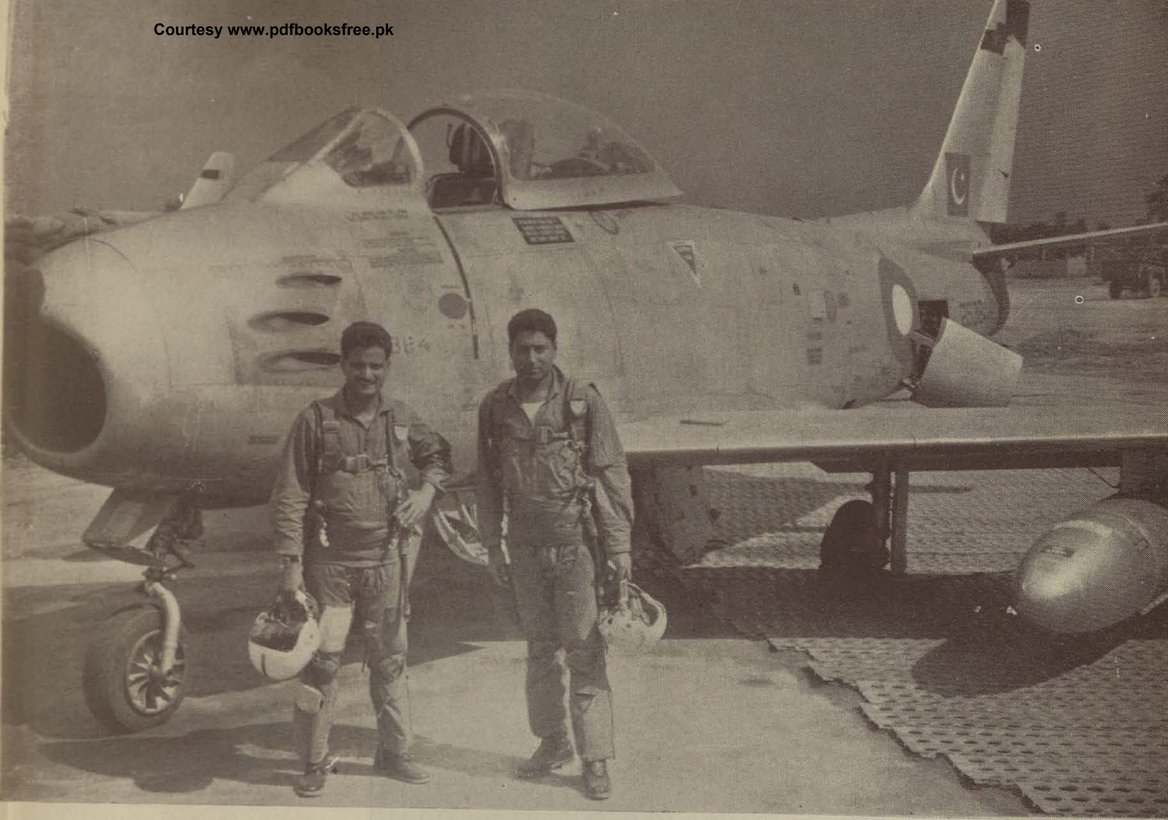
ان آٹھ ہوابازوں نے جھپٹے پہ جھپٹا مارا۔ طیاروں کی تباہی کے علاوہ انھوں نے چند اہم عمارتیں بھی تباہ کر دیں۔ جگہ جگہ سے شعلے اور دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ حملہ کامیاب تھا اور اب انھیں واپس آ جانا چاہیے تھا۔ لیکن لیڈر کو فلائٹ لفٹننٹ اکبر کی آواز



بھارت کے ایک ہوائی اڈے پر انڈین ایئر فورس کا ایک طیارہ جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)



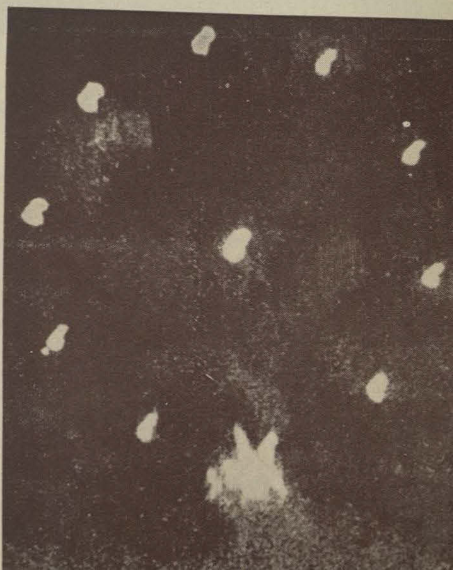
انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا بمبار اپنے اڈے پر جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)



پٹھانکوٹ کے ہیرو

(دائیں) سکواڈرن لیڈر سجاد حیدر ستارۂ جرأت

(بائیں) فلائٹ لفٹیننٹ محمد اکبر ستارۂ جرأت



بھارت کے ہوائی اڈے پر ایک مِگ طیارہ جل رہا ہے (گن کیمرہ فوٹو)

سنائی دی ـــــ "لیڈر! میرے پاس تھوڑا سا ایمونیشن باقی ہے۔" اور وہ لیڈر کی ہدایت کا انتظار کیے بغیر غوطے میں چلا گیا۔ سیاہ دُھواں اس قدر اوپر اُٹھ آیا تھا کہ اکبر کا طیارہ روپوش ہو گیا۔ اکبر نے ایک مسٹیر طیارہ دیکھ لیا تھا جو ان کی دست برد سے ابھی محفوظ تھا۔ اکبر اسے بھی شعلوں کی نذر کر کے دھوئیں سے اٹھ آیا۔

پٹھانکوٹ میں جنگ کے پہلے ہی روز پاک فضائیہ نے پہلے ہی جوابی حملے میں دشمن کے بارہ (۱۲) لڑاکا بمبار طیارے تباہ کر دیئے جن میں سات مگ اور پانچ مسٹیر تھے۔ ان کے علاوہ انھوں نے دو ٹرانسپورٹ طیارے بیکار کیے۔ ایئر ٹریفک کنٹرول جیسی اہم ترین عمارت اور اس کی جملہ مشینری کو تباہ کیا اور کئی طرح کے اور نقصانات پہنچا کر اس اڈے کو جنگی مقصد کے قابل نہ چھوڑا۔

فاتح فارمیشن نے واپسی کا رُخ کیا۔ راستے میں خالد لطیف نے وائرلیس پر حیدر سے پوچھا ـــــ "ہیلو لیڈر! کیا آپ نے وہ تمام مگ مار لیے ہیں جن کی آپ کو ہمیشہ خواہش رہتی تھی؟" ـــــ جواب میں حیدر کی فاتحانہ "ہاہا" یوں سنائی دی جیسے شیر غُرّایا ہو۔

ان کے اپنے ہوائی اڈے کے کنٹرولر کو وائرلیس پر حیدر کی آواز سنائی دی ـــــ "لیڈر بول رہا ہے۔ مشن مکمل ہو گیا۔ تمام طیارے بخیریت واپس لوٹ رہے ہیں۔"

پاک فضائیہ کا یہ پہلا جوابی حملہ اس لحاظ سے کامیاب ترین رہا کہ اپنا ایک بھی طیارہ یا ہوا باز ضائع کیے بغیر دشمن کے چودہ طیارے اور ہوائی اڈہ تباہ کر دیا گیا۔ سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ دشمن کی مگ فورس کو اُڑنے کا موقع دیے بغیر زمین ہی پر خاکستر کر دیا گیا۔

مگ: روس کا وہ لڑاکا طیارہ ہے جو پہلی بار کوریا کی جنگ میں فضا میں آیا تھا تو امریکی ایئر فورس لرز اُٹھی تھی کیونکہ فضا میں مگ کی رفتار، پھرتی اور اسلحہ کا کوئی جواب نہ تھا۔ امریکی ایئر فورس نے مگ کو صحیح سالم اُتار لانے والے ہوا باز کے لیے تیس ہزار ڈالر کا انعام مقرر کیا تھا۔ فضائی انجینئر اس کی ساخت، ڈھانچہ اور انجن دیکھنا چاہتے تھے۔ بھارت کو روس کے ان چند ایک مگ طیاروں پر بڑا ناز تھا لیکن حیدر اور اس کے ہوا بازوں نے انڈین ایئر فورس کو مگ استعمال کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ ستمبر کی جنگ کے دوران صرف ایک مگ طیارہ فضا میں نظر آیا تھا جسے پاک فوج کے ایک توپچی نے گرا لیا تھا۔

پٹھانکوٹ اور دشمن کی مگ فورس کی تباہی کا سہرا حیدر کے سکواڈرن کے سر ہے اور چھ ستمبر کی صبح بھارتی حملہ آور فوج پر پہلا دفاعی فضائی حملہ کرنے کی سعادت بھی اسی سکواڈرن کو حاصل ہوئی۔

بھارتی حملہ آور لشکر پر
پاک فضائیہ کا پہلا حملہ

بھارت کے حکمرانوں اور لاہور پر حملہ کرنے والے بھارتی کمانڈروں کو توقع ہی نہیں تھی کہ افواج پاکستان ان کا حملہ روک کر لاہور کو بچالیں گی لیکن پاک فوج نے حملہ روک لیا اور سکواڈرن لیڈر حیدر کے سکواڈرن نے لاہور سیکٹر میں پہلا ہی جوابی جھپٹا مار کر بھارتی کمانڈروں کو اس آفت کا مزا چکھا دیا جو آئندہ سترہ دنوں میں ان پر ٹوٹنے والی تھی۔

حیدر کہتا ہے ——— "چھ ستمبر کا سورج طلوع ہو چکا تھا لیکن ہمارے ہوائی اڈے پر ابھی تک صبح کی خنکی تھی۔ اچانک خبر آئی کہ انڈین آرمی نے لاہور پر حملہ کر دیا ہے۔ اس خبر نے نہ صرف فضا کی خنکی دور کر دی بلکہ ہوابازوں کو آگ بگولہ کر دیا۔ یہ تو کسی کو خیال ہی نہ تھا کہ ہمارے اور پاک فوج کے جیتے جی دشمن لاہور پر قبضہ کر لے گا۔ ہم ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فضا سے دشمن پر ٹوٹ پڑنے کو بیتاب ہونے لگے۔ تمام ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو میں اضطراب اور عتاب کی لہر دوڑ گئی۔ کسی کی مزاجی کیفیت کو قابو میں رکھنا محال نظر آتا تھا۔ ہم لوگ حکم کے پابند ہوتے ہیں اور دل وجان سے حکم کا احترام کرتے ہیں لیکن اس روز ہمیں حکم دینے والوں پہ غصہ آنے لگا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ ہمیں جوابی حملے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ ....

"ہمیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ سب سے پہلے مجھے ہی حکم ملا کہ اپنے سکواڈرن سے امرتسر واہگہ روڈ پر لاہور کی طرف بڑھتی ہوئی بھارتی فوج کو روکوں۔ میں نے پانچ ہواباز منتخب کیے ——— فلائٹ لفٹننٹ ارشد سمیع۔ فلائٹ لفٹننٹ محمد اکبر۔ فلائٹ لفٹننٹ خالد لطیف۔ فلائٹ لفٹننٹ دلاور اور فلائٹ لفٹننٹ غنی اکبر....

"گراؤنڈ کریو نے ہمارے طیاروں کے پروں تلے راکٹ لگا دیے تھے اور مشین گنوں میں ایمونیشن کے پٹے ڈال کر طیارے



ایک بھارتی فوجی کنوائے پر پاک فضائیہ کا حملہ (گن کیمرہ فوٹو)



پاک فضائیہ کے شاہین ایک جنگی مشن کے بعد

کو پہلی جنگی اڑان کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ میں نے ہوابازوں کو جمع کر کے انھیں نقشہ دکھایا اور انھیں حملے کی سکیم اور تفصیلات سے آگاہ کیا۔ ہم نے پیراشوٹ اُٹھائے اور سرپٹ بھاگتے اپنے اپنے طیارے میں جا بیٹھے۔ ہم نے نہایت عجلت سے کاک پٹوں کا جائزہ لیا اور ایک دوسرے کے پیچھے فضا میں بلند ہو گئے۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی کانٹا چُبھ رہا تھا ــــــ 'بھارت نے ہمارے وطن پر حملہ کر دیا ہے' ــــــ میرے طیارے کی رفتار بہت تیز تھی لیکن میں اپنے طیارے سے آگے نکل جانے کو بے تاب ہونے لگا....

"میرے پانچوں ہوا باز میرے ساتھ اڑے جا رہے تھے۔ ہماری بلندی زیادہ نہیں تھی۔ طیارے تو ہم ہر روز ہی اُڑایا کرتے تھے لیکن اس روز میں نے فضا میں اپنی فارمیشن پر نگاہ ڈالی تو مجھے اپنے طیاروں کی اڑان میں کوئی اور ہی شان نظر آئی۔ میں جانتا تھا کہ دشمن کی بری اور ہوائی قوت بہت زیادہ ہے لیکن اپنے صرف چھ طیاروں کی اڑان کو دیکھ کر میں نے اپنے آپ سے کہا ــــــ 'بھارت لاہور پر قبضہ نہیں کر سکتا'....

"ہم خاصی کم بلندی پر اڑتے میدانِ جنگ کے اوپر پہنچ گئے۔ اس علاقے کو میں نے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ مگر آج اس علاقے کا حسن اور معصومیت بھارتی ٹینکوں اور پلٹنوں کے پاؤں تلے لہولہان ہو رہی تھی۔ کسی بھی سچے پاکستانی کو یہ منظر پاگل کر دینے کو کافی تھا....

"ہم میدانِ جنگ کے اوپر سے گزر کر امرتسر تک جا پہنچے۔ میں خوب جانتا تھا کہ دشمن کی اگلی صفوں کے ساتھ پاک فوج خوب نمٹ رہی ہے۔ دشمن کی پچھلی لائن اور کمک کو ختم کرنا ضروری تھا۔ ہم نے امرتسر سے طیارے گھمائے۔ نیچے دیکھا تو مجھے امرتسر واہگہ روڈ پر بہت سی فوجی گاڑیاں لاہور کی طرف جاتی دکھائی دیں۔ ان کی حفاظت کے لیے یا لاہور پر حملہ کرنے کے لیے ان کے ساتھ کئی ٹینک بھی تھے ــــــ واہگہ چیک پوسٹ پر مجھے پاکستان کی وہ دو منزلہ بس بھی کھڑی نظر آئی جسے بھارتی امرتسر کے بازاروں میں گھما گھما کر اپنے لوگوں کو دکھاتے رہے تھے کہ 'یہ دیکھو لوگو! یہ پاکستان کی بس ہے۔ ہم نے پاکستان فتح کر لیا ہے'....

"ہم دشمن کے اس بلے کنوائے پر آئے تو گاڑیوں میں بیٹھے فوجیوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہم اتنی کم بلندی پر تھے کہ وہ ہمیں اچھی طرح نظر آ رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ گاڑیوں اور ٹینکوں کو بکھیر کر درختوں تلے یا کسی آڑ میں لے جاتے، انھوں نے گاڑیاں وہیں روک دیں۔ خود چھلانگیں لگا کر جانیں بچانے کے لیے بھاگ گئے اور گاڑیاں ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ گئے۔ میں

غوطے میں جا چکا تھا۔ نشانہ لے کر میں نے راکٹوں کی پہلی بوچھاڑ فائر کر دی۔ میں اٹھا تو میرے پیچھے میری فارمیشن کے دوسرے ہوابازوں نے بھی غوطے لگائے اور راکٹوں اور گولیوں کی بارش برساتے اوپر اُٹھ آئے ......

"ہم سب نے چھ چھ جھپٹے مارے اور سارا ایمونیشن ختم کر دیا۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیا۔ میں تو گن بھی نہ سکا کہ دشمن کی کتنی گاڑیاں جل رہی تھیں اور کتنی بغیر جلے تباہ ہو چکی تھیں۔ ہم نے جو ٹینک تباہ کیے وہ درجن بھر سے زیادہ تھے ۔۔۔ کاش، ہمارے طیارے اس سے زیادہ راکٹ اور گولیاں اُٹھا سکتے۔"

سامنے سے پاک فوج حملہ آوروں کا منہ نوچ رہی تھی، عقب سے سکواڈرن لیڈر حیدر، اور اس کے پانچ ہوابازوں نے کمک کاٹ دی اور بھارتیوں کو احساس دلادیا کہ لاہور پر قبضہ تو دور کی بات ہے وہ بی آر بی بھی عبور نہ کر سکیں گے۔

سکواڈرن لیڈر حیدر کا فائٹر سکواڈرن سترہ روزہ جنگ میں جانبازی اور شجاعت کی علامت بن گیا تھا۔ دشمن کی کمر توڑنے دینے کے علاوہ اس سکواڈرن کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا ایک بھی ہوا باز یا طیارہ ضائع نہیں ہُوا۔

سکواڈرن لیڈر سجّاد حیدر

سرگودھا کے جنگجو علاقے کے سپوت۔ جب اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کی عمر کو پہنچے تو انھوں نے شدت سے محسوس کیا کہ ان کی رُوح کو صرف شاہبازی راس آسکتی ہے۔ چنانچہ وہ ۱۹۵۳ء میں پاک فضائیہ میں ہوابازی کی ٹریننگ کے لیے منتخب ہو گئے۔ حیدر کو بارہ برس بعد پہلی بار حب الوطنی کے مظاہرے کا موقع ملا تو ان کے جوہر کھل کر سامنے آئے۔ غیر معمولی قیادت، جرأت اور جنگی پروازوں کی مثالی اہلیت کے صلے میں انھوں نے ستارہ جرأت حاصل کیا۔ تمغے کی سند میں لکھا گیا:

"سکواڈرن لیڈر سجّاد حیدر نے ذاتی طور پر دشمن کے چار طیارے اور گیارہ ٹینک بالکل تباہ کیے اور ایک طیارہ اور تین ٹینک بے کار کیے۔ جنگ کا تمام عرصہ، کیا زمین پر کیا فضا میں، اس کا انداز اور جوش و خروش قابلِ تقلید رہا۔ اُس نے اپنے سکواڈرن کے ہوابازوں کو دُشمن کے خلاف آگ بگولہ رکھا....

"چھ ستمبر ۶۵ء کو اس کے سکواڈرن نے اس کی قیادت میں پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر جو حملہ

کیا تھا وہ اس حد تک کامیاب رہا کہ انھوں نے دشمن کے بارہ طیارے جن میں سات مگ تھے زمین پر ہی تباہ کر دیے۔ حیدری کی کامیابی پاک فضائیہ کی روایات کے عین مطابق ہے۔ اسکی فارمیشن نے یہ حملہ دشمن کے بے پناہ طیارہ شکن فائر میں جا کر کیا تھا۔"

فلائٹ لفٹننٹ محمّد اکبر

حیدری کے سکواڈرن کے کئی اور ہوا بازوں کو شجاعت کے صلے میں مختلف تمغے عطا کیے گئے ہیں۔ ان کے فلائٹ کمانڈر، فلائٹ لفٹننٹ محمد اکبر کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ اکبر مدراس کے رہنے والے ہیں اور اب ان کا خاندان ڈھاکہ میں آباد ہے۔ ان کی شجاعت کا اعتراف سرکاری طور پر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

" سکواڈرن کے ہوابازوں کی مختلف ڈیوٹیوں کی منصوبہ بندی اور تقسیم کا کام فلائٹ لفٹننٹ اکبر کے سپرد تھا۔ جنگ کے دوران اس کام کو نبھانا آسان نہ تھا۔ یہ ہمہ وقتی کام تھا جس نے اکبر کو بُری طرح مصروف رکھا لیکن اُس نے نہ صرف اس نازک کام کو خوش اسلوبی سے نبھایا بلکہ جنگی اڑانوں میں بھی شریک ہوتا رہا۔ وہ جس جنگی مشن پر بھی گیا اُسے گرمجوشی اور مہارت سے سرانجام دیا۔ اکبر دفاعی فضائی معرکوں میں بھی شریک ہُوا اور جارحانہ حملوں کے لیے بھی جاتا رہا۔ اُس نے دشمن کے دو طیارے، دو ٹینک اور تین فوجی گاڑیاں بالکل تباہ کیں اور ایک طیارہ، تین ٹینک، تین فوجی گاڑیاں اور پانچ بڑی توپیں بے کار کیں۔"

فلائٹ لفٹننٹ ارشد سمیع خان

حیدری کے سکواڈرن کے ایک اور فاتح شاہباز ارشد سمیع ایبٹ آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان دنوں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے اے ڈی سی ہیں۔ غیر معمولی شجاعت کے صلے میں انھیں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا اور سند میں

اس کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا :۔

"فلائٹ لفٹننٹ سمیع نے جنگ کے دوران زیادہ سے زیادہ جنگی پروازیں کیں۔ اس کے جوش و خروش اور دشمن کے خلاف جارحانہ جذبے نے اس کے ساتھی ہوابازوں پر نمایاں اثر کیے رکھا۔ جنگ کے دوران اس نے جو جنگی اڑانیں کیں ان میں اس نے بے مثال قوت ارادی کے مظاہرے کیے اور دشمن کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس نے ایک طیارہ، پندرہ ٹینک، بائیس فوجی گاڑیاں اور دو بھاری توپیں تباہ کیں اور آٹھ ٹینک اور اُنیس گاڑیاں بیکار کیں۔ اس کے چہرے پر کبھی تھکن اور خوف کا تاثر نہ دیکھا گیا۔ وہ انتہائی خطروں میں جا جا کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچاتا رہا۔"

فلائٹ لفٹننٹ دلاور حسین

حیدر کے سکواڈرن کے ایک اور شاہباز دلاور حسین کوئٹہ کے رہنے والے ہیں۔ انھیں مثالی جرأت اور غیر معمولی جذبۂ جہاد کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ تمغے کی سند میں تحریر کیا گیا :۔

"جنگ کے دوران فلائٹ لفٹننٹ دلاور حسین ساتھی ہوابازوں کو بھڑکائے رکھنے کا ذریعہ بنا رہا۔ وہ ہمیشہ میدانِ جنگ میں برسرِ پیکار رہنے پر مُصر رہا۔ اس کی بے خوفی اور اس کا جذبہ دوسرے ہوابازوں کے لیے انگیخت اور تحریک بنا رہا۔ اس نے پاک فضائیہ کے نامور ہوابازوں کی روایات کے عین مطابق کامیاب جنگی پروازیں کیں۔ اُس نے دشمن کے تین طیارے، آٹھ ٹینک، ایک بکتر بند گاڑی اور تیرہ دوسری گاڑیاں تباہ کیں اور ایک طیارہ، چار ٹینک، نو گاڑیاں اور ایک توپ کو بیکار کیا۔ اس نے بہت سی جنگی پروازیں کیں جن میں دفاعی معرکے بھی شامل ہیں۔ اُس نے دشمن کے فوجی اور ہوائی ٹھکانوں پر بھی حملے کیے اور پاک فوج کی مدد کرتے ہوئے دشمن کی برّی فوج پر بھی حملے کیے۔ ایک بار اس کا طیارہ دشمن کے زمینی فائر کی زد میں آ کر مجروح ہو گیا لیکن وہ بے خوف اپنے مشن میں مصروف رہا۔"

وِسکی کی بوتل

"وسکی کی بوتل بھیجو۔"

یہ ایک "ایس۔او۔ایس" SOS پیغام تھا جو چھمب سے بھاگتی ہوئی بھارتی سینا کا کمانڈر اپنی ہائی کمان کو دے رہا تھا اور جسے ہمارے وائرلیس سیٹوں پر بھی سنا گیا۔ ('ایس او ایس' انتہائی مصیبت کے وقت کا پیغام ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ——— "ہماری جانیں بچاؤ۔")

بھارت نے حاجی پیر اور کرگل کی چوکیوں پر قبضہ کر کے اور چند روز بعد گجرات کے گاؤں اعوان شریف پر گولہ باری کر کے جارحیت کا ایسا مظاہرہ کیا تھا جس کے خلاف دفاعی کارروائی لازمی ہو گئی تھی ورنہ ملک کی سلامتی سنگین خطرے میں تھی چنانچہ پاک فوج کی پُشت پناہی میں آزاد کشمیر فوج کے دستے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لیے چھمب کی طرف پیش قدمی کر گئے۔ یہ پیش قدمی بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ چھمب متنازعہ علاقہ تھا۔ اس علاقے میں بھارت کے فوجی ٹھکانوں اور اڈوں کو اکھاڑنا لازمی تھا۔

جس بھارتی سینا کی توپوں، مارٹروں اور مشین گنوں نے بڑے طمطراق اور دیدہ دلیری سے پاکستان کی سرحدوں کے اندر آگ اُگل دی تھی وہ توپخانہ اور پلٹنیں پاک فوج کی پیش قدمی کے سامنے ذرا سی دیر کے لیے بھی جم نہ سکیں۔ پاک فوج نے چند گھنٹوں میں بھارتیوں کے لوہے اور سیمنٹ کے بنکروں کو روند ڈالا۔ بھارتی پندرہ فرانسیسی ٹینک، تیرہ توپیں، اسلحہ بارود اور جنگی ساز و سامان کا بے اندازہ ذخیرہ پیچھے چھوڑ کر عجلت سے پسپا ہو گئے۔ پاک فوج کی معیت میں آزاد کشمیر فوج بڑھتی

چلی جا رہی تھی اور بھارتی فوج کے کہیں بھی پاؤں نہیں جم رہے تھے۔

پاک فوج کی جوابی ضرب کو تو ابھی صرف چھ گھنٹے ہی گزرے تھے لیکن بھارتیوں کے حوصلے ان چھ ہی گھنٹوں میں دَم توڑ گئے انھیں تو اب اکھنور میں بھی قدم جمانا محال نظر آ رہا تھا۔ بھاگتے ہوئے لاؤ لشکر کو ذرا سا سنبھالا دینے کے لیے بھارتی کمانڈر انڈین ایر فورس سے فضائی مدد مانگ رہا تھا اور خفیہ زبان میں وائرلیس پر واویلا کر رہا تھا ——— "وسکی کی بوتل بھیجو" ——— اور بھارت کے کسی ہوائی اڈے سے "وسکی کی بوتل" آ رہی تھی۔

اِدھر اطلاع ملی کہ انڈین ایر فورس کے چند کینبرا بمبار اور ویمپائر طیارے شکر گڑھ کے اوپر سے گزر آئے ہیں اور چھمب سیکٹر کی طرف اڑے جا رہے ہیں۔

پاک فضائیہ کے ہوا بازوں کو جب سے اطلاع ملی تھی کہ پاک فوج چھمب کے علاقے میں پیش قدمی کر گئی ہے اس وقت سے پاکستان کے تمام ہوائی اڈوں پر ہوا باز مستعد اور تیار تھے۔ گو پاک فوج ابھی اپنی فضائیہ کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی تھی مگر انڈین ایر فورس کے میدان میں اتر آنے کی صورت میں پاک فضائیہ کا حرکت میں آنا لازمی تھا چنانچہ پاک فضائیہ کے ہوا باز اس توقع پر تیار کھڑے تھے کہ فضائی جھڑپ کسی لمحہ بھی ہو سکتی ہے۔

ایک اڈے پر فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی صبح چار بجے سے ڈیوٹی پر تھا۔ دن کے بارہ بج چکے تھے۔ اس کی ڈیوٹی ختم تھی لیکن اس کا دل نہ چاہا کہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر چلا جائے جیسے اس کی رُوح اسے کہہ رہی ہو ——— "بھٹی چلے نہ جانا۔ خدا جانے کس وقت کیا ہو جائے، اپنے طیارے کے قریب رہنا" ——— اس وجدانی کیفیت کے علاوہ بھٹی کی بیقراری یہ بھی تھی کہ وہ پاک فضائیہ کی تاریخ کی پہلی جنگی اڑان اور فضائی جھڑپ میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ گو اِسے کچھ علم نہ تھا کہ یہ موقع کب آئے گا یا شاید آئے ہی نہ۔ لیکن وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر بھی وہیں رہا۔

دن کے پچھلے پہر بھٹی کو فضائی گشت (پٹرول) کی پرواز کی قیادت کرنی تھی۔ درمیانی وقفہ اس کی فراغت کا تھا لیکن اس نے اس وقت تک اڈے پر ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ وقت گزرتا گیا، جب گشتی پرواز کا وقت آ گیا تو سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی (شہید) آ نکلا اور گشتی پرواز کی قیادت اُس نے خود لے کر بھٹی کو اپنا نمبر ۲ بنا لیا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ دونو ہوا بازوں کے سیبر طیارے فضا میں بلند ہوئے اور گجرات کی سمت نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ابتدائی ہدایت کے مطابق انھیں صرف گشتی پرواز کرنا تھی۔

گجرات کے علاقے پر اُڑتے انھیں صرف دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ انھیں اپنے وائرلیس سیٹوں پر زمینی کنٹرولر کی آواز سنائی دی: **Enemy aircraft strafing our troops. Engage**
(دشمن کے طیارے ہماری فوج پر فائرنگ کر رہے ہیں۔ مقابلہ کرو۔)

یہی وہ "وسکی کی بوتل" تھی جس کے لیے بھارت کی پسپا ہوتی بڑی فوج کا کمانڈر واویلا کر رہا تھا۔ اُسے وسکی کی بوتل مل گئی تھی۔ اِدھر رفیقی اور بھٹی اپنے کنٹرولر کی ہدایت پر تاریخ پاکستان کے پہلے فضائی معرکے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے وسکی کی بوتل کو چکنا چور کرنے کے لیے طیاروں کا رُخ چھمب کی طرف کر لیا۔

فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی سناتا ہے ——— "ہم پاک فضائیہ کا پہلا اور حقیقی معرکہ لڑنے جا رہے تھے۔ ہم دونو پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ ہم ہر طرح تیار اور لیس تھے۔ برسوں کی ٹریننگ نے ہم میں کوئی کمی تو نہیں رہنے دی تھی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ آنے والے انجانے لمحوں کا انجانا سا خوف دل پر مسلّط ہونے لگا۔ ایسا خوف تو انسانی ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ خوف ایسے مستقبل کا ہوتا ہے جس کے متعلق کچھ علم نہ ہو کہ وہ کیسا ہوگا۔ ہم بھی آخر انسان تھے۔ مجھ میں بے قراری سی پیدا ہو گئی اور میں اس شے کو دیکھ لینے کے لیے بے تاب ہونے لگا جس کا میں خوف محسوس کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ تجسّس بھی پیدا ہوا کہ دیکھ تو لوں ایسے خوف اور خطرے کے آمنے سامنے آ کر میرا ردِّعمل کیا ہوگا۔ ایک طرح کی سنگدلانہ سی خواہش اُبھری کہ دیکھوں تو، وہ خوف ہوتا کیا ہے؟ ——— حقیقی خوف، ایک انسان کا خوف، جب وہ تن تنہا، موت کے رُوبرُو ہو...

"ہم نے طیاروں کی رفتار اور تیز کر دی اور طیارے فضا کو تیروں کی طرح چیرنے لگے۔ ذرا ہی دیر بعد ہم چھمب کی خنک فضا کا سینہ چیر رہے تھے۔ ہمارے نیچے حسین وادی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ذرا کی ذرا نیچے کا منظر دیکھا پھر میری آنکھیں، رفیقی کی طرح، اُفق تا اُفق دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگیں۔ اچانک فضا میں دُور، جنوب کی طرف، دو دھبّے سے دکھائی دیے۔ میرے دل پر جو اجنبی سی گرفت تھی وہ ان دو دھبّوں کو دیکھتے ہی دور ہو گئی۔ یہی تھی وہ انجانی شے، جس نے مجھ پر خوف اور ہیجان کی کیفیت طاری کی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میری روحانی اور جسمانی قوتیں ایک مرکز پر جمع ہو گئیں۔

"میں نے رفیقی کو خبردار کیا ——— 'لیڈر! بائیں طرف سے دو نامعلوم قسم کے طیارے آ رہے ہیں' ——— رفیقی نے میرا پیغام سُن لیا۔ جب وہ دھبے قریب آئے تو میں نے فوراً پہچان لیا۔ وہ انڈین ایئر فورس کے ویمپائر لڑاکا طیارے تھے۔ وہ ہم سے تین چار ہزار فٹ نیچے اُڑ رہے تھے۔ ہم نے تیل کی فالتو ٹینکیاں گرا دیں اور طیاروں کو دشمن پر جھپٹنے

کے لیے غوطے میں ڈال دیا.....

"میں نمبر ۲ کے فرائض کے مطابق اپنے لیڈر رفیقی کو عقب سے محفوظ رکھنے کے لیے اُس کے پیچھے ہوگیا۔ معاً دشمن کے دو کینبرا طیارے پانچ چھ ہزار فٹ دُور بائیں جانب سے مجھے اپنی طرف اڑتے دکھائی دیے۔ میں نے لیڈر کو ان کے متعلق بھی اطلاع دے کر اس سے اجازت مانگنا چاہی کہ میں ان دونو کو سنبھالوں لیکن مجھے بولنے کا موقع ہی نہ ملا نہ اجازت لینے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ میں نے دو اور ویمپائر طیارے رفیقی پر جھپٹتے دیکھے۔ انڈین ایئر فورس دل کھول کر فضائی قوت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ آسمان کینبرا اور ویمپائر طیاروں سے بھرتا جا رہا تھا۔ مجھے اتنی سی جھنجھلاہٹ ضرور ہوئی کہ ہم دو تھے اور وہ چھ۔ تعداد کے علاوہ دشمن کے طیارے ہمارے طیاروں سے برتر، جدید تر اور تیز تر تھے اور ان کا اسلحہ بھی زیادہ مار کرنے والا تھا۔ لیکن یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ دشمن کی برتری کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم میدان چھوڑ کر بھاگ آتے....

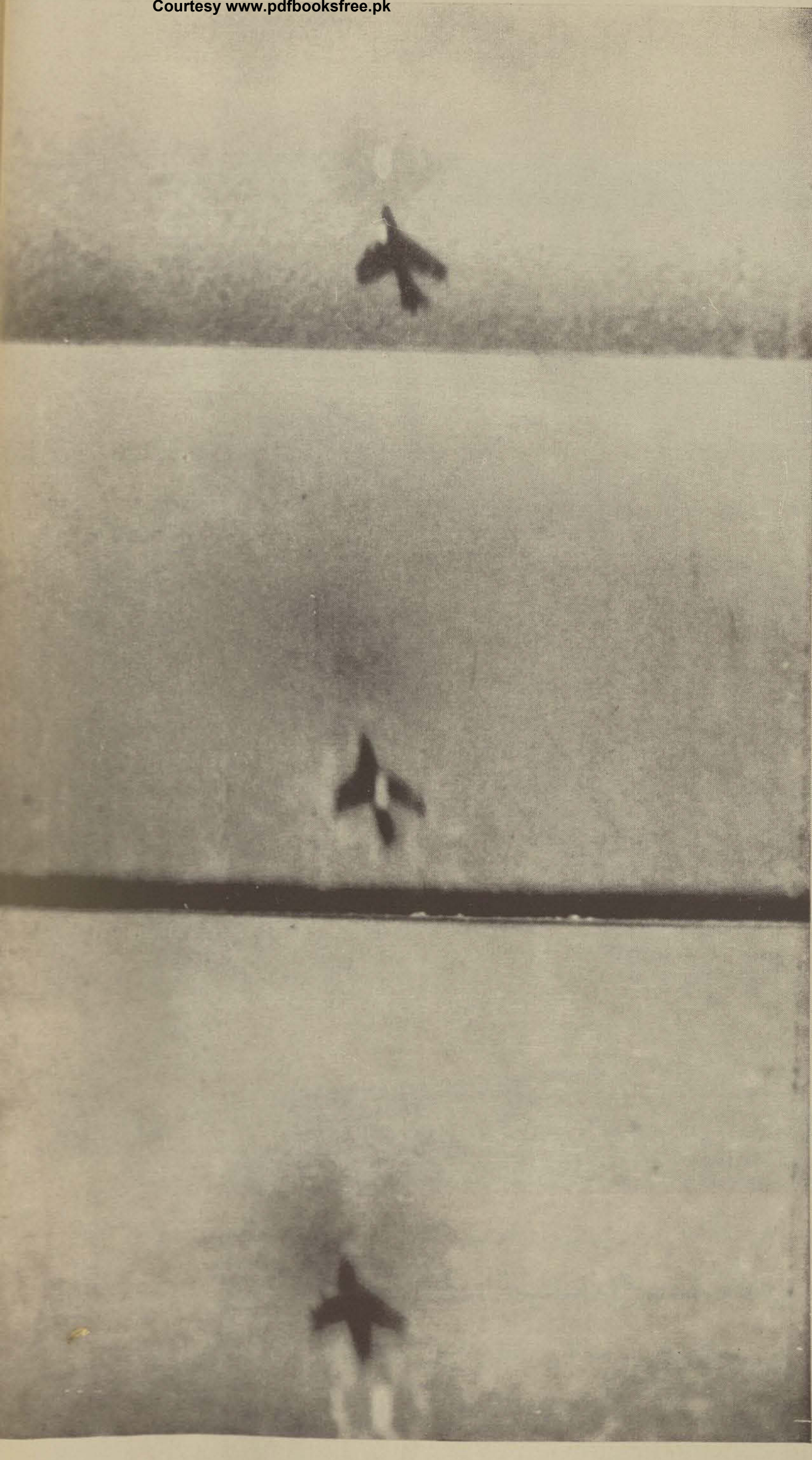
"دو طیارے میرے لیڈر پر جھپٹ رہے تھے۔ میں نے لیڈر کو بتائے بغیر اپنی پوزیشن بدل لی اور جھپٹ کر ان دو طیاروں کے عقب میں ہوگیا۔ اتنے میں رفیقی نے دشمن کے دو طیاروں میں سے ایک کو نشست میں لے لیا تھا۔ اس نے مشین گن کی مختصر سی بوچھاڑ ماری جو ٹھکانے پر لگی۔ دشمن کے طیارے سے شرارے چمکے اور رفیقی نے انڈین ایئر فورس کے ساتھ پاک فضائیہ کا حساب کھول لیا ـــــ بھارتی ہوا باز طیارے سے نکل نہ سکا اور طیارے کے ساتھ ہی ناک کے بل نیچے، نیچے اور نیچے، تیزی سے اپنے انجام کو پہنچتا چلا گیا....

"رفیقی اب دوسرے طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا اور بھارتی ہوا باز اسے اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لیے ہر طرح کے جتن کر رہا تھا۔ وہ کون سا پینترا ہوگا جو اُس نے نہ بدلا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اس کے پیچھے پاک فضائیہ کا منجھا ہُوا شاہباز لگا ہُوا ہے....

"اِدھر میں نے دشمن کے ایک طیارے کو آگے لگا رکھا تھا اور وہ مجھ سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں اُسے بتدریج گن سائٹ میں لا رہا تھا۔ آخر وہ میرے رینج Range میں آگیا لیکن میں فائر نہ کر سکا کیونکہ میں بٹن دبانے لگا تو دیکھا کہ رفیقی کا طیارہ بھی میری گنوں کی زد میں ہے۔ رفیقی اپنے شکار کے پیچھے لگا ہُوا تھا اور میں بیتاب کہ وہ میرے سامنے سے ہٹے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن میری زد سے نکل جائے۔ لیکن وہاں صورت حال عجیب ہوگئی ۔ وہ اس طرح کہ جس طیارے کو میں نے زد میں لے رکھا تھا وہ خطرناک فاصلے پر رفیقی کے پیچھے ہوگیا۔ یہ محض اتفاقیہ بات



فلائٹ لفٹیننٹ امتیاز احمد بھٹی ستارۂ جرأت



انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا بمبار
فضائی معرکے کے دوران پاک فضائیہ کے
ایک شاہین کی نشست میں آرہا ہے۔
اسے گرا لیا گیا تھا۔

تھی ورنہ میں اس بھارتی ہوا باز کو کبھی مہلت نہ دیتا کہ وہ میرے لیڈر کے تعاقب میں ہو جاتا . . . .

" اب رفیقی اتفاقیہ اس کی زد میں آ گیا تو میں وائرلیس پر چلایا ——— ' لیڈر ، بائیں کو ہو جاؤ ' ——— لیکن رفیقی اپنے شکار میں مگن تھا۔ اس نے میرا پیغام سُن تو لیا لیکن اپنے شکار پر مشین گنیں فائر کر دیں۔ یوں لگا جیسے میری آواز اور رفیقی کی مشین گنیں بیک وقت بول اٹھی ہوں۔ رفیقی نے اس طیارے اور ہوا باز کو بھی فضا میں ختم کر دیا۔ وہ اس طرح کہ رفیقی کی گنوں کی بوچھاڑ پڑتے ہی دشمن کا طیارہ فضا میں پھٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی رفیقی نے نہایت پھرتی سے اپنے طیارے کو میری وارننگ کے مطابق بائیں کو کر کے اپنے آپ کو اس دشمن سے بچا لیا جس کے پیچھے میں لگا ہوا تھا . . . .

" رفیقی نے پرے ہو کر فوراً میری پوزیشن کا جائزہ لیا اور وائرلیس پر مجھے اطلاع دی **2, your tail is clear** (نمبر ۲ ، تمہارا عقب محفوظ ہے) ——— دشمن کے طیارے کو میں نے ابھی تک شست سے نکلنے نہیں دیا تھا۔ میں نے اپنی رفتار اور تیز کر کے طیارے کو دشمن کے قریب کر لیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ دشمن کے طیارے سے شرارے چھٹے۔ میرا نشانہ ٹھیک لگا تھا۔ دشمن کی تیل کی ٹینکیوں سے شعلے اور سیاہ دھواں اٹھنے لگا۔ وہ ویمپائر طیارہ تھا۔ انڈین ایر فورس کا بمبار طیارہ ذرا ہی دیر میں رفیقی کے شکار کی طرح بم کی طرح پھٹا ——— چکا چوند ہوئی ، دھوئیں کی کالی گھٹا امڈی اور اس گھٹا میں دُشمن کے ویمپائر کے ٹکڑے اُڑتے نظر آئے۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا ——— میں نے پہلا شکار مار لیا تھا . . .

" میری اس وقت کی جذباتی کیفیت کا اندازہ شاید کوئی بھی نہ کر سکے۔ میں خود بھی شاید بیان نہ کر سکوں۔ میں روحانی سا اطمینان محسوس کر رہا تھا اور اطمینان کا یہ تاثر میری رگ رگ میں سرایت کر گیا۔ میں مطمئن کیوں نہ ہوتا؟ میں نے اپنے فرض کی تکمیل کر لی تھی۔ فضائی معرکوں میں موت بہت تیزی سے آتی ہے۔ بہت ہی تیزی سے ، پلک جھپکتے۔ دشمن کے ساتھ لڑتے جذبات کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ فضائی معرکے کی صورت بھی مختلف ہوتی ہے۔ لڑاکا ہوا باز ٹھنڈے دل سے ہوش ٹھکانے رکھ کر چچی تلی ڈوئیل **Duel** کھیلتا ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ دُشمن کو جان سے مار دے لیکن سلیقے اور صفائی سے۔ مرنا مارنا ہی تو ہے۔ پھر سوچتا ہوں کہ اگر بات مرنے مارنے ہی کی ہے تو یہ کھیل باوقار انداز سے کیوں نہ کھیلا جائے؟ موت کو اس کا صحیح پس منظر تو ملنا ہی چاہیئے! مرنا مارنا رذیلوں کا نہیں بہادروں کا کام ہے . . . .

" ہاں تو ' فضائی معرکے کی پوزیشن اب یہ تھی کہ فضا میں رفیقی تھا ، میں تھا اور دشمن کے چار میں سے صرف ایک ویمپائر باقی رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے طیارے کو دشمن کے اس آخری ویمپائر کے پیچھے ڈال دیا۔ اس نے میری زد سے بچ نکلنے کے

لیے ہر وہ پینترا بدلا جو اس نے انڈین ایر فورس میں سیکھا تھا لیکن میں نے بھی پاک فضائیہ میں کچھ داؤ پیچ سیکھے تھے۔ وہ تیزی سے، پلک جھپکتے، دائیں کو گھوم گیا۔ میں بھی اسی تیزی سے طیارے کو گھمانا جانتا تھا۔ میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اسے گن سائٹ میں لینا شروع کر دیا۔ ذرا ہی دیر میں وہ میری سائٹ کے نقطوں کے دائرے میں آ گیا۔ میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میری گولیوں کی بوچھاڑ اس کی باڈی میں لگی لیکن بھارتی ہواباز نے ہوش ٹھکانے رکھے اور وہ میری دوسری ضرب سے بچنے کی کوشش میں اِدھر اُدھر ہونے لگا۔ میں نے اسے زد سے نکلنے نہ دیا۔۔۔۔

"ہم دونو چکر کاٹتے، کبھی دائیں کبھی بائیں، پینترے بدلتے، نیچے ہی نیچے ہوتے چلے گئے۔ میں نے بلندی کا میٹر دیکھا، میری بلندی تین سو فٹ رہ گئی تھی۔ یہ بلندی بہت خطرناک ہوتی ہے۔ میں نے اسے ایک بار پھر گن سائٹ میں لے کر گنیں فائر کر دیں۔ وہ مجھ سے بچنے کے لیے اور نیچے چلا گیا۔ وہاں اب اور نیچے جانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ یہ ہوائی جہاز تھے، ٹرک تو نہیں تھے کہ سڑکوں پر بھی چل پڑتے۔ بھارتی ہواباز نے طیارے کو اوپر اُٹھانے کی ضرور سوچی ہوگی لیکن اسے معلوم تھا کہ میں اسے اُٹھنے نہ دوں گا۔ اتنے میں وہ درختوں کے جھنڈ سے ٹکرا گیا اور بری طرح تباہ ہوگیا۔ میں اپنے طیارے کو اُوپر کھینچ لایا۔ دیکھنے والوں کو میرا طیارہ یقیناً اس عقاب کی طرح نظر آیا ہوگا جو شکار پر جھپٹ کر فاتحانہ انداز سے آسمان کی رفعتوں کی سمت اُٹھتا ہے۔۔۔۔۔

"دونو ہوائی بیڑوں کا پہلا معرکہ بڑی فوج کے عین اوپر لڑا گیا۔ ہمارے فاتح مجاہدوں نے اپنے دشمن کے چار طیاروں کی تباہی کا دلولہ انگیز منظر اپنی آنکھوں دیکھا۔ بڑی فوجوں پر اپنی فضائیہ کی برتری کا اثر نفسیاتی ہوتا ہے۔ ان کے حوصلوں میں نئی تازگی آجاتی ہے اور وہ بجا طور پر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ایک اور قوت بھی ہے جو اُن پر سایہ کیے ہوئے ہے اور وہ آسمانی بلاؤں سے محفوظ ہیں۔ بڑی سپاہی اس تاثر کے زیرِ اثر جم کر لڑتے ہیں اور سینہ تان کر دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ فضائیہ کا کام دراصل یہی ہے کہ وہ اپنے بڑی بھائیوں کے حوصلوں میں رُوح پھونکتے رہیں۔۔۔۔

"چاروں ویمپائروں کا کام تمام کر کے ہم دشمن کے دو کینبرا طیاروں کو ڈھونڈنے لگے۔ وہ لڑنے ہی آئے تھے، تماشہ تو دیکھنے نہیں آئے تھے! دونو کہیں نظر نہ آئے۔ شاید اپنے چار ساتھیوں کا حشر دیکھ کر وہ کھسک گئے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ اچھا ہوا وہ کھسک گئے۔ اس لیے نہیں کہ ہم ان سے لڑ نہ سکتے تھے بلکہ اس لیے کہ ان میں سے کسی کو زندہ رہنا چاہیئے تھا جو واپس جا کر انڈین ایر فورس کے کمانڈروں کو یہ تو بتا سکے کہ پاک فضائیہ کے منہ آنے سے پہلے ذرا سوچ سمجھ لیا کرو،

ہم اپنے چار بھائیوں کا حشر دیکھ آئے ہیں . . . .

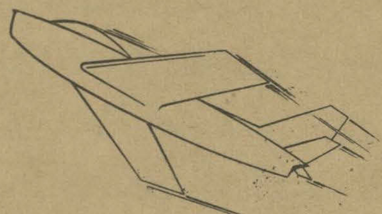
"جب ہمیں یقین ہو گیا کہ میدان ہمارے ہاتھ ہے اور آسمان پر پاک فضائیہ کی حکمرانی ہے تو میں نے اور رفیقی نے اپنی فاتح پاک فوج کے مورچوں پر غوطہ لگایا اور نیچی پرواز سے ان مجاہدوں کے سروں کے اوپر سے گزرے۔ اپنے برّی بھائیوں کو یہ ہمارا فضائی سلام تھا۔ ہم نے تھراٹل بڑھا دیے، غوطے سے اُٹھے اور اپنے اڈے کا رُخ کر لیا۔ جب ہم اترے تو ہمارے کمانڈر انچیف، ائیر مارشل نور خاں، ہمارے منتظر تھے۔ وہ بے چین سے نظر آرہے تھے۔ ہم نے انھیں مفصل رپورٹ دی تو انھوں نے دل کی گہرائیوں سے ہمیں مبارک باد دی . . . .

"ہم دونوں نے پہلی ہی فضائی جھڑپ میں دشمن کے چار ویمپائر طیارے مار گرائے جو ہمارے سیبر طیاروں سے بہت برتر تھے۔ پاک فضائیہ کی ٹریننگ کو دیکھتے ہوئے یہ کامیابی غیر متوقع نہیں تھی لیکن یہ ہماری پہلی کامیابی تھی جس نے ہمارے جذبات اور احساسات میں افراتفری مچا رکھی تھی۔ لگا ہے ہمیں اپنی کامیابی پر حیرت سی بھی ہونے لگتی۔ ہو سکتا ہے اس میں قسمت اور تقدیر کا بھی ہاتھ ہو لیکن جنگی تربیت نے ہم میں جو کمال پیدا کر رکھا تھا یہ اس کا کرشمہ تھا۔ یہ فضائی معرکہ دو اور چھ کا تھا اور گھمسان کا معرکہ تھا۔ لیکن میں نے اور رفیقی نے ایک دوسرے سے رابطہ نہ ٹوٹنے دیا نہ ایک دوسرے سے بے خبر ہوئے۔ حد یہ کہ ہم ایک دوسرے کو عقب سے 'کور' بھی کرتے رہے۔ سکواڈرن لیڈر رفیقی دو بار میرے فائر کی زد میں ایسے وقت آئے جب میں دشمن کے طیارے کو گن سائٹ میں لے کر فائر کرنے لگا تھا۔ وہ ایسا لمحہ ہوتا ہے کہ ہوا باز شاید خدا کی آواز پر بھی دھیان نہ دے لیکن میں اس قدر چوکنا تھا کہ فائرنگ بٹن نہ دبایا ورنہ وہاں تو زیر زبر کا فرق ہوتا ہے۔ نظر گن سائٹ سے ہوتی ہوئی دشمن کے طیارے پر اور ہاتھ فائرنگ بٹن پر ہوتا ہے۔"

پاک فضائیہ کا پہلا معرکہ جیتنے اور فضا میں اپنی فضائیہ کی برتری کا جھنڈا گاڑنے والے ان دونو شاہبازوں کو غیر معمولی شجاعت اور فرض شناسی کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سکواڈرن لیڈر رفیقی چھ ستمبر ۱۹۶۵ء، ہلواڑہ کے ہوائی اڈے پر حملے کے دوران فضائی معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔ انھیں بعد از شہادت جرأت مندانہ قیادت کے صلے میں ہلال جرأت عطا کیا گیا۔

فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی نے جنگ کے دوران فیروز پور کے قریب دو فضائی جھڑپوں میں دُشمن کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا تھا اور دو کو بیکار کر دیا تھا۔ ان کے کارناموں کو سرکاری سند میں ان الفاظ میں تحریر کیا گیا:

" فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی ان دو ہوابازوں میں سے تھا جو فضائی گشت کر رہے تھے۔ انھیں ہدایت دی گئی کہ دشمن کے طیارے چھمب کے علاقے میں ہماری بڑی فوج پر حملہ کر رہے ہیں، ان کا مقابلہ کرو۔ یہ پاک بھارت جنگ کا پہلا فضائی معرکہ تھا۔ گو دشمن کی تعداد زیادہ تھی، تاہم بھٹی نے غیر معمولی جرأت اور جنگی قابلیت کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے دو ویمپائر طیارے مار گرائے۔ اس کے اس کارنامے نے دوسرے ہوابازوں کے لیے مثال قائم کر دی۔"



لاہور کا فضائی معرکہ

بھارتی حکمران اقوام متحدہ میں غیر مشروط فائر بندی کی التجا کر چکے تھے۔ اِدھر انڈین ائیر فورس کے طیارے لاہور کے اُوپر منڈلا رہے تھے۔ اسی روز اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے بھارت کی التجاؤں اور پاکستان کی رضامندی کا اعلان ملکوں کی بھری محفل میں کیا اور اسی روز انڈین ایئر فورس کے آٹھ طیارے پاکستان پر حملہ کرنے آ گئے۔

پاک فضائیہ کے ایک اڈے کے اپریشن روم میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈیوٹی آفیسر نے ریسیور اٹھایا تو اُسے کنٹرولر کی آواز سنائی دی: Scramble four F-86 — (چار ایف ۸۶ - سیبر - فضا میں بھیج دو) — ڈیوٹی آفیسر نے ریسیور رکھ کر بٹن دبایا۔ دن کا پچھلا پہر تھا۔ اڈے کے ماحول میں سکریمبل Scramble کے سائرن نے ارتعاش پیدا کر دیا۔ ہوا باز طیاروں کی کاک پٹوں میں تیار بیٹھے تھے۔ چشم زدن میں چار ہوابازوں نے اوپر سے کاک پٹیں بند کر لیں اور چاروں کے انجن گرج اُٹھے ——— ذرا سی دیر میں طیارے 'رن وے' کی طرف چل پڑے۔ 'رن وے' پہ جا کر انجنوں سے دل دہلا دینے والا شور اٹھا اور پہلے دو طیارے ——— ایک میں سکواڈرن لیڈر شربت علی چنگیزی اور دوسرے میں اس کا ونگ مین (نمبر ۲) فلائٹ لفٹننٹ اظہر الحق ملک ——— 'رن وے' پہ سیدھے ہو کر گرجدار زناٹے سے زمین و آسمان کو مرتعش کرتے فضا میں بلند ہو گئے۔ ان کے پیچھے دوسرے دو شاہباز ——— فلائٹ لفٹننٹ سید نذیر احمد جیلانی اور فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ خان ——— اپنے طیاروں کو 'رن وے' پہ لے جا کر چنگیزی اور ملک کے پیچھے اڑا لے گئے۔ چاروں طیارے چند ہی لمحوں میں دُور افق پہ دھبّوں کی مانند نظر آئے، پھر ستمبر کی تپتی فضا میں گم ہو گئے۔

جن ہوابازوں کو اس طرح عجلت میں اڑا دیا جاتا ہے انھیں ہدایات کنٹرولر کی طرف سے فضا میں وائرلیس پر دی جاتی ہیں ان چار ہوابازوں کو بھی بغیر ہدایت کے اڑا دیا گیا تھا۔ وہ فضا میں دُور نکل گئے تو انھیں اڈے سے کنٹرولر کی آواز سنائی دی ——— "بلندی بیس ہزار رکھو۔ قصُور اور لاہور کے علاقے پر گشتی پرواز کرو" ——— چاروں طیاروں نے قصور کا رُخ کر لیا اور بیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر قصور کھیم کرن سیکٹر پر جا پہنچے۔

فضا دھندلائی ہوئی اور بلندی بیس ہزار فٹ۔ زمین پر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جنگ کا چودھواں روز تھا اور پاک فوج کو کھیم کرن پر قبضہ کیے کئی دن گزر گئے تھے۔ کھیم کرن قصور سے چھ میل دور بھارت کا ایک اہم قصبہ ہے۔ اس روز جنگ کھیم کرن سے کئی میل آگے ہو رہی تھی۔

پاک فضائیہ کے ان چار طیاروں کو گشتی پرواز کرنی تھی۔ وہ کھیم کرن سے گھومے اور لاہور کا رُخ کر لیا۔ فضا میں امن و امان اور سکون تھا۔ اس سکون میں ہوابازوں کو اپنے طیاروں کی مسلسل گونج سنائی دے رہی تھی۔ ہواباز ہر سُو فضا میں دشمن کے طیاروں کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ گشتی پرواز کی ذمہ داریوں سے خوب آگاہ تھے۔ نیچے پاک فوج وطن کی آبرو کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھی اور بھارتی کمانڈر پاکستانیوں سے کھیم کرن چھین لینے کے لیے زیادہ سے زیادہ کمک جنگ میں جھونک رہے تھے۔ یہ ہوابازوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے برّی غازیوں کو دشمن کی ہوائی طاقت سے محفوظ رکھیں۔ وہ چوکس ہو کر لاہور، قصُور، کھیم کرن محور کی فضا کی پاسبانی کر رہے تھے۔ اچانک اِن کے طیاروں کے ریڈیو پر کنٹرولر کی آواز سنائی دی ——— "چار نامعلوم قسم کے طیارے دشمن کے علاقے سے اوپر اٹھتے آرہے ہیں۔ ان کا رُخ شمال کی طرف ہے۔"

پاک فضائیہ کے یہ چاروں ہواباز فوراً لاہور کے اوپر چلے گئے۔ دشمن کے طیاروں کا شمال کی طرف آنے کا مطلب تھا کہ وہ لاہور کے اوپر آئیں گے یا اوپر سے گزریں گے۔ پاک ہواباز لاہور کے تاریخی شہر کے اوپر چکر کاٹنے لگے۔ اور آنکھوں پر زور دے دے کر ہر سُو دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگے۔ اپنے پروں کے نیچے لاہور شہر کو دیکھ کر چاروں شاہبازوں کی رگ رگ بیدار ہو گئی اور دماغی اور جسمانی قوتیں ایک نقطے پر مرکوز ہو گئیں۔ ان کا خون کھول اُٹھا۔ اسی لاہور پر قبضہ کرنے کے لیے دشمن نے پوری قوت سے حملہ کیا تھا اور اب اس کے طیارے اسی شہر کا رُخ کیے اڑے آرہے تھے۔

پاک فضائیہ کے ان ہوابازوں نے لاہور کی سڑکوں پر لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھا تو انھوں نے اپنے اندر نئی قوت محسوس کی اور انھوں نے محسوس کیا کہ ہماری قوم ہمارے بھروسے جنگ کے دوران آزادی سے گھوم پھر رہی ہے۔ ان کے سینے

فخر، جذبۂ حریت اور حب الوطنی سے پھیلنے لگے۔ فرض کی نزاکت اور تقدس نے ایمان کی چنگاریاں سُلگا دیں ـــــ وہ اور زیادہ چوکس ہو کر فضا میں دشمن کو تلاش کرنے لگے مبادا وہ بے خبری میں بم گرا جائے۔

امان اللہ کو اپنی بلندی سے دُور نیچے دو متحرک دھبے نظر آئے، وہ وائرلیس پر چلّایا ـــــ "دشمن کے دو طیارے، سامنے ذرا بائیں، پانچ ہزار فٹ بلندی پر" ـــــ چاروں ہوابازوں نے پلک جھپکتے بیک وقت تیل کی فالتو ٹینکیاں پروں سے گرا دیں اور مشین گنوں اور گن سائٹوں کے بٹن اور سوئچ وغیرہ چیک کر کے معرکے کے لیئے تیار ہو گئے۔ دشمن کے طیارے امان اللہ کے سوا کسی اور ساتھی کو نظر نہیں آئے تھے لیکن ذرا ہی دیر بعد لیڈر کے نمبر ۲، جیلانی نے نہ صرف دشمن کے طیاروں کو دیکھ لیا بلکہ انھیں پہچان بھی لیا۔ وہ انڈین ایر فورس کے دو ہنٹر تھے اور ان سے کم بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔

دو ہوابازوں نے اپنے طیاروں کو دشمن کے طیاروں پر غوطے میں ڈال دیا۔ سکواڈرن لیڈر چنگیزی کو دشمن کے دو اور ہنٹر طیارے نظر آ گئے۔ یہ دونوں تقریباً تین ہزار فٹ کے فاصلے سے جیلانی کو زد میں لینے کے لیے اس پر جھپٹ رہے تھے۔ چنگیزی (جو بلوچستان کے ہزارہ قبیلے کا جنگجو ہے) نے تیر کی طرح ان دو ہنٹروں پر ٹوٹ پڑنے کو اپنے طیارے کا رُخ ان کی طرف موڑ دیا۔ ملک اس کی عقبی حفاظت کے لیے اس کے پیچھے تھا۔

لاہور شہر پر فضائی معرکہ شروع ہو گیا۔

ذرا ہی دیر میں معرکے کی صورت خاصی دلچسپ ہو گئی۔ پاک فضائیہ کے دو طیارے دشمن کے دو طیاروں کے تعاقب میں تھے اور دشمن کے دو طیارے پاک فضائیہ کے ان دونو طیاروں کے تعاقب میں تھے اور ان کے عقب میں پاک فضائیہ کے دو طیارے انھیں زد میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ گویا تمام طیارے تعاقب میں بھی تھے اور ان کا تعاقب بھی ہو رہا تھا۔ لاہور کی فضا طیاروں کی مشین گنوں کی ہیبت ناک "رٹ ٹٹ۔ٹٹ ٹٹ" اور مسلسل دھمک سے گونج رہی تھی۔ نیچے لاہور میں ہوائی حملے کے سائرن واویلا کر رہے تھے لیکن لاہور کے لکھوکھا زندہ دلان خطرے کے سائرن کو یکسر نظر انداز کر کے ہجوم در ہجوم، آسمان کی طرف منہ کر کے اپنے شاہبازوں اور دشمن کے ہوابازوں کا زندگی اور موت کا معرکہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے سینوں سے نعرے توپوں کے دھماکوں کی طرح گونج رہے تھے۔ لاہور کے زمین و آسمان پر ہیجان طاری تھا اور تکبیر کے نعروں سے فضا کانپ رہی تھی۔ لاہوریوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ سر پر لڑتے طیاروں کی مشین گنوں کی زد میں کھڑے ہیں لیکن وہ فضائی معرکے کو یوں دیکھ دیکھ کر نعروں کا واویلا مچا رہے تھے جیسے پتنگ بازی دیکھ رہے ہوں۔

دونوں طرف کے طیارے ایک دوسرے پر چیخ چیخ اور گرج گرج کر جھپٹ رہے تھے اور مشین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کر رہے تھے۔ لڑتے لڑتے جب معرکہ عروج کو پہنچا تو دونو طرفوں کی ترتیب گڈمڈ ہونے لگی۔ لاہور کے آسمان پر قیامت بپا ہوگئی طیارے ایک دوسرے کے پیچھے غوطوں میں جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے تعاقب میں دائیں بائیں اور اوپر نیچے ہو رہے تھے۔ قلابازیاں کھا کھا کر پنترے بدل رہے تھے اور ہر لمحہ بعد مشین گنوں کا فائر یوں سنائی دیتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

سکواڈرن لیڈر چنگیزی اپنی کاک پٹ میں کمر کو ذرا سا خم دے کر آگے کو جھکا ہوا گن سائٹ میں نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے دشمن کے ایک طیارے کو آگے لگا رکھا تھا۔ اس کا شکار اچانک بائیں کو گھوم گیا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چنگیزی کو اپنے تعاقب سے جھٹک ڈالے گا لیکن چنگیزی اس سے زیادہ پھرتیلا نکلا۔ اس نے بھی طیارے کو بائیں طرف کر لیا اور تعاقب سے ایک انچ بھی نہ بھٹکا۔ اس نے پھر گن سائٹ میں سے جھانکا۔ دشمن کا طیارہ سائٹ کے روشن نقطوں کے حلقے میں آ رہا تھا۔ اس طیارے کا ہواباز دراصل پاک فضائیہ کے ایک طیارے کے تعاقب میں بھی تھا۔ وہ چنگیزی سے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ پاک فضائیہ کے طیارے کو بھی زد میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ پاک ہواباز پر فائر کرتا، چنگیزی نے اسے رینج میں لے کر فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی گولیوں کی تمام تر بوچھاڑ بھارتی طیارے کی باڈی میں لگی۔

بھارتی ہنٹر زور سے ڈگمگایا لیکن وہ پاکستانی طیارے کے عقب سے نہ ہٹا۔ چنگیزی نے دو تین لمحے انتظار کر کے بڑے تحمل سے ایک اور بوچھاڑ فائر کر دی اور تعاقب میں لگا رہا۔ دشمن ابھی تک سلامت تھا اور چنگیزی کی زد سے بچ نکلنے کے لیے پینترے بدل رہا تھا۔ وہ طیارے کو دائیں بائیں، اوپر نیچے ٹھنیاں دے رہا تھا لیکن چنگیزی نے اُسے زد سے نکلنے نہ دیا اور ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔ یہ برسٹ کام کر گیا اور بھارتی ہواباز چنگیزی کے چنگل سے ہی نہیں، اس دُنیا کے جھنجھٹ ہی سے آزاد ہوگیا۔ بھارتی ہنٹر فضا میں سیاہ کالا دھواں چھوڑتا پاک سرزمین کی سرحدوں کی سمت گرا اور پھٹ گیا ہواباز طیارے سے نکل نہ سکا۔

چنگیزی کا نمبر ۲، ملک، اس کے پیچھے تھا اور اسے Tail clear (عقب محفوظ ہے) کے پیغام دیتا رہا تھا لیکن چنگیزی نے محسوس کیا کہ کچھ دیر سے اسے ملک کی آواز نہیں سنائی دی۔ چنگیزی نے اسے وائرلیس پر بلایا لیکن آگے سے



سکواڈرن لیڈر شربت علی چنگیزی



فلائٹ لیفٹیننٹ نذیر احمد جیلانی



انڈین ایئرفورس کے ایک لڑاکا بمبار کا ملبہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر پڑا ہے

کوئی جواب نہ ملا۔ جیلانی اور امان اللہ آپس میں بہت باتیں کر رہے تھے۔ ان کے حوصلے عروج پر تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھے ہوئے اپنے سے دگنی تعداد کے دشمن سے جم کر لڑ رہے تھے لیکن ان آوازوں میں چنگیزی کو ملک کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ملک کو پھر پکارا لیکن ملک خاموش رہا۔ چنگیزی کے دل پر بوجھ سا آپڑا اسے اپنی نہیں ملک کی فکر تھی لیکن ملک کی آواز فضا میں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ملک دراصل لاہور ہی کے آسمان میں تھا اور تن تنہا دشمن کے چار نیٹ طیاروں سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔ دشمن کے چار نیٹ طیارے اچانک اس پر جھپٹ پڑے۔ یہ نیٹ اچانک ہی کہیں سے آ گئے تھے۔ انھوں نے ملک کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اپنے لیڈر کو بتا سکتا کہ میری آزمائش کی گھڑی آ پہنچی ہے اور اب تم اپنے عقب کا خود ہی دھیان رکھنا۔ اگر ملک ان طیاروں کو اپنے اوپر جھپٹا دیکھ لیتا تو بات اور تھی لیکن معرکہ گھمسان کا تھا اور ملک کو اپنے لیڈر کے عقب کا زیادہ خیال تھا اور دشمن اس پر بے خبری میں ٹوٹ پڑا تھا۔ اسے اس وقت پتہ چلا جب اس کے طیارے کے دائیں پر پر گولیوں کی بوچھاڑ آ گی اور اس کے طیارے کو جھنجھوڑ کر پار ہو گئی۔ ملک نے چونک کر دیکھا، دو نیٹ طیارے اس پر غوطے میں تھے اور ایک نے اس پر فائر کیا تھا۔ ملک نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ اُسے دو اور نیٹ طیارے اپنے اوپر جھپٹے میں نظر آئے۔ ایک نیٹ کی گنیں اس پر فائر کر رہی تھیں ملک کے طیارے نے شدید چوٹیں کھائیں۔ ملک گھبرانے والا ہوا باز نہیں تھا۔ اس نے ۷ ستمبر کے روز سرگودھے کے تاریخی فضائی معرکے میں دشمن کا ایک مسٹیئر طیارہ مار گرایا تھا۔

ملک نے چوٹیں کھا کر طیارے کو تیزی سے ایک طرف کر لیا اور دشمن کی مزید بوچھاڑوں کی زد سے نکل آیا۔ بھارتی ہوا باز نے ملک کے موڑ کی راہ میں آ کر زاویے سے فائر کیا پھر نیچے سے ملک کے طیارے کی راہ میں آنے کی کوشش کی اور ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔ یہ برسٹ خاصا لمبا تھا جو ملک کے طیارے میں لگا۔ ملک کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا کہ اس کا طیارہ بے قابو ہو کر چکراتا ہوا نیچے آ رہے گا لیکن ملک نے طیارہ سیدھا کر لیا۔ گو اسے توقع بہت کم تھی کہ اس قدر مجروح طیارہ سیدھا ہو سکے گا لیکن ملک کی ہمت تھی کہ اس نے بیکار طیارے کو قابو میں کر لیا مگر اس کی کاک پٹ میں دُھواں بھرنے لگا۔

ملک نے ہوش ٹھکانے رکھے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ دُشمن کے چار طیارے اس پر جھپٹ رہے تھے لیکن ملک نے طیارے کو گہرے غوطے میں ڈال دیا۔ کاک پٹ میں دُھواں زیادہ ہوتا جا رہا تھا اور طیارے کو قابو میں رکھنا ممکن نہ تھا۔ ملک نے اپنے لیڈر کو وائرلیس پر بلانے کی کوشش کی لیکن وائرلیس سسٹم تباہ ہو چکا

تھا۔ ملک لڑنے کے قابل نہ رہا تھا۔ طیارہ اس قدر تباہ ہو چکا تھا کہ اس کا فضا میں رہنا ہی محال تھا لیکن ملک طیارے کو اڈے پہ لانے کے جتن کرنے لگا۔

بات بن نہ سکی۔ وہ دشمن کو جُل دے کر نکل تو آیا لیکن اڈے کو واپس جاتے ہوئے اُسے محسوس ہونے لگا کہ طیارہ واپس نہ پہنچ سکے گا۔ ملک کو طیارہ اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اگر اسے کوئی یقین دلا دیتا کہ اگر وہ جان دے دے تو طیارہ محفوظ رہے گا تو وہ پاک فضائیہ کے ایک طیارے کی خاطر اپنی جان دے دیتا۔ اُس نے طیارے کو ہوا میں رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن طیارہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ ملک کے لیے اب ایک ہی صورت تھی کہ اپنے عزیز اور وفادار ساتھی سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو جائے۔ کاک پٹ دُھوئیں سے بھر گئی تھی اور کسی بھی لمحے طیارہ پھٹ سکتا تھا۔ ملک نے بوجھل دل سے ، دَم توڑتے طیارے کے پروں پر نگاہ ڈالی۔ اُسے دُکھ ہُوا۔ اس طیارے نے اس کا بہت ساتھ نبھایا تھا۔ اس طیارے نے پاکستان کے دفاع کے لیے بہت سی جنگی پروازیں کی تھیں اور دشمن سے خونریز جھڑپیں لی تھیں۔ ملک نے کاک پٹ کو آخری بار دیکھا اور کاک پٹ کی کینوپی اڑا کر سیٹ کو ایجیکٹ Eject کر دیا۔ وہ سیٹ سمیت کئی فٹ دُور اُوپر اُڑ گیا۔ پیراشوٹ کُھلا ، سیٹ بھی جسم سے الگ ہو چکی تھی اور وہ دل پر طیارے کی جدائی کا بار لیے زمین پر آ رہا اور شام کے وقت بخیریت اڈے پر پہنچ گیا۔

اُدھر لاہور کی فضا میں پاک فضائیہ کے تین سیبر طیارے اور دشمن کے سات (تین ہنٹر اور چار نیٹ) طیاروں میں معرکہ جاری تھا۔ جیلانی اور امان اللہ دو ہنٹر طیاروں کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ نیٹ طیارے ان پر بوچھاڑ پہ بوچھاڑ فائر کر رہے تھے۔ امان اللہ ، جیلانی کو عقب سے "کور" کر رہا تھا۔ اپنے سے تین گنا دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے یہ دونو شاہباز حاضر دماغی اور یکسوئی سے ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ وار کرنا بھی بہادری ہے لیکن چاروں طرف سے دشمن کے گھیرے میں آ کر وار پہ وار بچانے کے لیے غیر معمولی قابلیت اور شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ان دونو شاہبازوں کا کمال تھا، اس کے باوجود وہ دشمن پر وار بھی کر رہے تھے۔

امان اللہ کو دو نیٹ طیارے اپنے اوپر جھپٹتے نظر آئے۔ وہ نہایت تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے لیکن اس نے پھرتی سے ایک طرف ہو کر ایسا پینترا بدلا کہ دونو طیاروں کا جھپٹا رائیگاں گیا۔ جیلانی دو ہنٹروں کے پیچھے لگا ہُوا تھا۔ ایک ہنٹر کے ہوا باز نے اچانک ایک داؤ کھیلا اور یک لخت گھوم کر امان اللہ کے عقب میں آنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ کسی

حد تک اپنے داؤ میں کامیاب رہا بلکہ اُس نے قریب ہو کر امان اللہ پر ایک بوچھاڑ فائر کر دی۔ لیکن امان اللہ تیزی سے طیارے کو بائیں کر کے اس کی ہشست سے نکل چکا تھا۔ دشمن کی بوچھاڑ فضا میں بکھر گئی اور ہنٹر آگے نکل گیا۔

جیلانی نے دوسرے ہنٹر کا تعاقب نہ چھوڑا۔ اس ہنٹر کا ہوا باز ہوشیار اور تجربہ کار معلوم ہوتا تھا۔ وہ فضائی معرکے کی سُوجھ بُوجھ رکھتا تھا، اُس نے جیلانی کو عقب سے جھٹکنے کے لیے قابل داد داؤ کھیلے اور کمال پھرتی سے طیارے کو دائیں بائیں اور اوپر نیچے کرتا رہا لیکن جیلانی اس سے بھی زیادہ ہوشیار تھا۔ وہ اس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا اور اُس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ ہنٹر آہستہ آہستہ جیلانی کی گن سائٹ میں آرہا تھا۔ آخر جیلانی نے اُسے گن سائٹ میں لے لیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی چھ مشین گنوں نے آہن شکن اور آتشیں گولیاں اُگلیں۔ بھارتی طیارہ سیاہ دُھواں اگلنے لگا پھر شعلے بھڑکے اور وہ جلتا ہوا لاہور کے علاقے میں گر پڑا۔ ہوا باز طیارے سے نکل نہ سکا۔

باقی بھارتی ہوابازوں نے اپنے دو ہنٹر طیاروں کو ہوابازوں سمیت یوں ختم ہوتے دیکھا تو انھوں نے نکل بھاگنا ہی بہتر سمجھا اور وہ فضا میں بکھر کر اپنی اپنی راہ بھاگ گئے اور ہمارے تینوں شاہبازوں نے اپنے اڈے کا رُخ کر لیا اور چوتھا (ملک) شام کو پہنچ گیا۔

نیچے لاہور کی سڑکوں اور چھتوں پر، باغوں اور میدانوں میں لکھوکھا انسان طیاروں کی برستی گولیوں کی بوچھاڑوں میں کھڑے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا رہے تھے ——— "وہ مارا۔ بو کاٹا۔ نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر۔ پاکستان زندہ باد۔ وہ مارا۔ بو کاٹا۔ پاکستان ایر فورس زندہ باد" ——— ہجوم اور زیادہ گھنے ہو گئے تھے۔ جب انھوں نے دشمن کا یہ دوسرا طیارہ جلتا ہوا لاہور کے مضافات میں گرتے دیکھا تو نعرے لگاتے اس سمت بھاگ اُٹھے جس طرف طیارہ گرا تھا۔ طیارہ شالامار سے پرے گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی مخلوق طیارے کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑی۔ جس کے ہاتھ جو لگا وہ پاک فضائیہ کے فاتحانہ کارنامے کی یادگار کے طور پر اٹھا لایا۔ جن لوگوں کے ہاتھ طیارے کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہ آیا وہ اس جگہ کی جلی ہوئی مٹی ہی اٹھا لائے جہاں طیارہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

بھارتی ہوا باز کی کھوپڑی جسم سے کٹ کر دُور پرے پڑی تھی اور اس کا باقی جسم طیارے کے ساتھ جل گیا تھا۔

یہی ایک طریقہ ہے جس سے بھارتی کھوپڑی میں ذرا سی عقل ڈالی جا سکتی ہے۔

حرفِ آخر

جنگ کے بعد پاکستان ایر فورس کے کمانڈر انچیف ایر مارشل ایم نور خاں نے پی اے ایف ہیڈ کوارٹر میں غیر ملکی اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے بھارتی ایر فورس کے کمانڈر انچیف کو چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ جنگی کامیابیوں کے متعلق پاک فضائیہ کے دعوؤں کو غلط سمجھتے ہیں تو حقائق و شواہد کی روشنی میں ہمارے دعوؤں کو جھٹلائیں۔ انھوں نے یہ بھی دعوت دی کہ دونو ملکوں کے مبصر ایک دوسرے کے ملک میں جا کر دونو ایر فورسوں کے دعوؤں کی چھان بین کریں۔ ایر مارشل نور خاں کو اس چیلنج کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ بھارت کے ڈھنڈورچی اور اس کے بہی خواہ سراسر بے بنیاد اور پادر ہوا باتیں پھیلائے جا رہے تھے دراصل ان لوگوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ بھارتی عوام کے ٹوٹے ہوئے حوصلوں میں کسی نہ کسی طرح جان ڈالی جا سکے۔ اسی لیے انھیں اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے غرض ہے۔ پاک فضائیہ کے چیلنج کو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔ جب بھارت نے کمال عیاری سے جنگ کے کسی باضابطہ اعلان کے بغیر اپنی فوجیں بین الاقوامی سرحد کے اس پار چڑھا دیں تو اس کے ساتھ ہی اس کے جنگ باز اور اوچھے لیڈروں نے اپنے عوام سے یہ وعدہ کر دیا تھا کہ پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دینے میں زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ اس وعدے سے بھارتی عوام کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ مگر ہوا یہ کہ دن گزرتے گئے، اور وعدے کی تکمیل کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام مایوس اور بددل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ بھارت کے اخباروں نے کھلے بندوں اپنی سرکار کو کوسنا شروع کر دیا اور پارلیمان میں حزب اختلاف حکمران پارٹی کی جان کو آنے لگی۔

ایک طرف تو بھارتی برّی فوج نے پاک فوج کے ہاتھوں شکستوں پر شکستیں کھائیں اور دوسری طرف پاک فضائیہ نے

انڈین ایئر فورس کے غرور و نخوت کی گردن مروڑ کے رکھ دی اور اسے فضا میں سامنے آنے کے قابل نہ چھوڑا۔ بھارت کے بزدل لوگ خوف و ہراس کا شکار ہو گئے۔ انڈین ایر فورس کے کمانڈر انچیف ایر مارشل ارجن سنگھ کو بھی ۱۶ ستمبر کو آل انڈیا ریڈیو سے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ: "انڈین ایر فورس پاک فضائیہ کے مقابلے میں کسی وقت بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتی۔ انڈین ایر فورس اپنی مجبوریوں کے باوجود مقدور بھر کوشش کر رہی ہے۔" لیکن ارجن سنگھ نے اپنی ایر فورس کی مجبوریوں کی تفصیل نہیں سنائی۔ دراصل پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے والوں کے اپنے گھٹنے ٹک گئے تھے۔ اسی رات بھارت کے ایک سر کردہ اخبار نویس اور براڈ کاسٹر مسٹر فرینک مورس نے بھی آل انڈیا ریڈیو سے ایک نشریے میں تسلیم کیا کہ انڈین ایر فورس کو پاکستان ایر فورس کے ہاتھوں بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ انھوں نے اپنے سامعین کو یہ قیمتی مشورہ دیا کہ اس حقیقت کو جھٹلانے سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ لوگوں کو اور زیادہ نقصانات کی خبریں سننے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ اس سرکاری اعتراف کے باوجود بھارت والے پاک فضائیہ کے دعوؤں کو جھٹلا رہے ہیں۔

۲۳ ستمبر کو جنگ بند ہو گئی۔ یہ زیادہ سے زیادہ بالائے سطح جنگ بندی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بھارت کے ڈھنڈورچیوں نے جرمنی کے عظیم دروغ گو گوئبلز کے بھی کان کترنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے جنگ کے دوران بھارتی "کارناموں" کے بارے میں جھوٹ موٹ کے اور فرضی افسانے نشر کرنے شروع کر دیے۔ جو کچھ وہ جنگ کے دوران کھو بیٹھے تھے اسے انھوں نے پروپیگنڈے کے زور سے پھر واپس لینے کی کوشش کی۔ وہ فضا میں اپنی ایر فورس کی شرمناک شکست کو آکاش وانی کی فضائی لہروں پر فتح میں بدلنے لگے۔ انڈین ایر فورس کے کمانڈر انچیف بھی اپنے ہی تھوکے ہوئے کو چاٹ لینے پر آ گئے۔ انھوں نے دعویٰ کر دیا کہ پاکستان ایر فورس آدھی ختم ہو گئی ہے۔ تخیل کی بلند پروازی کی یہ حد تھی۔ میدان جنگ میں پٹ کر اب بھارتیوں کے پاس تخیل اور تصور کے سوا رہ ہی کیا گیا تھا، مگر پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے دونو فریقوں کے دعوؤں کی چھان کے لیے جو پیشکش کی تھی اسے قبول کرنے کی جرأت بھارتی جنگی ناخداؤں کو نہ ہو سکی۔

پاک فضائیہ نے اپنے طور پر یہ کیا کہ غیر ملکی سفارت خانوں کے فوجی اتاشیوں اور اخباری نمائندوں کو دعوت دی اور انھیں پی اے ایف کے تمام بڑے بڑے مرکز اور اڈے دکھائے۔ یہ غیر ملکی اتاشی اور اخباری نمائندے پی اے ایف کے دعوؤں کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ بعض غیر ملکی فوجی اتاشیوں اور اخباری نمائندوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا۔ انھیں پی اے ایف کے دعوؤں کو درست تسلیم کرنے میں خاصا پس و پیش ہُوا، مگر جو حقیقت خود ان کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی اسے تسلیم کر لینے

کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ حقائق و شواہد کو جھٹلانا آسان نہ تھا چنانچہ انھیں پاک فضائیہ کے دعووں کو صحیح ماننا پڑا۔

بھارت نے ناکامی و نامرادی کے داغ دھونے کی غرض سے جو جھوٹ تراش کر اندرون و بیرون ملک پھیلائے ان کی بنا پر بھارت اور غیر ممالک کے بعض اخبارات و جرائد اور کتابوں میں بڑی مضحکہ خیز چیزیں چھپنے لگیں۔ آیئے ہم ذرا ان کے دعووں کی حقیقت آپ کو دکھائیں۔

جنگ شروع ہوئی تو پاک فضائیہ کے پاس ۹۸ سیبر، ۲۴ بی۔۵۷ اور ۱۲ ایف۔۱۰۴ سٹار فائٹر تھے (ان اعداد و شمار کی صحت حکومت امریکہ سے کی جا سکتی ہے کیونکہ جنگ سے پہلے پاکستان کو جنگی ساز و سامان مہیا کرنے والا واحد ملک امریکہ تھا)۔

ایک سیدھا سادہ سا سوال یہ پوچھا جا سکتا ہے ——— اگر ہمارے نقصانات کے بارے میں بھارت کے دعوے درست ہیں تو ۲۳، مارچ ۱۹۶۶ء یوم پاکستان کی پریڈ کے موقع پر پاک فضائیہ نے ۸۲ سیبر (۷۲، راول پنڈی میں اور دس ڈھاکہ میں)، بیس بی۔۵۷ بم بار اور دس ایف۔۱۰۴ سٹار فائٹر اڑانے کا اہتمام کیسے کر لیا؟ اس سلسلے میں مزید قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس موقع پر سینکڑوں غیر ملکی اخبار نویس اور فوجی اتاشی موجود تھے، ان میں بھارتی سفارتی نمائندے بھی شامل تھے۔ یہی سوال ایک پاکستانی اخباری نمائندے نے اس موقع پر موجود ایک بھارتی فوجی نمائندے سے پوچھ لیا تھا۔ بھارتی نمائندے کے پاس کھسیانی سی ہنسی کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

بھارت میں پچھلے دنوں ایک کتاب چھپی ہے جس میں لکھا ہے: "پی اے ایف نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے انڈین ایر فورس کے تمام مگ۔۲۱ تباہ کر دیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایک کے سوا تمام مگ صحیح سالم موجود ہیں اور وہ پوری طرح کام دے رہے ہیں۔ بائیس روز کی جنگ میں مگ ایک بار بھی استعمال نہیں کیے گئے۔"

ہم پوچھتے ہیں کہ: جب انڈین ایر فورس اپنے سے کئی گنا کم تر ایر فورس کے ہاتھوں اس طرح پٹ رہی تھی تو اس نے مگ کیوں نہ استعمال کیے؟ اور اگر انھیں استعمال نہیں کرنا تھا تو پاکستان کی سرحد کے اس قدر قریب رکھنے کا کیا مطلب تھا؟ ظاہر ہے کہ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ وہ فضا میں قلابازیاں لگا کر بھارت کے شکست خوردہ جنگی ناخداؤں کا من پرچائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انڈین ایر فورس نے ۴ ستمبر کو مغربی پاکستان کی سرحد کے ساتھ اپنی فضائی قوت و جبروت کا جو مظاہرہ کیا تھا اس میں مگ بھی شامل تھے، مگوں کے علاوہ نیٹ اور ہنٹر بھی تھے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ بھارتی مگوں کی آخری رونمائی تھی۔ اس لیے نہیں کہ انڈین ایر فورس انھیں پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر نمائش کے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی بلکہ اس لیے

کہ پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے انھیں زمین ہی پر بھسم کر دیا تھا اور ان کی راکھ کے سوا کچھ باقی نہ رہ گیا تھا۔ ۶، ستمبر کی شام کو پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر وہ سارے کے سارے تباہ ہو گئے تھے۔ پاک فضائیہ کے لڑاکا شاہبازوں نے جنگ کا جو پہلا ہی فضائی حملہ کیا تھا اس میں انہوں نے بھارت کے مگ۔ ۲۱ اور بعض دوسرے طیارے زمین ہی پر برباد کر دیے تھے۔ پٹھانکوٹ پر حملہ کے دوران ہمارے طیاروں کے گن کیمروں نے جو تصویریں لی ہیں وہ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔ ہم ان تصویروں کو اس کتاب میں بھی پیش کر رہے ہیں۔

جنگ سے صرف چند ماہ پیشتر بھارت کو روس سے بیس سے کچھ زیادہ مگ۔ ۲۱ طیاروں کی پہلی کھیپ ملی تھی۔ جنگ شروع ہونے تک بھارت نے درجن بھر مگ اپنے ہاں پُرزے جوڑ کر تیار کر لیے تھے۔ مگ دنیا کے جدید ترین لڑاکا طیاروں میں شمار ہوتا ہے ان طیاروں کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لیے پٹھانکوٹ میں رکھ دیا گیا تھا۔ ان میں سے تین جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی فضائی حادثوں کی نذر ہو گئے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے ان کا صفایا پٹھانکوٹ پر حملہ کے دوران ہماری فضائیہ نے کر دیا تھا۔ آوازسے تیز رفتار یہ طیارے جنگ کے آخری دنوں میں پھر نظر آئے۔ یہ غالباً اس وقت تک پُرزے جوڑ کر تیار کر لیے گئے تھے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات سن لیجیے۔ روس کے ایک سفارتی نمائندے سے پوچھا گیا کہ آپ کے مگ۔ ۲۱ طیاروں کا کیا بنا؟ تو اس نے برجستہ مگر سٹپٹا کر جواب دیا: "کوئی کیا کر سکتا تھا! ان کو چلانے والی گائیں تھیں۔"

غیر ممالک میں مندرجہ بالا بھارتی کتاب کی بہت پبلسٹی کی گئی ہے۔ اس میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ پاک فضائیہ کے جن سیبر طیاروں نے کلائی کنڈہ پر حملہ کیا تھا وہ سارے کے سارے مار گرائے گئے تھے۔ اے کاش اس کتاب کے مصنف کلائی کنڈا کے معرکہ بازوں کی وہ تصویریں ہی دیکھ لیتے جو پاکستانی اخباروں میں چھپی تھیں۔ ان جانبازوں کو پاکستان ایر فورس کے کمانڈر انچیف نے جنگ کے بعد ڈھاکہ جا کر شجاعت کے اعزاز لگائے تھے۔ ہمارا صرف ایک سیبر ضائع ہوا تھا، اور وہ بھی بھارتی فضائی مرکز پر دوسرے حملے کے دوران۔ اس کے مقابلے میں پی اے ایف نے بھارت کے چودہ کینبرا اور چار دوسرے طیارے تباہ کر دیے تھے۔

بھارتیوں نے اپنے عوام اور دنیا کو اپنی فتح کا یقین دلانے کیلیے ایک انوکھی ترکیب کی ہے۔ انھوں نے ایک امریکی رسالے "ملٹری ریویو" کی فروری ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں ایک اسرائیلی سے اپنے جنگی "کارناموں" کے بارے میں مضمون لکھوایا ہے۔ یہ یہودی زمینی جنگ کی وقائع نگاری سے واقف معلوم ہو تو ہو مگر وہ فضائی جنگ کی ا ب سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ اس

کے اناڑی پن کا یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ بھارتی فائٹروں کا ذکر کرتے ہوئے انھیں "ہنٹر ہاک" کہتا ہے یا وہ انھیں ہاکر ہنٹر سمجھتا ہے یا "سی ہاک"۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ یہودی ہندوؤں کا کرائے کا ڈھنڈورچی ہے۔

اس نے سب سے بڑی بات یہ کہی ہے کہ "انڈین ایرفورس نے اپنی بری افواج کی امداد کے سلسلے میں جو جنگی کارروائیاں کی ہیں وہ پاک فضائیہ کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب رہی ہیں"۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارتی آرمی کی نفری بائیس تربیت یافتہ ڈویژنوں پر مشتمل تھی۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کی نفری بمشکل ایک چوتھائی تھی۔ بھارتی آرمی نے سب سے زیادہ جنگی فائدہ اس طرح حاصل کر لیا تھا کہ وہ چوری چھپے، کسی باضابطہ اعلانِ جنگ کے بغیر، ڈویژنل آرٹلری اور ٹینکوں کے بے ہنگم فائر کے سائے میں پاکستان کے علاقے میں گھس آئی تھی۔ اسرائیلی وقائع نگار جو اپنے آپ کو "غیر جانبدار مبصّر" کہتا ہے، اگر اس کے دعوے کو سنجیدگی سے قابلِ غور سمجھا جائے (گو ایسی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیئے) تو پوچھا جا سکتا ہے کہ بھارتی آرمی کو جنگ کے سارے محاذوں پر کہیں بھی اپنا قدم آگے بڑھانے میں کیا رکاوٹ تھی؟ کیا اس سے یہ ماننے میں کسی کو کوئی تامل ہوگا کہ یہ رکاوٹ پاکستان آرمی کی تھی جو نفری اور ساز و سامان کے لحاظ سے کم تر تھی لیکن وہ خوب منجھی ہوئی تھی، نظم و ضبط اس کے رگ و ریشے میں جاری و ساری تھا، اپنے ہتھیاروں کا استعمال وہ جانتی تھی اور اس کے افسر اور جوان تو کیا پاک فوج کے لانگری بھی خوب سمجھتے تھے کہ وہ جنگ کیوں لڑ رہے ہیں اور اسے اپنی فضائیہ کی پوری اور کامیاب امداد حاصل تھی؟ انہی عوامل کی بدولت بھارتی لشکر کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی، بلکہ پسپا ہو کر اس کے لیے پاؤں جمانے محال ہو گئے۔ یہ تو بھارتیوں کی خوش نصیبی تھی کہ پاک فوج نے صرف دفاعی جنگ لڑی تھی جوابی حملہ نہیں کیا تھا ورنہ تمام محاذوں پر چھمب، جوڑیاں، کھیم کرن اور راجستھان والی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر محاذ پر پی اے ایف کی موجودگی نے انڈین ایرفورس کے پرخچے اڑا دیے تھے اور انڈین ایرفورس پاکستان کی زمینی افواج کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ کر سکی؟ کیا یہ بات بعید از قیاس ہے کہ پاک فضائیہ کی مشاقی اور ٹھیک ٹھیک نشانہ لگانے کی صلاحیت نے اپنی بری افواج کے قدم اکھڑنے نہ دیے اور بھارتی آرمی کو قدم اٹھانے کی مہلت نہ دی؟ ان سوالوں کے جواب اتنے واضح ہیں کہ انھیں سمجھنے کے لیے نہ تو کسی بہت زیادہ فوجی مہارت کی ضرورت ہے نہ زیادہ سوچ بچار کی!

"غیر جانبدار" اسرائیلی مبصّر نے ایک اور مضحکہ خیز بات یہ بھی پیدا کی ہے کہ: "پاکستان کے پاس امریکہ کے بنے ہوئے جو جیٹ طیارے تھے وہ اس قدر جدید نوعیت کے تھے کہ ان سے کام لینا پاکستانی ہوابازوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ لہٰذا وہ نسبتاً کم رفتار فرانس ساختہ مسٹیر طیاروں اور برطانیہ ساختہ ہنٹر اور نیٹ طیاروں کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب ثابت نہ ہو سکے۔ ان

طیاروں کو سنبھالنا نسبتاً آسان ہے"۔

اس ضمن میں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کارکردگی کے لحاظ سے فرانس کا مسٹیر-۴' پی اے ایف کے ایف-۸۶ (سیبر) کے ہم پلہ ہے مگر ہاکر ہنٹر، نیٹ اور مگ-۲۱ سب رفتار، تیزی سے اوپر چڑھنے کی صلاحیت اور اسلحہ کے لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ برتر ہیں۔ جہاں تک ایف ۱۰۴ (سٹار فائٹر) کا تعلق ہے فضا میں یہ محض دفاع کر سکتا ہے اور اسے زمین پر حملہ کرنے کے کام میں نہیں لایا جا سکتا۔ جنگ میں پاکستان کے پاس اس قسم کے صرف بارہ طیارے تھے۔ اگر پی اے ایف کے ہوا باز پیچیدہ اور ترقی یافتہ امریکہ ساختہ طیارے سے پوری طرح کام لینے کے اہل نہ تھے اور بھارتیوں نے پاکستان ایر فورس کو ناکارہ کر دینے کے جو دعوے کیے ہیں اگر وہ درست ہیں تو اسرائیلی "مبصر" اس چیز کی کیا توجیہہ پیش کرے گا کہ پی اے ایف اب بھی پوری طرح زندہ و پائندہ اور سرگرم عمل ہے اور اس کے ایف-۸۶' بی-۵۷ اور ایف ۱۰۴ اب بھی وطن کی فضاؤں میں اپنی سخت جانی کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔

پاک فضائیہ نے جنگ کے دوران اپنے نقصانات کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس کا ناقابلِ تردید ثبوت وہ حقائق ہیں جو جنگ کے فوراً بعد مختلف ملکوں کے فوجی اتاشیوں اور غیر ملکی اخباری نمائندوں نے مختلف فضائی مرکزوں کا دورہ کر کے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

اچنبھے کی بات ہے کہ اسرائیلی مبصر کو یہ حقیقت نظر نہیں آ سکی کہ پاک فضائیہ نے انڈین ایئر فورس کے ٹھکانوں کو کس طرح بے خبری کے عالم میں جا لیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پی اے ایف کے ان حملوں کو بالکل ہی قابلِ توجہ نہیں سمجھا جو اس نے بھارتی ائیر فورس کے ٹھکانوں پر کیے تھے۔ ۶ ستمبر کو ہی جام نگر اور پٹھانکوٹ پر اور اس کے بعد انبالہ پر ہمارے طیاروں کے تابڑ توڑ حملوں نے بھارتیوں کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھارتیوں نے اپنے اس یہودی بہی خواہ کو اپنے ہوائی اڈوں کے کھنڈر اور طیاروں کی راکھ نہیں دکھائی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ پاکستانی اس قدر ضرب کاری بھی لگا سکیں گے۔ بھارتی بے خبری میں کس طرح مارے گئے؟ اس کا اندازہ اس بے تحاشہ نقصان سے ہو سکتا ہے جو ہماری فضائیہ کے ہاتھوں جام نگر کے ہوائی اڈے اور دوسرے ٹھکانوں کو پہنچا یا مگوں سمیت ان بے شمار طیاروں کے جلے ہوئے پنجروں سے جو پٹھانکوٹ میں نہایت عبرت ناک طریقے سے اپنے انجام کو پہنچے۔ اُس رات عالم یہ تھا کہ پٹھانکوٹ کے فضائی مرکز سے دہائی بھیجی گئی (جسے ہمارے ہاں بھی سُنا گیا) کہ جگہ جگہ جو آگ لگی ہوئی ہے

اسے بجھانے کے لیے فوراً امداد بھیجی جائے۔ حربی چالوں کا کوئی طالب علم بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ دشمن، خواہ وہ کتنا ہی کمزور ہو، اسے ایک قسم کی کارروائی میں صرف ایک ہی مرتبہ بے خبری میں لیا جا سکتا ہے۔

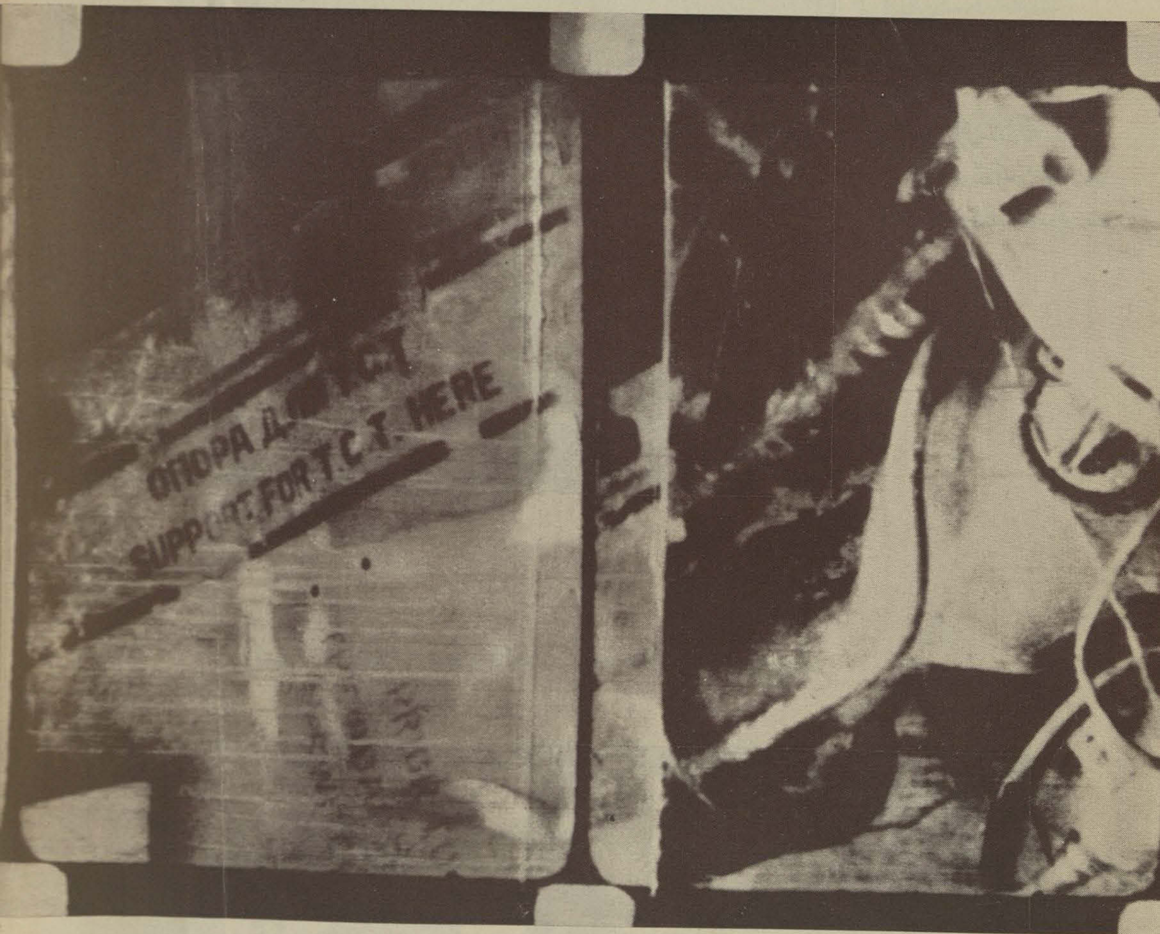
آئیے، اب دیس دیس کے اخباروں کی زبانی سن لیجیے کہ ستمبر کی جنگ کے دوران صحیح صورت حال کیا تھی۔



غیر ملکی سفارتی نمائندے
پاک فضائیہ کے ایک ہوائی اڈے پر
بھارت کے نیٹ طیّارے کو دیکھ رہے ہیں

ایک غیر ملکی اخباری نمائندہ پاک فضائیہ کے ہوابازوں کا انٹرویو لے رہا ہے





یہ تصویر بھارت کی ایک پروپیگنڈہ فلم سے لی گئی ہے۔ بھارتیوں نے یہ فلم غیر ممالک میں دکھائی اور دعوے کیا کہ یہ پاکستان ایئرفورس کے ایک ٹرانسپورٹ طیارے کا حصّہ ہے جسے دہلی کے قریب مار گرایا گیا تھا لیکن بھارتی جھوٹ گھڑنے میں اس قدر مصروف رہے کہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ یہ تحریر جو طیارے کے اِس حصّے پر لکھی ہوئی ہے، روسی زبان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان ایئرفورس میں نہ کبھی کوئی روسی طیّارہ تھا نہ اب ہے۔ پاکستان ایئرفورس کے پاس صرف امریکی طیّارے تھے۔ دراصل ہُوا یہ تھا کہ بھارتی توپچیوں نے میزائل سے اپنا ایک روسی ساخت کا طیّارہ AN -12 مار گرایا تھا۔ انہوں نے اسی کے تباہ شدہ ڈھانچے کو پروپیگنڈے میں استعمال کر لیا اور دُنیا بھر کو بیوقوف بنانے کی ناکام کوشش کی کہ یہ پاکستانی طیارہ تھا

غیر ملکی اخباروں کی نظر میں

"پاکستان، فضا پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ اگر بھارتی طیارے فضا سے بالکل ہی بھاگ نہیں گئے تو کم از کم اس قدر حتم و یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انھیں فضا سے بے دخل ضرور کر دیا گیا ہے۔ بھارتی ہوا باز پاکستانی ہوا بازوں کے مقابلہ میں بہت ہی گھٹیا درجے کے ہیں۔ بھارتی افسروں میں قیادت کی صلاحیتیں بُری طرح مفقود ہیں بھارت ایک ایسے ملک کے ہاتھوں پٹ رہا ہے جو آبادی میں اس سے ساڑھے چار گنا چھوٹا اور مسلح افواج کے اعتبار سے تین گنا چھوٹا ہے۔"

"سنڈے ٹائمز" لندن

۱۹، ستمبر ۱۹۶۵ء

❀

"فضائی جنگ میں پاکستان کی کامیابی کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی نسبتاً قلیل التعداد آرمی کو محاذِ جنگ پر اس مشاقی سے پھیلایا ہے کہ کم سے کم نقصان سے وہ زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکے۔ بھارت کے ہر حملے کے جواب میں اس نے طویل محاذ پر تمام اہم جنگی مقامات اور پوزیشنوں کو خوب مستحکم کر لیا ہے۔ پاکستان ایئر فورس کے ہوابازوں نے جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان چند نوجوان اور فرض کی لگن سے سرشار ہوا بازوں کی یاد تازہ کرتی ہے جنھوں نے اس ملک (برطانیہ) کو گزشتہ جنگِ عظیم کے دوران سخت کڑے وقت میں نازی حملہ آوروں سے محفوظ رکھا تھا۔"

پیٹرک سیل، "اوبزرور" لندن ۱۲، ستمبر ۱۹۶۵ء

" مجھے صحافت کی خاک چھانتے بیس برس گزر چکے ہیں اور میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے آج تک اس اعتماد اور فتح مندی سے لڑنے والے سپاہی نہیں دیکھے جس اعتماد اور فتح مندی سے پاکستان کے سپاہی آج لڑ رہے ہیں۔ بھارت مکمل فتح کا دم بھر رہا ہے مگر مجھے اس فتح کا کوئی نشان، کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ مجھے تو یہی کچھ نظر آ رہا ہے کہ فوجیں، ٹینک اور دوسرا جنگی سامان دھڑا دھڑ محاذ کو جا رہا ہے۔ اگر بھارت کی ائیر فورس اس حد تک فتح یاب ہو چکی ہے تو اس نے اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ پاکستان کے طیاروں نے اسے مار مار کر فضا سے بے دخل کر ڈالا ہے۔ پاکستان کے یہ سرفروش مسلمان فطری مجاہد ہیں۔ وہ لڑنے پہ آتے ہیں تو وہ نہ تو رحم کے طلب گار ہوتے ہیں اور نہ دشمن پر رحم کرتے ہیں...

" اس وقت پاکستان اور بھارت کے درمیان جس طرح کی جنگ لڑی جا رہی ہے اس طرح کی کوئی بھی جنگ ہو اس میں فریقین کے دعوے ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں سُن کر آدمی بھونچکا رہ جاتا ہے لیکن اگر معاملا شرط لگنے پر آ جائے تو میں پاکستان کے دعووں کو درست کہوں گا۔ پاکستانیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ انڈین ایر فورس ایک تہائی ناکارہ کر دی گئی ہے۔ اور جن غیر ملکی مبصّرین کی نگاہ حالات و واقعات پر ہے ان کا تو کہنا یہ ہے کہ پاکستانی ہوا باز اس سے بھی بڑے دعوے کر سکتے ہیں۔ پاکستان ایر فورس کے حکام بڑی دیانت داری سے ان دعوؤں کی جانچ پڑتال کرتے رہتے ہیں۔ وہ صرف ان بھارتی طیاروں کی تباہی کا دعویٰ کرتے ہیں جن کے متعلق دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔"

رائے میلونی وقائع نگار امریکن براڈکاسٹنگ کارپوریشن

۱۵، ستمبر ۱۹۶۵ء

❀

" مجھے ایک چیز کا پورا یقین ہے، اور وہ یہ ہے کہ پاکستان نے سخت صبر آزما حالات میں فضا میں جنگ جیت لی ہے ـــــــ طبعی طور پر بھی اور حوصلے کے لحاظ سے بھی۔ پاکستان ایر فورس اس کامیابی کا سہرا آدمی کے سر باندھتی ہے مگر یہ غالباً ان کی عالی ظرفی اور کشادہ قلبی کا مظاہرہ ہے۔ بھارت کی فضائی طاقت پاکستان کے مقابلے میں قریباً پانچ گنا بڑی ہے اور اسے یقین تھا کہ وہ بڑی آسانی سے فضا میں اپنی برتری قائم رکھ سکے گا۔ مگر اس مقصد میں اسے سخت ناکامی ہوئی ہے۔ اس ساری جنگ کے دوران یہی بات فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے...

"نُور خاں ایک بیدار دماغ، مستعد اور تیز بین شخص ہے۔ اکتالیس سال کی عمر میں وہ اپنی طبعی عمر سے نوجوان دکھائی دیتا ہے۔ چھ سال تک، جولائی تک، اسے محض ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ وہ پاکستان کی سول ایرلائنز کا سربراہ تھا۔ ایک ایسے ملک کی ایرلائنز کا سربراہ جہاں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، وہاں "اب" کا مطلب ہوتا ہے "کچھ وقت بعد" اور "کچھ وقت بعد" کا مطلب ہوتا ہے "کبھی نہیں"۔ اس ملک میں اس کی ایرلائنز اعلیٰ کارکردگی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ وہ جب باتیں کرتا ہے تو اس میں پریس ریلیشنز آفیسر کے تکلفات و آداب نہیں ہوتے۔ وہ اعداد و شمار کے گورکھ دھندے میں نہیں اُلجھتا۔ وہ صاف اور سیدھی سادی گفتگو کرتا ہے۔ سُننے والا مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی باتوں پر یقین کر لے۔ وہ نقصانات کے بارے میں اپنے اندازے گن کیمروں کی فلموں کی روشنی میں بتاتا ہے جنھیں جھٹلانا مشکل ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے نقصانات کا تناسب دس اور ایک ہے . . .

"نُور خاں ایک اور بات زور دے کر کہتا ہے ــــــ "سوال یہ نہیں ہوتا کہ آپ اپنے ہوا باز کو طیارہ کتنا عمدہ اور سامان و اسلحہ کتنا عمدہ دیتے ہیں۔ اصل بات شہبازی کی صلاحیت اور عزم و ارادہ کی ہوتی ہے" ــــــ بھارتیوں کے سامنے کوئی مقصد نہیں۔ انہیں اپنے مقصد کی صداقت پر یقین نہیں۔ پاکستانی اپنے وطن کی سرحدوں کی خاطر لڑ رہے ہیں اور اس مقصدِ جلیل کی خاطر اپنی جانیں ہنستے کھیلتے وار رہے ہیں۔ نُور خاں کہتا ہے ــــــ "ہمارے بمباری کے عام ہوا باز پندرہ بیس مرتبہ دُشمن کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے گئے۔ میرے لیے مسئلہ یہ نہیں تھا کہ انھیں بھڑکتی آگ میں دھکیلوں کیسے؟ میرا مسئلہ یہ تھا کہ انھیں کیسے روکوں!"....

"نُور خاں کی یہ بات محض قومی تفاخر نہیں۔ یہ حقیقت کے بہت قریب ہے۔ آپ کو اس میں شک ہو تو خود کسی پائلٹ سے پُوچھ دیکھیے۔ آپ اُس سے اسی طرح کے جذبات سنیں گے"۔

پیٹر پریسٹن وقائع نگار "گارڈین" لندن

۲۴ ستمبر ۱۹۶۵ء

❋

"فوجی مبصّرین ایک بات خاص طور پر یہ نوٹ کرتے ہیں کہ بھارتیوں نے ابتدائی دَور میں اپنی بڑی فوجوں کی امداد کے لیے فضائی طاقت کا کوئی موثر استعمال نہ کیا۔ اس کے برعکس پاکستانیوں کی یہ کیفیت ہے کہ انھوں نے بالکل صحیح

وقت کا اندازہ کر کے انبالہ کے ہوائی اڈے پر جھپٹا مارا اور کم وبیش پچیس بھارتی طیاروں کو تہس نہس کر دیا۔ یہ طیارے ابھی ابھی اترے تھے اور اس کیفیت میں کھڑے تھے کہ ان میں تیل ختم تھا اور وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے بھاگ بھی نہ سکتے تھے۔ (اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پی اے ایف نے اس حملے کے دوران کسی بھارتی طیارے کو تباہ کرنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رات کی بمباری کی وجہ سے ان کے پاس دشمن کے نقصان کا کوئی ناقابل تردید ثبوت موجود نہ تھا)

ہفتہ ختم ہونے کے بعد صورت یہ تھی کہ پاکستانیوں نے اپنے آپ کو محض سنبھال ہی نہیں لیا بلکہ وہ دشمن کا گلا بھی دبوچنے لگے۔"

ایوریٹ جے مارٹن جنرل ایڈیٹر "نیوز ویک" امریکہ

۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء

❀

"انڈین ایئر فورس، پاک فضائیہ کے مقابلے میں بہت بڑی فورس ہے۔ لیکن جہاں طیاروں کی تعداد زیادہ ہے وہاں تنظیمی ربط وضبط کی کمی ہے۔ انڈین ایئر فورس کو ایک طرح کا بھان متی کا کنبہ کہا جا سکتا ہے۔ بھارت نے کم وبیش ہر ملک، حتیٰ کہ فرانس تک سے طیارے حاصل کر لیے۔ ان طیاروں کے لیے زمینی اور فضائی عملہ کافی بھی ہو پھر بھی ان کی دیکھ بھال اور سروسنگ دوبھر ہوتا ہے۔ بھانت بھانت کے طیاروں کے لیے سپیئر پارٹس کا بے ہنگم ذخیرہ جمع کیے رکھنا ناگزیر ہے کیونکہ ہر ساخت کے طیارے کے لیے علیحدہ سپیئر پارٹس درکار ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان نے عقل مندی سے کام لیا اور تنوّع سے گریز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس سے طیاروں کی دیکھ بھال اور سروسنگ خاصی سہل ہو گئی۔ جنگ ابتدائی مراحل سے آگے نکل جائے تو ہوائی بیڑے کے اس پہلو کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

"مزید برآں آج یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ ہندوستان نے ابتدا میں پاکستانی طیاروں کی تباہی کے جو اعداد وشمار پیش کیے وہ بہت مبالغہ آمیز تھے۔ درحقیقت پاکستان کا نقصان نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیکھا جائے تو ہندوستان کے دعوے شروع ہی سے مشکوک تھے کیونکہ ہندوستانی کوئی اچھے ہوا باز نہیں۔ ان کا ساز وسامان بھی کوئی ایسا نیا نہیں کہ پاک فضائیہ کے جدید جیٹ قسم کے ساز وسامان کا مقابلہ کر سکے۔ صورت حال جاننے والوں نے تو ہندوستانی

دعوؤں کو سنتے ہی یہ باور کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہندوستان کی طرف سے جن کامیابیوں کا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے وہ انھیں واقعی حاصل ہوئی ہیں "۔ "ٹائپ آف دی نیوز"

واشنگٹن ۶، اکتوبر ۱۹۶۵ء

❀

"ہندوستان کی بری فوج اور ائیر فورس کو اتنا نقصان پہنچ چکا ہے کہ ان میں بددلی کے نمایاں آثار دکھائی دینے لگے ہیں۔ یہ آثار جوں جوں نمایاں ہوتے جاتے ہیں ہندوستانی بربریت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ گزشتہ بارہ دنوں میں بھارتی فوجوں کو اس قدر نقصان پہنچا ہے کہ اب اسے ہندوستانی عوام سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ اس عظیم نقصان پر پردہ ڈالنے کے لیے ہندوستانی فوجوں نے انتہائی ظالمانہ اور غیر انسانی طریقے اختیار کرنے شروع کر دیے ہیں۔۔۔

"انڈین ایر فورس کا کمانڈر انچیف ہندوستانی فضا کی مزید حفاظت کی ضمانت دینے سے قاصر رہ گیا ہے۔ ایک ممتاز صحافی، مسٹر فرینک مورلیس نے آل انڈیا ریڈیو سے تقریر نشر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ انڈین ائیر فورس کو پاکستانی ائیر فورس کے ہاتھوں اس قدر نقصان اٹھانا پڑا ہے کہ اب اسے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ محض یہی نہیں، ہندوستان کو ابھی اس سے زیادہ نقصان کا متحمل ہونا پڑے گا"۔ "انٹرنیشنل ہیرلڈ"

۱۱، ستمبر ۱۹۶۵ء

❀

"فضائی جنگ سے متعلق پاکستان کے دعوؤں کو اکثر مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور انھیں مبالغہ پر مبنی سمجھا جاتا ہے لیکن ایر مارشل نور خان اور ان کے سٹاف افسروں سے ملنے کے بعد میں نے ان کے دعوؤں کی صداقت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیا ہے۔۔۔

"پاکستان نے اس وقت تک کوئی دعویٰ نہیں کیا جب تک کہ طیاروں کے کیمروں کی تصویروں سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی یا کسی غیر جانبدار عینی شاہد نے اس کی شہادت نہیں دے دی۔ زمین پر جو طیارے یا ٹینک تباہ کیے گئے ان کا اعلان کیمرے کی فلم یا شعلے دیکھنے کے بعد کیا گیا۔ اس حساب کے مطابق انڈین ایر فورس کے چالیس طیارے فضائی معرکوں میں تباہ کیے گئے جن میں ہنٹر اور نیٹ طیارے بھی تھے۔ اڑتیس (۳۸) طیاروں کے

حملوں میں ہندوستانی اڈوں پر تباہ کیے گئے۔ رات کے حملوں میں جو طیارے ٹھکانے لگائے گئے ان کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ رات کی تاریکی کی وجہ سے تصدیق دشوار تھی۔۔۔

"اس کارکردگی کی کامیابی میں ہوابازوں کے عزم اور ان کی تربیت کا بڑا دخل ہے۔ پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف کا کہنا ہے ـــــ "میرے لیے مشکل یہ آپڑی تھی کہ میں ہوابازوں کو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے سے باز کیسے رکھوں"۔

"پاک فضائیہ میں ہوائی حملے کرنے والے ہوابازوں اور زمین پر کام کرنے والے عملے میں تعاون قابلِ مثال ہے۔ اکثر ایسے ہوا ہے کہ جنگی پرواز کے دوران طیاروں کو ایک تارگیٹ سے دوسرے تارگیٹ کی طرف بھیج دیا گیا اور وہ منٹوں میں دوسری جگہ پہنچ گئے۔ اڈے سے اُڑ کر تارگیٹ تک پہنچنے کے لیے طیارے عام طور پر پینتالیس (۴۵) منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیتے تھے"۔ "ٹائمز" لنڈن نامہ نگار خصوصی

۲۱، ستمبر ۱۹۶۵ء

❀

"اشتراکی چین کا مقابلہ کرنا تو ایک طرف رہا، ہندوستان اکیلے پاکستان کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا"۔ یہ دلچسپ انکشاف "نیویارک ٹائمز" کے نمائندے ڈرو مڈلٹن نے کیا جو اقوام متحدہ میں مقیم ہے۔ مڈلٹن نے لکھا:ـــــ

"ہندوستان کے متعلق امریکی حکام کے دل میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہا کہ امریکہ اس کے ساتھ قریبی تعلقات قائم رکھ سکے گا۔ تصادم سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ سفارتی، فوجی اور معاشی مدد کے لیے ہندوستان مغرب کا دست نگر ہے اور اشتراکی چین کا مقابلہ تو ایک طرف رہا، وہ اکیلے پاکستان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا"۔

❀

پاک فضائیہ کیسے بنی ؟ کِس نے بنائی ؟

اور گراؤنڈ کریو

پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت، جنگ کے سترہ دنوں پر ہی نہیں اٹھارہ برسوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے شاہینوں نے قدم قدم پر عالمی ریکارڈ قائم کیے ہیں اور دنیا بھر سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ انُ شاہین بچوّں نے جو کچھ کر دکھایا اور فضائی معرکوں کے عالمی ماہرین کو جس طرح انگشت بدنداں کر دیا وہ، بقول اقبال، فیضانِ نظر تھا مکتب کی کرامت نہیں تھی۔ ان کے راہنما گھسے پٹے، کتابی قاعدے نہیں بلکہ رُوح کی گہرائیوں سے اُبلنے والا جذبہ تھا۔ یہ جذبہ بدر کے یوم الفرقان سے لے کر ستمبر ۱۹۶۵ء تک اندر ہی اندر اسلام کی جوئے رواں سے پرورش پاتا چلا آیا اور پرورش پاتا چلا جائے گا۔ بدر، حنین، قادسیہ چھمب، داہگہ، سیالکوٹ، چونڈہ، سرگودھا اسی ایک نکتۂ ایمانی کی تفسیریں ہیں۔ مردِ مومن اس نکتۂ ایمانی کی تفسیر اپنے خون سے کرتا چلا آیا ہے اور کرتا چلا جائے گا تا آنکہ زمین اپنے رب کے نُور سے جگمگا اُٹھے گی۔

ستمبر ۶۵ء کی جنگ ہی میں نہیں پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے ابتدا ہی میں غیر معمولی جوہر دکھانے شروع کر دیے تھے۔ پاک فضائیہ اور انڈین ایرفورس کا مسلّح تصادم ستمبر ۶۵ء میں ہوا ہے لیکن دونوں ایرفورسوں کا ایک عجیب وغریب فضائی معرکہ اٹھارہ برس پہلے کشمیر کی فضا میں لڑا جا چکا ہے۔ اس معرکے کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ ایک طرف انڈین ایرفورس کے دو لڑاکا طیارے تھے جن میں سے ہر ایک میں چار چار بیس بیس ملی میٹر (پون انچ) دہانے کی مشین گنیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے مقابلے میں پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ طیارہ تھا جو نہ لڑاکا تھا نہ بمبار بلکہ ٹرانسپورٹ طیارہ تھا جس کے ساتھ ایک بھی گن نہیں تھی۔ یعنی طیارہ بالکل نہتّہ تھا۔

یہ واقعہ ۱۹۴۸ء کا ہے جب کشمیر کی پہلی جنگ کے دوران بھارت اپنی پوری کی پوری ہوائی قوت استعمال کر رہا تھا۔ اس کے پاس ٹمپسٹ Tempest اور سپٹ فائر Spitfire قسم کے لڑاکا بمبار طیارے تھے جنھیں وہ بے دریغ استعمال کر رہا تھا لیکن پاکستان نے مجاہدین آزادی کی مدد کے لیے ایک بھی طیارہ استعمال نہیں کیا تھا۔ اسی دوران میں پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ (باربردار) طیارہ کشمیری مجاہدین کے لیے دوائیاں اور انسانی بھلائی کا سامان پیرا شوٹوں سے پھینکنے کے لیے گیا تو بھارت کے دو ٹمپسٹ لڑاکا طیاروں نے اُسے فضا میں گھیر لیا۔ ان کے ہوابازوں نے ڈکوٹہ کے ہواباز کو "ہتھیار ڈال کر" ان کے ساتھ بھارت کے کسی اڈے پہ چلنے کو کہا۔ وہ جانتے تھے کہ ڈکوٹہ نہتہ طیارہ ہے لہٰذا اس کے ہواباز کو مزاحمت کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ ایسے طیاروں کے لیے ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے لڑاکا طیاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں یا بھاگنے کی کوشش کریں اور دوسرے لمحے لڑاکا طیاروں کی مشین گنوں کا شکار ہو جائیں۔ ڈکوٹے کی رفتار بھی کم تھی۔

پاک فضائیہ کے ڈکوٹے کے ہواباز نے بھارتی ہوابازوں کو جواب دیا ——— "ہمت ہے تو ساتھ لے چلو، میں طیارہ تمہارے اڈے پہ نہیں لے جاؤں گا" ——— جب وہ ان کے ساتھ ریڈیو ٹیلیفون R. T پر بات کر رہا تھا، انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا طیارہ اس کے اوپر اور دوسرا اس کے پروں تلے اُڑ رہا تھا۔ پاک فضائیہ کے ہواباز نے مہیب ترین فیصلہ کیا جسے خودکشی کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس نے ڈکوٹے کے دونوں تھراٹل پیچھے کر دیے جس سے دونو انجنوں کی رفتار صفر سے ذرا ہی زیادہ رہی۔ (ڈکوٹے میں دو انجن ہوتے ہیں)۔ ڈکوٹے کی رفتار تھم گئی تو دونو لڑاکا طیارے آگے نکل گئے۔ ڈکوٹہ ناک کے بل نیچے آیا۔ نیچے دریائے سندھ کی تنگ وادی تھی۔ اونچی پہاڑیوں کے دامن میں گھنے جنگل میں چھپی ہوئی چٹانیں تھیں۔ وادی اس قدر تنگ کہ ڈکوٹے جیسے بڑے طیارے کے لیے گھومنے اور سنبھلنے کے لیے جگہ ہی نہیں تھی۔ طیارے کی تباہی بظاہر یقینی تھی لیکن جب ڈکوٹہ درختوں کو چھونے لگا تو اس کے ہواباز نے تھراٹل کھول دیے اور طیارے کو اس قدر خطرناک غوطے سے اٹھا لیا۔ ڈکوٹے میں پاک فوج کی سپلائی کور کا ایک جمعدار اور تین چار سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جمعدار کو پتہ چل چکا تھا کہ ڈکوٹہ دشمن کے نرغے میں آگیا ہے۔ وہ ہواباز کے پاس گیا اور بولا ——— "میں جانتا ہوں آپ لڑ نہیں سکتے لیکن جہاز دشمن کے حوالے نہ کرنا۔ پہاڑ سے ٹکر مار کر تباہ کر دو۔ ہم سب جہاز کے ساتھ مرنے کو تیار ہیں۔ جہاز دشمن کے ہاتھ نہ آئے" ——— ہواباز ہنس پڑا اور جمعدار سے کہا ——— "آپ پیٹی باندھ کے آرام سے بیٹھ جائیں۔ جہاز انشاء اللہ

پاکستان جلائے گا" ــــــ جمعدار اپنی سیٹ پر آ گیا اور اپنے جوانوں سے کہا ــــــ "جوانو! ہم سب اپنے ڈکوٹے کے ساتھ مر رہے ہیں لیکن جہاز دشمن کو نہیں دیں گے۔ دُعا کرو جہاز بچ جائے ورنہ پروا نہیں۔ یہ شہادت کا رتبہ ہے" ــــــ اور جوانوں کے چہرے چمک اُٹھے۔

ان میں سے ایک سپاہی سے ملاقات ہوئی تو اُس نے سارا واقعہ سنا کر کہا ــــــ "خون بہت کھولا۔ اگر میرے پاس مشین گن نہ سہی رائفل ہی ہوتی تو میں ڈکوٹے کا شیشہ توڑ کر دشمن کے طیاروں پر دو چار گولیاں تو چلا سکتا۔ ہم لڑ مرنے والے سپاہی ہیں ہمارا دُشمن پہلی بار سامنے آیا تھا لیکن ہم بے بس تھے۔ کاش ہندو زمین پر آمنے سامنے آتے"۔

بھارتی ہوابازوں نے جب پاکستانی ڈکوٹے کو اپنی حراست سے غائب پایا تو انھوں نے اِدھر اُدھر، اوپر نیچے دیکھا۔ انھیں وادی میں ڈکوٹہ نظر آ گیا۔ دونوں نے اپنے طیارے اس پر غوطے میں ڈال دیے اور فائرنگ شروع کر دی۔

انڈین ایئر فورس اور پاک فضائیہ کا پہلا فضائی معرکہ شروع ہو گیا۔

پاکستانی ہوا باز اس معرکے میں صرف یہ کمال دکھا سکتا تھا کہ بھارتی ہوابازوں کے وار بچائے اور طیارے کو گنوں کی زد میں نہ آنے دے لیکن یہ کمال کوئی ایسا سہل نہیں ہوتا، خصوصاً اس صورت میں کہ دو مسلّح لڑاکا طیاروں کے مقابلے میں صرف ایک طیارہ ہو اور وہ بھی غیر مسلّح۔ نشانہ باندھ کر فائر کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ دشمن کے جھپٹے سے بچنے کے لیے فضائی معرکوں کی فنّی مہارت کے علاوہ دِل گُردے، جذبے، حاضر دماغی اور یکسوئی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سی گھبراہٹ اور ہلکی سی لغزش طیارے کو ہواباز سمیت لے مرتی ہے۔ جب مسلّح لڑاکا طیاروں کے ہوابازوں کو علم ہو کہ ان کا مدِّمقابل غیر مسلّح ہے تو ان کے حوصلے اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں، وہ قریب آ کر اور ہر زاویے سے فائر کرتے ہیں۔

پاکستانی ہواباز نے وادی سے ڈکوٹے کو اٹھایا تو اس پر دو طیاروں کی آٹھ مشین گنیں فائر کر رہی تھیں۔ اس نے ڈکوٹے کو مکمل حاضر دماغی سے ایسی پٹخنی دی کہ دشمن کا فائر فضا میں ضائع ہو گیا۔ ڈکوٹے میں ہواباز کے ساتھ معاون ہواباز بھی ہوتا ہے، دونوں کاک پٹ میں پہلو بہ پہلو بیٹھتے ہیں۔ اس ڈکوٹے کے معاون ہواباز نے بھی ڈکوٹے سے سر باہر نکال کر (جو ایک خطرناک حرکت ہوتی ہے) دشمن کے طیاروں پر نظر رکھی۔ دشمن کے طیارے جب ایک ناکام حملے کے غوطے سے اُٹھتے تھے تو ڈکوٹے کے دونوں ہواباز انھیں دیکھتے رہتے تھے۔ وہ جب دوسرے حملے کے لیے ان پر آتے تھے تو وہ نہایت پھرتی سے ڈکوٹے کو اِدھر اُدھر پٹخ کر وار بچا جاتے تھے۔

بھارتی ہوابازوں نے جب پاکستانی ہوابازوں کے کامیاب دفاعی پینترے دیکھے تو انھوں نے مختلف سمتوں سے حملے شروع کر دیے۔ ایک دائیں طرف سے آتا تو اُس کے مُعًا بعد دوسرا پیچھے سے یا بائیں پہلو سے جھپٹا مارتا اور دونو کی مشین گنیں بکتر شکن، آتشیں، ٹریسر اور پھٹنے والی High Explosive گولیاں اُگلتی چلی جاتیں۔ یا ایک نیچے سے اوپر کو جھپٹا مارتا اور دوسرا اوپر سے غوطہ لگاتا اور ان کی گنیں ڈکوٹے کے پرخچے اُڑانے کے لیے بھونکتی چلی جاتیں۔ یہ ایسی صورت تھی کہ ڈکوٹے کے ہوابازوں کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا کہ وہ کس کے حملے سے بچیں۔ بعض اوقات ان پر ایک طیارہ حملہ کرتا تو انھیں معلوم نہ ہوتا کہ دوسرا کدھر سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ ان پاکستانی شاہبازوں نے ڈکوٹے جیسے وزنی اور بڑے طیارے کو فضا میں کاغذ کے پُرزے کی طرح چی تلی لیکن انتہائی خطرناک پٹخنیاں دیں ——— کبھی عمودی غوطے میں ڈالا، کبھی درختوں کی بلندی سے سیدھا اوپر کھینچ کر سُرعت سے جھٹک جھٹک کر دائیں اور بائیں کیا ——— انھوں نے وہ وہ پینترے بدلے جو صرف لڑاکا طیارے سے بدلے جا سکتے ہیں۔ 'کتاب' میں لکھا ہے کہ ڈکوٹہ فضا میں ایسی نقل و حرکت نہیں کر سکتا نہ اس پر اتنا زور ڈالا جائے کیونکہ طیارے کے ڈھانچے کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن پاکستانی ہواباز اور اس کے معاون نے 'کتاب' کو سندھ کی وادی میں پھینک ڈالا ——— وہ اب 'کتاب' کی نہیں جذبے کی جنگ لڑ رہے تھے۔

بھارتی طیاروں نے مکمل پینتیس (۳۵) منٹ، ہر زاویے سے ڈکوٹے پر فائرنگ کی۔ ان کے ایمونیشن میں High Explosive (گرنیڈ کی طرح پھٹنے والی گولیاں) تھیں جو ڈکوٹے میں ایک بھی لگ جاتی تو بھارتی معرکہ جیت لیتے اس کے علاوہ ان کے ایمونیشن میں ٹریسر کی گولیاں بھی تھیں جو پیچھے روشنی کی لکیر چھوڑتی جاتی ہیں۔ ان سے ہواباز کے لیے نشانہ بازی آسان ہوجاتی ہے لیکن پاکستانی ہواباز کے دفاعی پینتروں کی وجہ سے ٹریسر ایمونیشن بھی بھارتی ہوابازوں کے لیے بیکار ثابت ہُوا۔

فضائی معرکے کے پینتیس (۳۵) منٹ، پینتیس دنوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اس قدر فضائی نقل و حرکت، ٹیڑھے ترچھے اور تیز پینترے اور عمودی غوطہ زنی اور اوپر اٹھنا ہواباز کے اعصاب کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ ڈکوٹے کے ہوابازوں اور پیچھے بیٹھے پاک فوج کے جمعدار اور جوانوں کی جسمانی حالت بھی بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ آخر ایک بھارتی طیارے کی چند گولیاں ڈکوٹے کے بڑے دروازے (باڈی کے ذرا نیچے) لگ گئیں جن میں سے دو گولیاں پھٹیں۔ ان کے ٹکڑوں نے جمعدار کو شدید زخمی کر دیا۔ بھارتیوں کے پاس شاید ایمونیشن ختم ہوگیا تھا یا شاید دم خم نہ رہا تھا، وہ معرکے سے منہ موڑ گئے ——— پاکستانی

ہوابازوں نے معرکہ جیت لیا ــــــ انھوں نے ڈکوٹے کو سنبھالا، سمت دیکھی اور رسالپور جا اترے۔ ڈکوٹے کو جو نقصان پہنچا تھا اسے گراؤنڈ کریو نے ذرا سی دیر میں ٹھیک کر دیا اور اگلے روز ڈکوٹہ پھر کشمیر کی فضا میں اڑ رہا تھا لیکن پاک فوج کا جو جمعدار زخمی ہوگیا تھا وہ ہسپتال کے راستے میں ایمبولینس میں شہید ہوگیا ــــــ وہ فضائی جنگ کا پہلا شہید تھا۔

اس فضائی معرکے کی مثال بالکل ویسی ہے کہ پستولوں سے مسلح دو آدمی ایک نہتے آدمی کو گھیر کر اس پر گولیاں چلانے لگیں لیکن انجام اس قدر شرمناک ہو کہ پستول خالی ہو جائیں اور نہتہ آدمی ہنستا کھیلتا اپنی راہ لگ جائے۔

یہ تو مسلح بھارتی ہوابازوں کا چیلنج تھا جسے نہتے پاکستانی ہوابازوں نے قبول کر کے پاک فضائیہ کی تاریخ میں ایسی روایت قائم کر دی جس نے ستمبر کی جنگ میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو بین الاقوامی شہرت عطا کی۔

جہاں تک بین الاقوامی شہرت کا تعلق ہے، پاکستانی ہوابازوں نے دراصل ابتدائی دور میں ہی اقوام عالم کے صف اوّل کے ہوابازوں میں بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ بین الاقوامی جنگی مشقوں میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے فنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ دس گیارہ برس گزرے، انگلستان میں دولت مشترکہ کے تمام ممالک کے ہوابازوں کا راکٹ اور مشین گن فائرنگ کا فضائی مقابلہ ہوا تھا۔ اس مقابلے میں دوسری جنگ عظیم کے تجربہ کار ہواباز، ان کے ہاتھوں تربیت یافتہ ہواباز، کینیڈا کے مشہور ہواباز اور بھارت کے ہواباز بھی شامل تھے۔ یہ حقیقت آج بھی دولت مشترکہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے (اور ہمیشہ محفوظ رہے گی) کہ اس مقابلے میں پاکستانی ہواباز اوّل آئے تھے۔

جب پاک فضائیہ کو پہلے پہل امریکی طیارے دیے گئے تو ان کی پرواز کی تربیت کے لیے ہمارے چند ایک ہوابازوں کو امریکہ بھیجا گیا لیکن امریکہ کے فضائی انسٹرکٹروں نے جب پاکستانی ہوابازوں کی ہنرمندی دیکھی تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ انھیں یہاں بلا کر تربیت دینے کی ضرورت نہیں، انھیں صرف طیارے دے دو۔ ہمارے ان "زیر تربیت" ہوابازوں نے راکٹ اور گن فائرنگ اور پرواز میں امریکی انسٹرکٹروں کے منہ پھیر دیے تھے۔

۱۹۵۸ء کے آخر میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے فضائی کرتب کا ایک ایسا کمال کر دکھایا تھا جسے دنیا کی کسی بھی ائیر فورس کے ہواباز دہرا نہیں سکے نہ کسی نے اس سے پہلے ایسی جرأت کی تھی۔ یہ کرتب تھا ــــــ ڈائمنڈ فارمیشن لوپ۔ Diamond Formation Loop یعنی سولہ (۱۶) جیٹ طیارے چوکور ہیرے کی شکل میں اُڑا کر انھیں اسی شکل میں اُلٹا کر کے سیدھا کرنا۔ کمال یہ تھا کہ بجائے ایک ایک طیارے کو الگ الگ اُلٹا کر کے سیدھا کرنے کے

پُوری کی پُوری فارمیشن اپنی ترتیب بدلے بغیر اُلٹی ہو کر آہستہ آہستہ سیدھی ہوئی اور آگے نکل گئی۔ کوئی ایک بھی طیارہ اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر نہ ہُوا۔

یہ مظاہرہ کراچی میں کیا گیا تھا۔ انگلستان کی طیارہ ساز فیکٹریوں کے دو مشہور جریدوں "فلائٹ" اور "ایروپلین" کے نامہ نگار جو خود منجھے ہوئے ہوا باز ہیں، وہاں موجود تھے۔ یہ کرتب دیکھ کر ان کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کُھل گئے تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ انگلستان میں یہ کرتب دکھایا جا چکا ہے لیکن سولہ طیاروں سے نہیں صرف چار طیاروں سے۔ روسی اور امریکی نمائندوں نے بھی ایسے ہی بے ساختہ تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے ہوا باز اتنی جرأت نہیں کر سکتے۔

ایسی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس قابلِ فخر امر کی مظہر ہیں کہ پاک فضائیہ کے ہوا باز روزِ اوّل ہی سے شاہباز تھے

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ پاک فضائیہ کے طیارے تمام ممالک کے فضائی بیڑوں کے مقابلے میں بہت کم کریش Crash ہوئے ہیں۔ طیارے کسی نہ کسی خرابی یا ہوا باز کی غلطی سے کریش ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن پاک فضائیہ کے سالانہ اعداد و شمار ہمیشہ بہت کم رہے ہیں۔ اس میں ہوا بازوں کی چابکدستی کے علاوہ گراؤنڈ کریو کی مہارت کا خصوصی دخل ہے۔ بہت کم طیارے فضا میں انجن یا کسی اور خرابی کی وجہ سے گرے ہیں۔

پاک فضائیہ کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یقین سا ہونے لگتا ہے کہ پاکستانی ہوا بازوں کو نہایت موزوں حالات میں بہترین طیاروں پر، جدید تربیتی ساز و سامان سے تجربہ کار ہوا بازوں کے ہاتھوں تربیت ملی ہوگی اور شاید پاک فضائیہ کو دوسری جنگِ عظیم کا تجربہ بھی ہوگا ——— جی نہیں! پاکستان ایئر فورس بے مائیگی میں معرضِ وجود میں آئی اور اوّلین ہوا بازوں نے بے مائیگی میں تربیت حاصل کی تھی۔ مَیں اُس دور اور اُن حالات کا عینی شاہد ہوں جن میں پاکستان ایئر فورس بنی تھی۔ مَیں اُس وقت رائل انڈین ایئر فورس میں ایئرمین تھا جب خدائے ذوالجلال نے ہمیں پاکستان کی سرزمین عطا فرمائی تھی۔ ہم معدودے چند ایئرمین تھے جو پاکستان ایئر فورس کے حصّے میں آئے تھے۔ جب ہندو، سکھ اور بھارتی عیسائی بھارت چلے گئے تھے تو پشاور میں ہم گنتی کے چند مسلمان ایئرمین رہ گئے تھے۔ تمام سینئر ہوا باز اور ایئرمین اور زیادہ تر طیارے بھارت کے حصّے میں آئے تھے کیونکہ ایئر فورس میں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اور ہوا باز تو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ برطانوی ہند میں تعصّب کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کو ہوا باز بننے کے مواقع سے اکثر محروم رکھا جاتا تھا۔

رائل انڈین ایئر فورس دراصل غیر مسلم ایئر فورس تھی۔ ہندو ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو ایئر فورس

میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ ایر ہیڈ کوارٹر، گروپ ہیڈ کوارٹر، سیلیکشن بورڈ اور بھرتی دفتر ہندوؤں کے قبضے میں تھے۔ ایر فورس کے اندر کا یہ عالم تھا کہ ایرمین، میس اور سٹیشن لائبریریوں میں کانگرس کے جھنڈے اور گاندھی کی تصویریں آویزاں کی جاتی تھیں۔ لائبریریوں میں مسلمانوں کے مطلب کی ایک بھی کتاب نہیں رکھی جاتی تھیں۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی کی یا کانگرسی پروپیگنڈے کی ہوتی تھیں۔ انگریز افسروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ تمام مذاہب کے ایرمینوں کے لیے ایک ہی میس میں کھانا پکتا تھا جہاں بکرے حلال ہو کر آتے تھے لیکن ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ ایک حقیقت بن کر ہندو ذہنیت کے لیے مہیب خطرہ بن گئی تو ہندو افسروں اور دیگر عملے نے میسوں میں جھٹکے کا بندوبست کر دیا۔ جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو ان میں کئی ایک سے کورٹ مارشل کر کے جیلوں میں بھجوا دیا گیا یا سروس سے نکال دیا گیا۔

کوہاٹ میں سکواڈرن لیڈر اعوان کے خلاف سازش کر کے کورٹ مارشل کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور جھوٹی شہادتوں کے بل بوتے پر اُسے دو سال سزائے قید دلا دی گئی اور جب مسلم لیگ مرکز کی تمام مسلم نشستوں پر قابض ہو گئی اور ہر صوبے میں مسلم لیگ نے انتخابات جیت لیے تو رائل انڈین ایر فورس میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ بعض فضائی اڈوں پر مسلمانوں کو اس قدر مشتبہ قرار دے دیا گیا کہ بارکوں میں بھی ان پر نظر رکھی جانے لگی۔

۱۹۴۶ء کے آخر میں مسلمان ایرمین اس حد تک پریشان ہو گئے کہ ہمارا ایک وفد دہلی میں قائدِ اعظم علیہ رحمۃ سے ملا اور انہیں انڈین ایر فورس میں مسلمان ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو کی حالتِ زار جا سنائی۔ جنگ ختم ہو چکی تھی اور ریلیز کا سلسلہ جاری تھا۔ مسلمان لڑکوں نے قائدِ اعظم سے کہا کہ ہم اس قدر تنگ آگئے ہیں کہ بیشتر مسلمان 'ریلیز' لے کر انڈین ایر فورس سے نکلنا چاہتے ہیں — قائدِ اعظم نے کمال خود اعتمادی اور پدرانہ شفقت سے کہا ——— "تمام مسلمان ہوابازوں اور دیگر سٹاف کو کہہ دو خواہ کچھ ہو جائے ایر فورس سے نہ نکلیں۔ پاکستان بہت جلد بننے والا ہے۔ پاکستان کو مضبوط ایر فورس کی ضرورت ہوگی۔ پاکستان ایر فورس کی بنیاد تمہیں ہی رکھنی ہوگی۔ ہندو اور انگریز کی سختیاں برداشت کرو۔ تم بہت جلد آزاد ہونے والے ہو"

بخدا ہمیں توقع نہیں تھی کہ ہم بہت جلد آزاد ہونے والے ہیں لیکن قائدِ اعظم کی باتوں اور پُراعتماد انداز نے ہمیں اسی روز پاکستان دکھا دیا۔ قائدِ اعظم کا پیغام ذاتی خطوط کے ذریعے ہندوستان کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے مسلمان ہوابازوں تک پہنچا دیا گیا۔

ہندو لیڈروں کو پاکستان بنتا نظر آ گیا تھا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر وہ رائل انڈین ایر فورس (جو دراصل انگریز کا فضائی بیڑہ

تھا) سے مسلمانوں کو نکالنا چاہتے تھے تاکہ پاکستان بنے تو اس کی ایئر فورس کے لیے بنیادی سٹاف ہی نہ ہو۔ بھارت کی پاکستان دُشمنی پاکستان بننے تک ہی نہیں بعد بھی رہی۔ اس کی بدترین اور شرمناک مثالیں پاک فضائیہ کے ابتدائی اور کٹھن ترین باب میں ہمیشہ یاد کی جایا کریں گی۔ ہمارے حصّے میں دقیانوسی قسم کے چند ایک ٹیمپسٹ Tempest طیارے آئے۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے زمینی سٹاف اس قدر قلیل تھا جو ان چند ایک طیاروں کے لیے بھی ناکافی تھا۔ ہندو، سکھ اور بھارتی عیسائی پاکستان بنتے ہی بھارت جانے لگے تھے۔ سوائے پشاور کے پاکستان کے حصے میں آئے ہوئے تمام فضائی اڈے (رسالپور، چک لالہ، ڈرگ روڈ اور ماری پور) ویران ہو گئے۔ وہاں ایئر ٹریفک کنٹرول بلڈنگ اور اکا دکا طیارہ رہ گیا یا سٹوروں میں سامان پڑا تھا۔ غیر مسلم ایئرمین سٹوروں سے سامان نکال کر ساتھ لے گئے اور طیاروں کے سپیئر پارٹس تک نکال لے گئے۔ ان اڈوں پر اچھے بھلے ایک آدھ طیارے کے علاوہ بعض ایسے بیکار طیارے بھی پڑے تھے جن کے انجن یا دیگر حصے کام آسکتے تھے لیکن غیر مسلم ایئرمین ان کے انجنوں میں برقی ڈرلوں سے سوراخ کر کے بیکار کر گئے اور بعض جگہ انہوں نے آگ تک لگا دی۔ چک لالہ میں بمبار طیاروں کے سنئے انجن پڑے تھے جو برطانوی فضائیہ چھوڑ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ پاکستان کے تھے لیکن ہندو افسروں نے جاتے جاتے یہ انجن کباڑیوں کے ہاتھ بیچ ڈالے یا بعض کو بالکل برباد کر گئے۔ ایئر ٹریفک کنٹرول کے وائرلیس سسٹم کو بھی وہ بالکل ناکارہ کر گئے۔

ان قیمتی جگہوں اور سامان کی چوکیداری کون کرتا؟ ہم چند ایک مسلمان پشاور میں تھے اور مسلمان ہوا باز جنہیں پاکستان آنا تھا وہ ابھی بھارت کے ہوائی اڈوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا تھا اور ہمیں کسی بھی مسلمان ہوا باز کے زندہ آجانے کی توقع کم تھی۔ پاکستان بن چکا تھا۔ پشاور کے فضائی اڈے پر پاکستان ایئر فورس کا جھنڈا لہرایا کرتا تھا جسے ہم رُک رُک کر اور ٹکٹکی باندھ کر عقیدت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس جھنڈے کی خاطر مسلمانوں نے ایک صدی کی جنگ لڑی تھی اس جھنڈے کو دیکھ کر ہم ان مسلمان ہوا بازوں کا انتظار اور زیادہ بے تابی سے کیا کرتے تھے جو جانے کس حال میں ابھی بھارت میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان میں بیشتر بھارت خصوصاً مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ان کے خویش و اقارب ہندوؤں اور سکھوں کی مسلمان دشمنی اور بربریت کی نذر ہو چکے تھے یا ہو رہے تھے۔ مسلمان ہوا باز اور ایئرمین کسی نہ کسی طور پاکستان پہنچ گئے۔ لیکن انہیں اپنے عزیزوں کے متعلق کچھ علم نہ تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ کہاں ہیں۔ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ ایک طرف ان پر پاک فضائیہ کی بنیادیں رکھنے کا مقدس بار تھا دوسری طرف اپنے عزیزوں کا غم کھائے جا رہا تھا۔ پاک فضائیہ نے ان لوگوں کی دستگیری کی اور ان سب کو

لاہور میں جمع کر کے جتنے ٹرک ملے، ان کے حوالے کر دیے اور انھیں رائفلیں اور سٹین گنیں دے کر تھوڑے آدمیوں کو بھارت سے اپنے عزیزوں کو لانے کے لیے بھیجنا شروع کر دیا۔ بعض اپنے کنبوں کو لے آئے اور بعض روتے چلّاتے خالی ہاتھ لَوٹ آئے۔ کُنبے تو دُور کی بات ہے انھیں اپنے جلے ہوئے مکانوں میں اپنے عزیزوں کی لاشیں بھی نہ ملیں۔

ایسے بدنصیبوں کی ذہنی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن انھوں نے اللہ کا شکر ادا کر کے توجہ پاک فضائیہ کی طرف کر دی اور ان حالات میں وہ پاک فضائیہ کی بنیادیں رکھنے لگے لیکن بنیاد رکھی کس زمین پر جاتی؟ اپنے پاس نہ کوئی فلائنگ ٹریننگ سکول تھا، نہ کوئی ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹر، نہ کوئی تربیتی طیارہ، نہ کوئی انسٹرکٹر۔ برصغیر میں پرواز کے دو تربیتی مرکز تھے۔ ابتدائی پرواز کے لیے جودھ پُور اور اعلیٰ پرواز کے لیے انبالہ۔ یہ دونوں بھارت میں تھے۔ ان دونو مرکزوں میں ٹریننگ کے لیے تمام تر جدید لوازمات اور انسٹرکٹر موجود تھے۔ بھارت کو تو دراصل بنی بنائی ایر فورس مل گئی تھی۔ تربیتی مرکز سے لے کر منظّم لڑاکا سکواڈرنوں تک اس کی ایئر فورس مکمل تھی۔ وہاں تو روزمرّہ کے معمولات میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا تھا چنانچہ جونہی کشمیر میں حریت پسندوں نے مسلّح بغاوت کی اور قبائلی پٹھانوں نے ڈوگروں پر یلغار کر دی تو انڈین ایئر فورس فوراً حرکت میں آ گئی۔

پاکستان کی فضائی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ پندرہ بیس طیارے کوئی طاقت تو نہیں ہوتی۔ جو سازوسامان پاکستان کے حصّے میں آیا تھا اور ابھی تک بھارت میں پڑا تھا وہ بھارت سرکار نے روک لیا۔ یہ سب کچھ سردار پٹیل کے اُس بیان کے مطابق ہو رہا تھا جس میں اُس نے کہا تھا —— "ہم پاکستان کو پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بننے ہی نہیں دیں گے اور عسکری لحاظ سے ہم اُسے اس قدر نہتہ رکھیں گے کہ بھارت کا ایک وار بھی نہ سہہ سکے۔"

ایک روز ہمیں پشاور میں خوش خبری ملی کہ بھارت سے ہمارے حصّے کا بہت سارا ایمونیشن آ رہا ہے۔ چھوٹے ایمونیشن کے علاوہ ہمارے حصّے میں راکٹ اور طیاروں کی مشین گنوں کا ایمونیشن (بیس ملی میٹر) آیا تھا۔ جب یہ ایمونیشن ہمارے پاس پہنچا تو کئی بکسوں اور پیٹیوں میں سے پتھر نکلے۔

پھر ایک روز خوش خبری ملی کہ پاک فضائیہ کے حصّے میں آٹھ ٹائیگر ماتھ طیارے آئے ہیں جو جودھ پور کے ہوائی اڈے پر پڑے ہیں۔ انڈین ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹر نے اطلاع دی کہ —— "اپنے طیارے جودھ پور سے لے جاؤ" —— ٹائیگر ماتھ دو پردں والا وہ طیارہ ہے جو پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) سے ذرا پہلے "ایجاد" ہوا تھا۔ اس کی پرواز ہوا اور موسم کے رحم و کرم پر ہوتی ہے مخالف سمت سے ہوا کا تیز جھونکا آ جائے تو ٹائیگر ماتھ ہوا میں معلّق رہ جاتا ہے اور ڈگمگانے لگتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ قدیم

طیارے ابتدائی تربیت کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ ابتدائی تربیت کا مرکز جودھ پور میں تھا چنانچہ یہ طیارے بھی وہیں تھے۔ انڈین ایر فورس کا یہ کہنا کہ "اپنے ٹائیگر ماتھ جودھ پور سے لے جاؤ" دراصل مطلب یہ رکھتا تھا کہ انھیں جودھ پور ہی میں پڑا رہنے دو، اتنی دُور اڑا کر کیسے لے جا سکو گے!

ٹائیگر ماتھ کی انتہائی رفتار موافق اور پُرسکون موسم میں ایک سو میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتی اور اگر موسم کے تیور بدل جائیں تو اسے اتار لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک اڑان بمشکل ایک سو میل تک ہوتی ہے۔ ان آٹھ ٹائیگر ماتھوں کو جودھ پور سے ہزاروں میل دُور رسالپور لانا تھا۔ پاک فضائیہ کے پاس ابھی اتنے ہوا باز نہیں پہنچے تھے جو انھیں جا کے اُڑا لاتے۔ مسلمان ہوا باز ابھی بھارت میں بکھرے ہوئے تھے ـــــــ انڈین ایئر فورس نے پاک فضائیہ کے ساتھ عملی مذاق کیا تھا۔

پاک فضائیہ کو تربیت دینے کے لیے ان طیاروں کی ضرورت تھی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ طیارے بھارت کو بخش دیے جاتے۔ آخر پاک فضائیہ نے انتہائی خطرناک فیصلہ کیا جس کے تحت پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ (مسافر بردار) طیارہ فلائنگ آفیسر کے عہدے کے دو ہوا بازوں اور زمینی عملے کے دو آدمیوں کو لے کر جودھ پور پہنچ گیا۔ وہاں چند ایک مسلمان کیڈٹ (زیرِ تربیت ہوا باز) تھے جنھیں پاکستان آنا تھا۔ ان کی تربیتی پرواز مجموعی طور پر ابھی چند گھنٹے بھی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے ابھی بمشکل کنٹرول تھامنا سیکھا تھا۔ کراس کنٹری اڑانیں تو ابھی بہت بعد کی بات تھی۔ ان کی حالت ان بچوں کی سی تھی جنھوں نے ابھی کھڑے ہونا سیکھا ہو لیکن ان سے دوڑنے کی توقع رکھی جائے۔ کوئی اور صورت نہیں تھی۔ ان ہی شاہین بچوں کو ٹائیگر ماتھوں کی ہزاروں میل کی مسلسل پرواز کا انتہائی نازک اور پُرخطر فرض سونپ دیا گیا۔ دو طیاروں کو دونو فلائنگ افسروں نے سنبھال لیا اور باقی چھ میں ایک ایک کیڈٹ بیٹھ گیا۔ ڈکوٹے میں پٹرول کے چند کنستر رکھ لیے گئے۔

بھارت والوں کا فرض تھا کہ ان طیاروں کو جگہ جگہ پٹرول مہیا کرتے لیکن انھوں نے عداوت کی ایسی مکروہ فضا پیدا کر رکھی تھی کہ جب ہمارے ہوا باز ڈکوٹہ لے کر جودھ پور پہنچے تو ہندو انھیں نہ صرف گھور گھور کر دیکھتے تھے بلکہ انھیں ایک گھونٹ پانی پلانے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ان حالات میں ایک ڈکوٹے اور آٹھ ٹائیگر ماتھوں کا فضائی قافلہ جودھ پور سے روانہ ہو گیا۔ ڈکوٹے کی رفتار ٹائیگر ماتھوں سے کئی گنا تیز ہوتی ہے، بھلا وہ ان چھوٹے چھوٹے طیاروں کا ساتھ کس طرح دیتا؟ چنانچہ ڈکوٹہ ان کے اوپر چکر کاٹ کاٹ کر ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

نیچے بھارتی ہوا باز یقیناً ہنس رہے ہوں گے اور اس خبر کا انتظار بے تابی سے کر رہے ہوں گے کہ آٹھوں ٹائیگر ماتھ

راستے میں ہی تباہ ہوگئے ہیں۔ اگر وہ ہنسے تھے تو حق بجانب تھے۔ انھوں نے ابھی تباہی کا سامان کر رکھا تھا جس کا انکشاف راستے میں اس طرح ہوا کہ فضا میں ایک ٹائیگر ماتھ کا انجن بند ہوگیا۔ کیڈٹ طیارے کو بند انجن سے ہی گلائیڈ کرکے اتار لایا۔ خوش قسمتی سے نیچے ہموار علاقہ تھا، جنگل یا پہاڑ نہیں تھے۔ پٹرول ڈکوٹے میں تھا لیکن یہ جگہ ڈکوٹے جیسے بڑے طیارے کے اترنے کے لیے موزوں نہیں تھی۔ پھر بھی ہوا باز نے خطرہ مول لیا اور ڈکوٹے کو اتار لائے۔ جب ٹائیگر ماتھ میں پٹرول ڈالنے لگے تو دیکھا کہ ٹینکی میں پٹرول تو ہے لیکن رکا ہوا ہے کیونکہ ہندوؤں نے ٹینکی میں چینی ڈال دی تھی۔ چینی ایسی چیز ہے جو پٹرول میں حل نہیں ہوتی اور نالیوں کو بند کر دیتی ہے۔ گراؤنڈ کریو ساتھ تھے۔ انھوں نے ٹینکی صاف کر دی اور پٹرول ڈال کر طیارے کو اڑا دیا گیا۔

اس دوران دوسرے ٹائیگر ماتھ آگے نکل گئے۔ ذرا آگے جا کر ایک اور ٹائیگر ماتھ کا انجن بند ہوگیا۔ اسے بھی بند انجن سے محفوظ اتار لیا گیا۔ دیکھا تو اس کی ٹینکی میں ریت پڑی ہوئی تھی۔ کوشش کے باوجود ٹینکی سے ساری ریت نہ نکالی جا سکی۔ بہت سی ریت نالیوں میں بھی چلی گئی تھی۔ طیارہ بیکار تھا چنانچہ اسے بھارت کے علاقے میں پھینک دیا گیا اور اس کا کیڈٹ ہوا باز ڈکوٹے میں بیٹھ گیا۔

اب سات ٹائیگر ماتھ رہ گئے جو ڈکوٹے کے نیچے جھومتے، ڈولتے، ڈگمگاتے اُڑے جا رہے تھے۔ راجپوتانہ کے اوپر کا سفر کٹھن اور خطرناک تھا۔ نیچے ریگزار تھا جہاں طیارہ اتر تو سکتا تھا لیکن وہاں سے اُٹھ نہ سکتا تھا کیونکہ پہیئے ریت میں دھنس جاتے ہیں اور طیارہ رفتار نہیں پکڑ سکتا۔ وہاں ٹائیگر ماتھوں کا باری باری پٹرول ختم ہوا اور انھیں نیچے اتارا گیا۔ ڈکوٹے جیسے وزنی اور بڑے طیارے کے اُترنے کے لیے یہ جگہ بالکل موزوں نہیں تھی چنانچہ ڈکوٹے کو ایسی جگہ اتارا گیا جو ٹائیگر ماتھوں سے بہت دُور تھی۔ ڈکوٹے کے ہوا باز، کیڈٹ اور گراؤنڈ کریو کنستر اٹھا کر پیدل ٹائیگر ماتھوں تک پہنچے، پٹرول ڈالا اور انھیں بصد دِقت ریگستان سے اُڑایا گیا۔

مشرقی پنجاب کے اوپر سے اُڑ کر آنا اور زیادہ خطرناک تھا کیونکہ نیچے ہندو اور سکھ مسلمانوں کے قتلِ عام میں مصروف تھے وہاں طیاروں کو پٹرول کے لیے اتارنا خودکشی کرنے والی بات تھی۔ چنانچہ طیارے سندھ کے اوپر سے اور میانوالی کی طرف سے رسالپور پہنچائے گئے لیکن دو ٹائیگر ماتھ راستے ہی میں پھینکنے پڑے ——— بھارتیوں کی چینی اور ریت کام کر گئی تھی۔

چند دنوں میں بھارت سے تمام مسلمان ہوا باز (فضائی اور زمینی) پاکستان پہنچ گئے۔ ان کی تعداد قلیل تھی۔ ان ہی کے

کندھوں پر پرواز کے تربیتی سکول کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ جس روز یہ چھٹا ٹائیگر ماتھ رسالپور پہنچے اس کے تیسرے ہی روز رسالپور ہی میں پرواز کی باقاعدہ ٹریننگ کی ابتدا کر دی گئی۔ ایئر مارشل اصغر خان (ریٹائرڈ) اس وقت ونگ کمانڈر تھے، اس سکول کے پہلے کمانڈنٹ بنے اور ایئر کموڈور یوسف جو اس وقت سکواڈرن لیڈر تھے پہلے چیف انسٹرکٹر مقرر ہوئے۔ اتنے میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے ہوابازی کے لیے نوجوان بھرتی ہونے کے لیے آنے لگے جن کے انتخاب کے لیے سلیکشن بورڈ قائم کر دیا گیا۔

رسالپور فلائنگ ٹریننگ سکول تربیت کے ساز و سامان سے محروم تھا تاہم تربیت جاری رہی اور مطلوبہ سامان اور جدید طرز کے تربیتی طیاروں کے حصول کی مہم شروع کر دی گئی۔ ۱۹۴۸ میں جب قائد اعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے پہلے سرکاری دورے پر رسالپور تشریف لائے تو ہوابازوں کی پہلی جماعت پاس آؤٹ ہو کر فلائنگ ونگ حاصل کر چکی تھی۔ یہ پاک فضائیہ کا بے مثال کارنامہ تھا۔ قائد اعظم اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس سکول کو فلائنگ ٹریننگ کالج بنا دیا۔ جب ان اوّلین شاہین بچوں کو بال و پر عطا ہوئے تو ان کے انداز بتا رہے تھے کہ مفلسی اور بے مائیگی میں پلے ہوئے ان بچوں کے سینوں میں ایمان کا الاؤ دہک رہا ہے۔

جب یہ شاہین تربیت حاصل کر کے لڑاکا سکواڈرنوں میں گئے تو وہاں انھیں پرانی قسم کے وہ ٹمپسٹ **Tempest** طیارے دیے گئے جن کے انجنوں کی عمر تقریباً ختم ہو چکی تھی لیکن ہوابازوں نے انہی طیاروں کو اڑا اڑا کر خود کو لڑاکا ہواباز بنا لیا۔ لیکن یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ چند ایک ہواباز تیار کر لینے سے ایئر فورس مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایک ہواباز کو ہوا میں بھیجنے کے لیے ایک وسیع اور سلسلہ در سلسلہ مشینی اور انسانی نظام درکار ہوتا ہے۔ گراؤنڈ کریو سٹاف جو فضائیہ کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، ابتدا میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ پاکستان میں کوئی تربیتی سکول بھی نہ تھا جہاں نوجوانوں کو بھرتی کر کے فنی تربیت دی جاتی — نہ ساز و سامان تھا نہ انسٹرکٹر۔ وقت ضائع کیے بغیر جو کچھ پاس پلے تھا اسی پر کوہاٹ، ڈرگ روڈ اور کورنگی میں ٹیکنیکل سکول کھول دیے گئے اور بڑے بڑے شہروں میں بھرتی دفتر کھولنے کے علاوہ بھرتی کرنے والے افسروں نے قصبوں کے دورے کر کے نوجوانوں کو بھرتی کر لیا۔ پرانے افسروں اور نان کمشنڈ افسروں کی ضرورت دراصل لڑاکا سکواڈرنوں اور سروسنگ ورکشاپوں میں تھی لیکن ان میں سے بیشتر کو ٹریننگ سنٹروں میں انسٹرکٹر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کے علاوہ غیر ملکی انسٹرکٹروں اور تربیت کے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

پاک فضائیہ کی تشکیل و تنظیم انتہائی کٹھن کام تھا۔ ہر ملک کو فضائی بیڑے کی ضرورت ہوتی ہی ہے لیکن پاکستان کے

لیے فضائی بیڑے کی ضرورت شدید بھی تھی اور فوری بھی کیونکہ بھارتی سیاستدان روزِ اوّل سے ہی پاکستان کو ختم کرنے کے درپے تھے اور انھوں نے کشمیر کی جنگِ آزادی میں پورے کا پورا فضائی بیڑہ جھونک دیا تھا۔ کشمیر کے بہانے انڈین ائیر فورس کے طیارے گجرات کے سرحدی دیہات پر اکثر بم باری، راکٹ یا گن فائرنگ کر جاتے تھے۔ حد یہ کہ ایک بار انھوں نے مری پر بھی بمباری کی۔ انڈین ائیر فورس سے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لیے پاکستان کو کارگر فضائی بیڑے کی شدید ضرورت تھی۔ بھارت کو تو تیار بر تیار فضائی بیڑہ مل گیا تھا اور اُس کے پاس گراؤنڈ کریو سٹاف کے لیے اور ہوابازوں کی تربیت کے لیے بھی سکول اور سنٹر موجود تھے۔ پاکستان کے بن جانے سے ان کے روزمرہ کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ مسلمان ہواباز اور گراؤنڈ کریو اُدھر سے اِدھر آ گئے تھے۔ انڈین ائیر فورس کے پاس ٹمپسٹ کے علاوہ ہری کین Hurricane اور سپٹ فائر Spitfire لڑاکا طیارے بھی تھے اس کے علاوہ انڈین ائیر فورس نے پاکستان کے حصے کا ساز و سامان بھی ہڑپ کر لیا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان کو اپنی فضائیہ کی نئی بنیاد رکھنی پڑی۔

آج بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ پاک فضائیہ کے کارندوں نے اپنی فضائیہ کا ابتدائی ڈھانچہ کباڑ خانے Salvage سے تیار کیا تھا۔ وطن کے ان اوّلیں عاشقوں کے پاس سوائے جذبۂ حب الوطنی کے اور کچھ نہ تھا۔ میں وہ وقت کبھی نہ بھول سکوں گا کہ ہم اکثر سیلویج ڈمپ میں سپیئر پارٹس ڈھونڈتے رہتے تھے۔ یہ جملہ ہمارا نعرہ بن گیا تھا ـــــ "کہیں نٹ یا بولٹ پڑا مل جائے تو اُٹھا کے سٹور میں جمع کرا دو" ـــــ اسی دَور کی ایک بات یاد آتی ہے کہ پاک فضائیہ کا ایک ونگ کمانڈر گھومتا پھرتا میرے سکواڈرن کی طرف آ نکلا۔ اُس نے مجھے بلایا اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا ـــــ "وہ دیکھو، جاؤ اٹھا لو، بڑے کام کی چیز ہے" ـــــ میں بھاگا گیا اور وہ چیز اٹھا لایا۔ وہ کیا تھا؟ طیارے کی مشین گن کی نالی صاف کرنے والے کپڑے کا صرف دو انچ ٹکڑا۔ یہ خاص قسم کا کپڑا ہوتا ہے جسے ہم اپنی زبان میں 'فور بائی ٹو' 4 X 2 کہا کرتے تھے یعنی چار انچ لمبا اور دو انچ چوڑا کپڑا ـــــ اس دَور میں وہ واقعی بڑے کام کی چیز تھی ورنہ مجھے یاد ہے کہ جب ہم رائل انڈین ائیر فورس میں انگریزوں کے ساتھ ہوتے تھے تو ایسے کپڑے گزوں کے حساب سے بلاوجہ استعمال کر کے ضائع کر دیا کرتے تھے۔

ایک بار پتہ چلا کہ چک لالہ کے ہوائی اڈے میں طیاروں کے کچھ سپیئر پارٹس اور بعض جسے بیکار پڑے ہیں۔ دو تین گراؤنڈ کریو (ائیرمین) اپنے خرچ پر چک لالہ گئے اور کئی کام کی چیزیں ہوائی اڈے کے کباڑ خانے سے اُٹھا لائے۔ ایسی مثالیں بہت ہیں کہ گراؤنڈ کریو نے بیکار طیاروں کو سیلویج سے اٹھا کر اُڑنے کے قابل بنا دیا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس نے پاک فضائیہ کی

بنیادوں کو تقویت دی اور تھوڑے ہی عرصے میں پاکستان ایر فورس اس قابل ہو گئی کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرسکے۔ چنانچہ شمال مغربی سرحدوں کے قبائلی علاقے میں بھارت نے براہ دگر جو مسلح بدامنی اور جنگی پیمانے پر شر انگیزی کے مظاہرے کیے تھے انہیں پاک فضائیہ کے چند ایک طیاروں نے ہی ختم کیا تھا۔ وہاں پاک فوج کی ایک بھی چوکی نہیں تھی کیونکہ قائد اعظم کے حکم کے مطابق قبائلی علاقے سے تمام فوج کو واپس بلالیا گیا تھا اور رزمک، دانا اور ڈومیل جیسی چوکیاں قبائلیوں کے حوالے کر دی تھیں۔

گراؤنڈ کریو

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس انسانی مشینری کا بھی تفصیل سے ذکر کیا جائے جو ایک طیارے کو اڑانے کے لیے سرگرم عمل ہوتی ہے۔ ہر طیارے کے لیے کئی ایک ٹیکنیشن ہوتے ہیں جنھیں گراؤنڈ کریو یعنی زمینی عملہ کہا جاتا ہے۔ ان میں ایک طیارے کے ڈھانچے کا ذمہ دار ہوتا ہے، دوسرا صرف انجن کا، تیسرا طیارے کے اسلحے کو درست حالت میں رکھتا ہے۔ جنگی پرواز کی صورت میں ایک ٹیم ہوتی ہے جو طیارے کی مشین گنوں میں گولیاں ڈالتی ہے، پروں تلے راکٹ فٹ کرتی ہے یا بم لگاتی ہے، چوتھا ٹیکنیشن طیارے کے تمام میٹروں اور دیگر آلات کا ذمہ دار ہوتا ہے، پانچواں مشین گنوں کے کیمرے کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ تربیت یافتہ فوٹو گرافر ہوتا ہے۔ وہ کیمرے میں فلم بھرتا ہے اور جنگی پرواز کے فوراً بعد کیمرے سے فلم نکال کر چند لمحوں میں اس کے پرنٹ تیار کرتا ہے اس کام کے لیے فوٹو گرافک سیکشن الگ ہوتی ہے جہاں فلم کے پرنٹ نکال کر ہوابازوں کو پردہ سکرین پر دکھائے جاتے ہیں۔ یہ فلم ہواباز کے جنگی مشن کی کامیابی یا ناکامی کا دستاویزی ثبوت ہوتا ہے۔ چھٹا ٹیکنیشن طیارے کے برقی نظام کا ذمہ دار (الیکٹریشن) ہوتا ہے۔ ساتواں پیراشوٹ کو صحیح حالت میں رکھتا ہے، آٹھواں وائرلیس سسٹم کا ٹیکنیشن ہوتا ہے اور جدید طیاروں میں ریڈار بھی ہوتے ہیں جن کے لیے ایک ریڈار مکینک بھی ہوتا ہے۔

یہ تمام ٹیکنیشن پرواز سے پہلے اپنی اپنی ذمہ داری کے مطابق ٹیکنیکی معائنہ کر کے ایک فارم پر دستخط کرتے ہیں۔ سب کے دستخطوں کے بعد ایک نان کمشنڈ آفیسر کے دستخط ہوتے ہیں۔ ہواباز اس فارم کو دیکھ کر تسلی کر لیتا ہے اور اپنے دستخط کر کے طیارہ فضا میں لے جاتا ہے۔ اگر اس ٹیم میں سے کوئی بھی ٹیکنیشن کہہ دے کہ وہ طیارے کو ابھی فضا کے قابل نہیں سمجھتا تو ہواباز خواہ کتنا ہی بڑا افسر کیوں نہ ہو، طیارے کو نہیں لے جاتا۔

ہر ہوائی اڈے میں ایک فلائنگ کنٹرول بلڈنگ ہوتی ہے۔ ہواباز اس کے ساتھ وائرلیس رابطہ قائم رکھتے ہیں۔



جنگ کے دوران ایک غیر ملکی ٹیلی ویژن سروس کے نمائندے پاک فضائیہ کے ہوابازوں کی فلم لے رہے ہیں

ایک سیبر طیارہ
جنگی مشن کے لیے تیار کیا جا رہا ہے





ایک سیبر طیارے میں
بم لگائے جا رہے ہیں

گراونڈ کریئو کی ایک جماعت



کنٹرولر (ایک افسر) ہمہ وقت، وائرلیس پر اڑتے ہوئے ہوابازوں کے ساتھ باتیں کرتا رہتا ہے اور ان کی باتیں سنتا رہتا ہے اس نظام کو کئی آدمی مل کے چلاتے ہیں۔ طیاروں کی رہنمائی اسی نظام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اترتے چڑھتے طیاروں کو بھی یہی نظام کنٹرول کرتا ہے۔

جب طیارہ واپس آتا ہے تو تمام گراؤنڈ کریو ہوابازسے رپورٹ لیتے ہیں اور اس رپورٹ کے مطابق طیارے کو اگلی پرواز کے لیے تیار کر دیتے ہیں۔ جنگی پروازوں میں جب ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے، یہ تمام گراؤنڈ کریو مشین کی طرح کام کرتے ہیں، اُدھر ٹینکیوں میں تیل ڈالا جارہا ہوتا ہے اِدھر مشین گنوں کے ساتھ نئے پٹے اور پروں تلے راکٹ اور بم لگائے جاتے ہیں۔ حفاظتی تدابیر کے قواعد وضوابط کے تحت مشین گنوں میں پٹے ڈالتے اور پروں کے ساتھ راکٹ لگاتے وقت طیارے میں تیل نہیں ڈالا جاتا نہ الیکٹریشن کو طیارے کے قریب آنے دیا جاتا ہے کیونکہ مشین گنیں یا راکٹ چل جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ان احکام وضوابط کے تحت کام کرنے کی صورت میں دو جنگی پروازوں کا درمیانی وقفہ بہت طویل ہو جاتا ہے لیکن جنگ کے دوران پاک فضائیہ کے گراؤنڈ کریو نے معجزے کر دکھائے اور خطرے مول لے لے کر دو جنگی پروازوں کا درمیانی وقفہ چند منٹوں سے زیادہ طویل نہ ہونے دیا۔

جنگی پرواز کے بعد جب طیارہ واپس آتا ہے تو ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ٹھیک حالت میں ہو۔ جیسا کہ آپ فضائی معرکوں کی تفصیلی روئیداد میں پڑھ چکے ہیں کہ اکثر طیاروں کے پر طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے چھلنی کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ احکام کے مطابق ایسے برباد شدہ طیارے کو سروسنگ اور مرمت کی ورکشاپ میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں پرواز کے گراؤنڈ کریو کے علاوہ سروسنگ کے ماہر ٹیکنیشن ہوتے ہیں۔ وہ طیارے کو مکمل طور پر کھول کر اس کی نوک پلک ٹھیک کرتے ہیں۔ پھر کوئی ماہر ہواباز اسے ٹیسٹ فلائٹ (آزمائشی پرواز) کے لیے لے جاتا ہے۔ وہ اپنی رپورٹ دیتا ہے۔ اگر وہ کہہ دے کہ طیارہ ٹھیک ہے تو اسے سکواڈرن میں بھیجا جاتا ہے ورنہ اس کے نقائص کی مرمت از سرِ نو کی جاتی ہے۔ اس عمل میں گھنٹے نہیں دن صرف ہوتے ہیں لیکن جنگ کے دوران گراؤنڈ کریو نے شاذ ہی کسی طیارے کو سروسنگ ورکشاپ میں جانے دیا ہوگا۔ انھوں نے چھلنی کیے ہوئے پروں کو ٹانکے لگا کر طیاروں کو اُڑنے کے قابل بنا دیا اور ہوابازوں نے آزمائشی پرواز کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور جنگی پرواز پر چلے گئے۔ ہوابازوں کو اپنے گراؤنڈ کریو پر بھروسہ تھا اور گراؤنڈ کریو کو اپنے اللہ پر یقین تھا۔

گراؤنڈ کریو نے جنگ کے سترہ دن اور سترہ راتیں اپنے طیاروں کے ساتھ ہوائی اڈے پہ گزار دیں۔ انھوں نے نہ کھانے کی ضرورت محسوس کی نہ دم بھر کو اونگھ لینا ضروری سمجھا۔ زیادہ سے زیادہ طیاروں کو فضا میں رکھنا ان کا ایمان بن گیا تھا۔

وہ اپنے ہوابازوں کے جوش و خروش کو بھی دیکھ رہے تھے جو ایک جنگی مشن سے آ کر دوسرے پہ چلے جاتے تھے۔ ان میں بعض ایسے تھے جو پرواز کے شیڈول کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور کسی دوسرے کی جگہ چلے جاتے تھے۔

جنگ کے دوران انڈین ایر فورس نے اس زمینی مشینری کو تباہ کرنے کے لیے تابڑ توڑ حملے کیے، راکٹوں، بموں اور گولیوں کی بارش برسائی لیکن زمینی سٹاف نے اپنی سرگرمیوں میں ذرّہ برابر فرق نہ آنے دیا۔ دشمن کے ایسے ہی ایک ہوائی حملے کے دوران ایک ہوا باز، فلائٹ لفٹننٹ ملک، اپنے طیارے کے قریب کھڑا تھا۔ ایک گراؤنڈ کریو، کارپول شیر بہادر، نے بھاگ کر فلائٹ لفٹننٹ ملک کو نیچے گرا لیا اور خود اس کے اوپر لیٹ گیا۔ اوپر سے دشمن کے طیارے گولیاں برسا رہے تھے۔ جب ہوائی حملہ ختم ہوا تو ہوا باز نے شیر بہادر کی طرف عجیب سوالیہ سی نگاہوں سے دیکھا۔ شیر بہادر نے کہا ـــــ "آپ کی زندگی مجھ سے زیادہ قیمتی ہے"۔

یہ واقعہ معمولی ہے یا غیر معمولی لیکن یہ گراؤنڈ کریو کے عظیم اور مقدّس جذبے کا مظہر ہے۔ زمین پہ کام کرنے والے ان چپ چاپ اور سرگرم عمل انسانوں کو صرف طیاروں ہی کی نہیں اپنے ہوابازوں کی جانوں کی بھی فکر تھی۔

فضا میں ہوابازوں کی شجاعت کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ یہ روایات قوم کی آخری نسل تک زندہ رہیں گی لیکن زمین پر کام کرنے والوں کو خراج تحسین پیش کیے بغیر پاک فضائیہ کی شجاعت کا تذکرہ مکمل نہیں ہوتا۔ اس عملے کو غیر ملکی نامہ نگاروں نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے اور اپنے ہوابازوں نے بھی۔ ایک ہوا باز نے یہاں تک کہا ہے کہ زمین پر کام کرنے والوں اور طیاروں کو تیار بہ تیار رکھنے والے ان نوجوانوں کو میں عقیدت بھرا سلام کرتا ہوں۔

یہ سلام ساری قوم کا ہے!

ـــــــ عنایت اللہ

پاکستانیوں کے لیے فضائی جنگ انوکھی چیز تھی۔ اُنھوں نے اپنی فضائیہ کے جیٹ طیاروں کو اکثر فضا میں اُڑتے اور قلابازیاں لگاتے دیکھا تھا۔ لیکن یہ پہلا موقعہ تھا کہ جیٹ طیاروں کی دلکشی میں ڈھکی چھپی ہوا اک قوّت کو وطن کے دفاع کے لیے استعمال کیا گیا۔ جب لوگوں نے اپنے شاہبازوں کی جانبازی کے کارنامے سُنے تو بجا طور پر بے تاب ہونے لگے کہ فضائی کرتب دکھانے والے شاہبازوں کو فضا میں لڑتے ہوئے بھی دیکھیں۔

"پاک فضائیہ کے شاہیں" جنگِ ستمبر کے فضائی معرکوں کی پہلی تفصیلی اور واحد مُستند روئیداد ہے۔ پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے اپنے اپنے معرکوں اور اپنے شہید ساتھیوں کی جانبازی کی تفصیلات اپنی زبانی سُنا کر اِس روئیداد کو جیتی جاگتی فلم بنا دیا ہے۔